شہرۂ آفاق کتاب
الرحیق المختوم
کے نامور مصنف کی ایک اور شاہکار تصنیف
قادیانیت
اپنے آئینے میں
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب .... قادیانیت اپنے آئینے میں

تالیف .... مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

اشاعت .... اپریل 2004ء

ناشر .... محمد سرور عاصم

قیمت .... 130 روپے

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

غزنی سٹریٹ بالمقابل رحمان مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 042-7244973

بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فیصل آباد فون: 041-631204

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الحسنات و ھو یتولی الصالحین والصلاۃ والسلام علی عبدہ و رسولہ محمد آخر الرسل و خاتم النبیین الذی لا نبی بعدہ الی یوم الدین و علی صحابتہ الکرام البررۃ الذین ھم قادۃ ھذہ الامۃ و سادۃ المومنین و بعد:

1974ء کے وسط کی بات ہے کہ اچانک اخبارات کے اندر پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم اور فسادات کی اطلاعات شائع ہونا شروع ہوئیں اور اس کے فوراً بعد اس خبر نے خصوصی اہمیت اختیار کرلی کہ پاکستان کے تمام مسلم فرقوں کے رہنما اور قائدین متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس مطالبہ کی خبروں سے ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی نئی پود اور تعلیم یافتہ طبقہ سخت نالاں اور برگشتہ نظر آتا تھا۔ خود مجھ سے بھی میرے بعض رفقاء نے اپنے نہایت شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ وہ اس مطالبہ کو اسی قسم کی تکفیری مہم کا ایک حصہ سمجھتے تھے، جیسی مہم پچھلے ڈیڑھ دو سو برس سے مختلف اسلامی فرقوں کے درمیان چل رہی ہے۔ اسی دوران ہندوستان کی بعض مسلمہ اسلامی شخصیتوں کی طرف سے بعض کثیر الاشاعت ماہناموں میں ایسے مضامین بھی شائع ہوئے جن سے اس مطالبہ کے خلاف پیدا شدہ ردعمل کو بڑی تقویت ملی۔ اس مضمون سے یہ بے جا تاثر قائم ہوتا تھا کہ قادیانیوں کی تکفیر کا معاملہ محض علمائے کرام کی تنگ نظری و تنگ ظرفی کا رہین منت ہے جو اپنے نتائج و عواقب کے لحاظ سے امت مسلمہ کے لیے سخت مضرت رساں ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ ردعمل قادیانی مذہب اور قادیانی امت سے متعلق اصل حقائق سے محض بے خبری اور ناواقفیت کا نتیجہ تھا۔

دوسری طرف مختلف اسلامی فرقوں اور طبقوں کی نمائندگی کرنے والے رسائل و جرائد نے اس وقت کے پیدا شدہ ماحول اور فضا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک عجیب و غریب قسم

کی روش بلکہ مہم کا مظاہرہ کیا۔ قادیانیوں تکفیر کے جو لوگ حامی تھے اور اس کی تکفیر سے جو لوگ برگشتہ تھے ان دونوں ہی طبقوں میں کم از کم اتنا احساس ضرور پایا جارہا تھا کہ قادیانیت ایک نہایت ہی سخت قسم کی ضلالت و گمراہی اور فتنہ ورخنہ ہے، جس کی جڑ اکھاڑ پھینکنی ضروری ہے۔ اس لیے وہ ایسی شخصیتوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے جنھوں نے اس فتنے کے استیصال میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اس کیفیت یا ذہنی رد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر فرقے اور طبقے کے رسائل و جرائد نے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قادیانیت کے خلاف میدان کارزار کے سپہ سالار اور ہراول دستے کے سپاہی ہمارے ہی طبقے اور فرقے کے علما تھے۔ گروہی عصبیت اور شخصیت پرستی کے اس جوش میں ایسی شخصیتیں دب گئیں جنھوں نے واقعۃً اس میدان میں پوری بے لوثی کے ساتھ بے لاگ جدوجہد کی تھی اور اسلامی دفاع کے علمبرداروں میں سب سے پیش پیش تھے۔ اور ایسی شخصیتوں کی بجائے رسائل و جرائد کے صفحات پر ایسے چہرے نمایاں ہو گئے جن کا اس سلسلہ میں یا تو سرے سے کوئی کارنامہ ہی نہ تھا یا تھا مگر بہت ہی معمولی اور نہایت درجہ محدود۔ ان رسائل و جرائد کی مہم پر شاعر کا ٹھیک یہی تبصرہ صادق آتا تھا کہ ؎

و کل یدعی وصلا بلیلی
و لیلی لا تقرلهم بذاكا

ان دونوں صورتِ حال کا تقاضا تھا کہ ایک طرف قادیانیت کے حقیقی خط و خال کو منظر عام پر لا کر ان لوگوں کی غلط فہمی دور کی جائے جو اس دین جدید۔۔ قادیانیت۔۔ اور اس کے حاملین کو فروعی اختلافات رکھنے والے اسلامی فرقوں کی طرح ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ان شخصیات کا حق تعارف ادا کیا جائے جنھوں نے اس میدان میں اسلامی دفاع کے علم بردار بن کر بے لوث اور بے لاگ خدمات انجام دی ہیں۔

1974ء کے اواخر میں میں اول الذکر موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ اچانک میرا تقرر جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس ہو گیا۔ یہاں آکر مجھے حکم ملا کہ میں اس سلسلہ میں اسلامی دفاع کے سب سے بڑے علم بردار اور امت مسلمہ کے

سب سے بڑے قادیانیت شکن سپہ سالار شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی' جدوجہد اور تگ وتاز کی تفصیلات قلم بند کروں۔ میں نے فوری طور پر کسی قدر بے ترتیبی کے ساتھ اس کام کا آغاز کر دیا مگر اپنی گوناگوں مصروفیات و مشاغل کے سبب سال بھر تک کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکا۔

دوسرے سال یعنی 1975ء کے اواخر میں میں نے ازسر نو اس کام کا باقاعدہ آغاز کیا' اس وقت ارادہ تھا کہ ابتدائے کتاب میں قادیانیت کے متعلق ایک جامع اور مختصر تعارف کے طور پر چند صفحات کا ایک نوٹ شامل کر دیا جائے گا' لیکن جب اس مقصد کے لیے میں نے موافق و مخالف مصادر وماخذ کھنگالنے شروع کیے تو ایسے ایسے حقائق سامنے آئے کہ میں خود دنگ رہ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ قادیانیت کی تردید اور اس کے مکروہ چہرے اور گھناؤنے عزائم کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں لمبے چوڑے استدلالات کی زحمت اٹھانے کی بجائے صرف اتنی سی بات کافی ہوگی کہ خود ان ہی کے آئینہ میں ان کا چہرہ دکھلا دیا جائے اور خود اس ملت کے بانی اور اس کے عمائدین کی تحریرات میں جن حقائق کا بار بار اقرار واعتراف کیا گیا ہے انھیں بلا کم وکاست ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔ مجھے یقین تھا اور ہے کہ ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد کوئی بھی ایسا شخص جو کسی بھی درجہ میں اسلامی مبادیات کا شعور رکھتا ہو اور طبیعت کی سلامتی سے آراستہ ہو قادیانیوں کے سلسلے میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہ سکتا اور نہ ایک لمحہ کے لیے یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس خطرناک ترین گروہ کو امت مسلمہ کا جزو تسلیم کر کے اس امت کے اندر اسے در آنے اور اپنی فتنہ سامانیوں سے اس امت کا گلا گھونٹنے کی اجازت دی جائے۔ اس یقین اور اس احساس کے تحت میں نے قادیانیت سے متعلق حاصل شدہ حقائق کو جمع کرنا شروع کر دیا اور اختصار کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ سلسلہ اتنا طویل ہو گیا کہ تنہا اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تیار ہو گئی۔ پھر بھی کئی گوشے ایسے رہ گئے جن کی طرف یا تو صرف اشارہ کیا گیا ہے یا ان پر سرے سے گفتگو ہی نہیں کی گئی ہے۔

باقی رہا شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی شخصیت اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی مساعی کا تعارف جو آغاز کار کے وقت میرا اصل موضوع تھا تو اس کے لیے ایک دوسری مستقل کتاب مخصوص کرنی پڑی۔ الحمد للہ! کہ ایک سال سے کچھ زائد عرصہ کی

جدوجہد کے بعد دسمبر 1976ء تک ان دونوں موضوعات پر میری کوششیں اپنے تمام وکمال کو پہنچ گئیں۔

کتاب کے حوالوں کے سلسلے میں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اقتباسات بالعموم ان ہی ماخذ سے لیے گئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے' لیکن بعض بعض ماخذ دستیاب نہ ہو سکے۔ ایسے ماخذ کے حوالے بالواسطہ دیے گئے ہیں' لیکن اس سلسلے میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ یا تو اس واسطے کی نشان دہی کر دی گئی ہے جس سے حوالہ ماخوذ ہے یا اتنے کثیر واسطوں سے اس حوالہ کی صحت کی تحقیق و تصدیق کر لی گئی ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔

کہیں کہیں اقتباس لیتے وقت اصل عبارت کی تلخیص کر دی گئی ہے' لیکن کسی عبارت کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹ کر' تلخیص کی خراد پر چڑھا کر اس کا مفہوم بدلنے اور اس کے منشاو مقصود کا بر ادہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ہر عبارت کا صرف وہی مفہوم لیا گیا ہے جو عبارۃ النص' اشارۃ النص' دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ جات کی صحت کا بڑی سختی کے ساتھ التزام کیا گیا ہے' تاہم ممکن ہے کہ نظر کی چوک سے صفحہ نمبر' جلد نمبر یا اس طرح کی کسی چیز کی نشان دہی میں غلطی ہو گئی ہو' لیکن کسی عبارت کا حوالہ بلا تحقیق نہیں دیا گیا ہے۔ نہ تقاضائے دیانت و امانت کے خلاف کوئی چیز قلم بند کی گئی ہے اور نہ حقائق کی نشان دہی اور تفصیل کے سلسلے میں کسی قسم کی جانب داری سے کام لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرف قبول بخشے کہ امت مسلمہ کے لیے مشعل حق بینی و حق شناسی ثابت ہو اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت اور توشۂ معاد کا کام دے۔ آمین۔

یارب تقبله بقبول حسن و انبته نباتًا حسنًا

صفی الرحمٰن الاعظمی
چہار شنبہ 13 صفر 1397
2/ فروری 1977ء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم)
بنارس (ہند)

مرزاغلام احمد قادیانی

[پیدائش سے وفات تک]

مرزاغلام احمد قادیانی ان گنے چنے اشخاص میں سے ایک تھے جنھوں نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیحیت و مہدویت اور نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوے کر کے اپنے دجل و فریب سے امت مسلمہ کے ایک اچھے خاصے طبقے کو نہایت ہی سخت قسم کی ضلالت و گمراہی اور کفر و الحاد میں مبتلا کیا۔ مرزا صاحب کے متضاد بیانات کی روشنی میں ان کے حالات زندگی کو وثوق کے ساتھ قلمبند کرنا اگرچہ آسان نہیں پھر بھی کوشش کی جائے گی کہ ذیل میں ان کے جستہ جستہ حالات خود ان کے اور ان کی امت کے بیانات کی روشنی میں پیش کر دیے جائیں۔ البتہ مسلمہ واقعات کے بعض مخفی گوشوں کی نشاندہی کے لیے دوسرے مراجع سے بھی مدد لی جائے گی۔

پیدائش

مرزا صاحب نے کتاب البریہ (ص146) میں اپنی پیدائش 1255ھ یا 1256ھ مطابق 1839ء یا 1840ء بتلائی ہے لیکن ان کی کتاب تریاق القلوب (ص68) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1261ھ (مطابق تخمیناً 1845ء) میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش آبائی وطن قصبہ قادیان [1] ہے جو لاہور سے 50-55 میل شمال مشرق میں ضلع گورداس پور پنجاب (ہند) میں واقع ہے۔

آپ کے بقول آپ اپنے والدین کی آخری اولاد تھے اور جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک بچی بھی پیدا ہوئی تھی جو ترتیب ولادت میں آپ سے پہلے تھی۔ نام جنت بی بی تھا۔ وہ سات ماہ زندہ رہ کر انتقال کر گئی۔ [2]

---

[1] (کتاب البریہ ص:146)

[1] (تریاق القلوب ص157)

آپ پانچ بھائی بہن تھے' ان میں سب سے بڑی ایک بہن: مراد بی بی تھیں' ان سے چھوٹے غلام قادر تھے' ان سے چھوٹا ایک اور لڑکا تھا جو بچپن ہی میں انتقال کر گیا' اس سے چھوٹی جنت بی بی تھی جو جناب مرزا صاحب کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھی اور سب سے چھوٹے خود آنجناب تھے۔ [1]

آپ سے پہلے چونکہ دو بچے فوت ہو چکے تھے اس لیے آپ کے گلے میں ہنسلی ڈال دی گئی تھی اور آپ کو سندھی کہا جاتا تھا کیوں کہ جس بچے کے گلے میں سیندھی (ہنسلی) ڈال کر (غیر اللہ) کی نذر پوری کی جاتی تھی عموماً اس کا نام سندھی رکھ دیتے تھے۔ [2]

خاندان

آپ کا نسبی تعلق قراچار برلاس نامی ایک قوم سے تھا اور اس کی تصدیق میں آپ نے خود اپنی تصنیفات کے اندر اپنا طول طویل نسب نامہ درج کیا ہے۔ [3] لیکن دعوائے مسیحیت و مہدویت کے بعد آپ نے کبھی اپنے آپ کو فارسی النسل قرار دیا تو کبھی اسرائیلی کہا اور کبھی چینی النسل قرار دیا تو کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے بتلایا۔ اور کمال یہ ہے کہ ان چاروں نسلوں میں تقسیم ہونے کے باوجود آپ پورے کے پورے مغل بھی رہے۔ [4]

آپ کے باپ کا نام غلام مرتضی تھا۔ دادا کا عطا محمد اور پردادا کا گل محمد۔ گل محمد اسی پچاسی گاؤں کے زمیندار تھے۔ 1800ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد عطا محمد کو رام گڑھی سکھوں نے قادیان سے بے دخل کر دیا۔ وہ جلا وطن ہو کر کپورتھلہ چلے گئے اور چند سال بعد زہر خورانی کے سبب وہیں فوت ہو گئے۔ غلام مرتضی رنجیت سنگھ کے آخری ایام میں

---

[1] (سیرۃ المہدی ج 1 ص 30' کادیہ ج 2 ص 272)

[2] (سیرۃ المہدی ج 1 ص 36)

[3] (کتاب البریہ ص 142 ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص 77)

[4] تفصیل کے لیے دیکھیے! مرزا صاحب کی تصنیفات: کتاب البریہ ص 135,134 حاشیہ۔ رسالہ اربعین نمبر 2 ص 17۔ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ تحفہ گولڑویہ ص 40,26

قادیان آ سکے۔ لیکن قلاش تھے، کشمیر میں کچھ عرصہ نوکری کی۔ آبائی جاگیر کے پانچ گاؤں بھی مل گئے۔ جسے انگریزوں نے اپنے دور میں واپس لے لیا اور سات سو روپے سالانہ پنشن جاری کر دی۔ انھوں نے 1876ء کے موسم گرما میں وفات پائی۔ عمر 80-85 کے لگ بھگ تھی۔ [1]

مرزا صاحب کی ماں کا نام چراغ بی بی تھا۔ وہ ائمہ ضلع ہوشیار پور کی تھیں اور مرزا صاحب کے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں تھیں۔ [2]

بچپن

مرزا صاحب بچپن میں چڑیاں پھنسانے کے شوقین تھے اور چاقو نہ ہوتا تو سرکنڈے ہی سے ہاتھ آیا ہوا شکار ذبح کر لیتے تھے۔ شکار کے لیے لوبان، تیل اور گولر پیپل جیسے درختوں کے دودھ سے لاسہ تیار کرتے تھے اور کیڑے کی تلاش میں دن کا دن بارانی نالیوں میں پھرا کرتے تھے۔ گھر پر اور ننھال میں، دونوں جگہ۔۔ سارا دن اسی مشغلے میں گزرتا تھا۔ [3]

مزاج کے خاصے ضدی اور بگڑیل تھے۔ ایک دفعہ ماں سے روٹی کے ساتھ کچھ کھانے کو مانگا، ماں نے گڑ دیا۔ قبول نہ کیا، کوئی دوسری چیز دی اسے بھی نہ لیا۔ ماں نے تنگ آ کر کہا کہ جاؤ راکھ سے کھاؤ۔ پھر کیا تھا؟ مرزا صاحب نے جھٹ روٹی پر راکھ رکھ لی اور کھانے بیٹھ گئے۔ [4]

بچگانہ قسم کی چوری کا فن بھی آتا تھا۔ ایک دفعہ ساتھیوں نے میٹھا مانگا آپ گھر آئے۔ وہاں پسا ہوا نمک رکھا تھا، شکر سمجھ کر چپکے سے جیبیں بھر لیں اور چمپت ہو گئے۔ باہر نکل کر مٹھی بھر منہ میں ٹھونس لیا، لیکن اس وقت جناب کا دم رک گیا اور معلوم ہوا کہ وہ پسے ہوئے

---

[1] (کتاب البریہ 134-146، ستارہ قیصرہ ص 3 تحفہ قیصریہ ص 14 کا دیہ ج 2 ص 202-203- نزول المسیح ص 116-118) [2] (سیرۃ المہدی ج 1 ص 7)

[3] (ایضاً ص 36-232)

[4] (ایضاً ص 226-227)

نمک کو شکر سمجھ کر اٹھا لائے ہیں۔ ❶

آپ تیرنے کے بھی دلدادہ تھے۔ ایک دفعہ اسی رو میں ڈوب بھی چلے تھے، لیکن کسی بڈھے نے دستگیری کر دی اور بچ گئے۔ ❷

بعض اوقات سواری بھی کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سرکش گھوڑے پر سوار تھے کہ وہ ایک درخت سے جا ٹکرایا۔ آنجناب تو نیچے گر کر بچ نکلے، لیکن گھوڑا چوٹ کے اثر سے مر گیا۔ ❸

تعلیم

چھ سات سال کی عمر میں آپ نے مولوی فضل الٰہی صاحب حنفی ساکن قادیان سے قرآن مجید اور فارسی وغیرہ کی تعلیم شروع کی، پھر تقریباً دس برس کی عمر میں مولوی فضل احمد صاحب (اہل حدیث) ساکن فیروز پور والا ضلع گجرانوالہ سے صرف ونحو کا آغاز کیا۔ ❹

شادی

اسی دوران آپ کی شادی بھی ہوگئی۔ اہلیہ مرزا شیر علی ہوشیار پوری کی بہن تھیں۔ ❺ شادی کے وقت مرزا صاحب کی عمر پندرہ برس تھی۔ اگلے سال 1856ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا اور دو سال بعد پھر ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی۔ پہلے کا نام سلطان احمد اور دوسرے کا نام فضل احمد رکھا گیا۔ ❻

---

❶ (سیرۃ المہدی ج1 ص226)

❷ (سیرۃ المہدی ج1 ص91) ❸ (ایضاً)

❹ (کتاب البریہ حاشیہ ص148-149 وغیرہ)

❺ (چودہویں صدی کا مسیح ص:102)

❻ (سیرۃ المہدی ج1 ص196-197-256)

مزید تعلیم

انہی دنوں جب کہ مرزا صاحب کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی' ان کے والد نے معاشی بدحالی سے مجبور ہو کر بٹالہ میں مطب کھولا۔ مرزا صاحب بھی وہیں آ رہے اور وہاں کے بھی مشہور شیعہ عالم مولوی گل علی شاہ صاحب سے نحو' منطق اور حکمت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ باپ چوں کہ خود طبیب تھے اس لیے مرزا صاحب نے طب کی تعلیم انہی سے حاصل کی۔ [1]

ایک مجرمانہ حرکت اور سیالکوٹ کو فرار

غالباً یہی دور تھا جب مرزا صاحب کے والد غلام مرتضی کے لیے انگریزی حکومت نے سات سو روپے سالانہ پنشن تاحیات مقرر کی تھی جس سے خاندان کے بسر اوقات کی اطمینان بخش صورت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ رقم موجودہ دور کی قیمتوں کے لحاظ سے پندرہ سے بیس ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔ ایک دفعہ غلام مرتضی نے مرزا صاحب کو یہ رقم وصول کرنے کے لیے بھیج دیا۔ مرزا صاحب اپنے چچیرے بھائی امام الدین کے ساتھ گئے اور رقم وصول کرنے کے بعد دونوں نے خوب گلچھرے اڑائے۔ تمام قرائن شاہد ہیں کہ اس رقم کا بڑا حصہ بدترین مصارف پر صرف ہوا۔ رقم ختم ہو گئی تو امام الدین نے کوئی اور راہ لی اور مرزا صاحب باپ کے خوف سے سیالکوٹ بھاگ گئے۔ [2] یہ واقعہ 1864ء کا ہے۔

سیالکوٹ میں نوکری

سیالکوٹ میں آپ کا ایک ہم سبق دوست لالہ بھیم سین رہتا تھا جو اصلاً کچہری میں ملازم تھا' لیکن اپنے وسیع تعلقات کی بنا پر مستقلاً زیرِ رخصت رہ کر وکالت کرتا تھا۔ غالباً اسی کی وساطت سے آپ بھی پندرہ روپے ماہوار پر کچہری میں ملازم ہو گئے۔ [3]

---

[1] (رئیس قادیان ص 20' 21۔ کتاب البریہ ص 150 (حاشیہ) [2] (سیرۃ المہدی جلد اول ص 34-35' رئیس قادیان ص 22) [3] (سیرۃ المہدی جلد اول ص 35' رئیس قادیان ص 27)

رشوت ستانی

مرزا صاحب کے واقف کاروں کا بیان ہے کہ موصوف نے سیالکوٹ کچہری کی ملازمت کے دوران رشوت ستانی سے خوب ہاتھ رنگے اور یہی ناجائز کمائی تھی جس سے آپ نے چار ہزار کا زیور اپنی دوسری بیوی کے لیے بنوایا تھا۔ [1]

کردار کی ایک اور جھلک

علامہ اقبالؒ کے عربی اور فارسی کے استاد مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کے تلاوت کا جو قرآن تھا اس میں مرزا صاحب نے خاتمہ قرآن پر یعنی سورۃ الناس کے اختتام پر قوت باہ کا ایک نسخہ لکھ رکھا تھا۔ [2] اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب کے دل میں قرآن مجید کی کیا وقعت تھی اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اہل و عیال سے الگ تھلگ رہتے ہوئے موصوف کو قوت باہ کے نسخے کی ضرورت کیوں تھی؟

انگریزی تعلیم

سیالکوٹ میں ایک صاحب (مولوی الٰہی بخش ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولس) نے منشیوں کے لیے ایک انگریزی سکول قائم کیا تھا۔ منشی امیر شاہ پنشنر معلم تھے اس سکول میں مرزا صاحب نے انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھیں۔ [3]

علم نجوم سے وابستگی

مرزا صاحب نے ہوش سنبھالتے ہی پر اسرار علوم اور ماورائی فنون میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ قیام بٹالہ کے دوران درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ نسخہ کیمیا کی تلاش میں بھی

---

[1] (تفصیل کے لیے دیکھیے رئیس قادیان ص 24)

[2] (رئیس قادیان ص 27) [3] (سیرۃ المہدی ج اول ص 137)

رہتے تھے۔ ❶

مولوی گل علی شاہ علم جفر میں خاصی دست گاہ رکھتے تھے ❷ (جو در حقیقت علم نجوم ہی کی ایک شاخ ہے) اس لیے مرزا صاحب کی دلچسپی اور ان کے آئندہ دور کے طرز عمل اور اظہار خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے گمان غالب ہے کہ انھوں نے مولوی صاحب موصوف سے علم جفر بھی سیکھا تھا۔

سیالکوٹ پہنچ کر مرزا صاحب کو اس فن کے ایک ماہر استاذ ملک شاہ صاحب مل گئے اور مرزا صاحب نے عقیدت مندانہ طور پر ان کے دامن سے وابستگی اختیار کر لی ❸۔ پھر محمد صالح نامی ایک عرب صاحب سیالکوٹ تشریف لائے۔ وہ بھی فن نجوم اور علم رمل سے واقف تھے۔ ❹ تعارف کے بعد مرزا صاحب نے ان سے بھی گہرا ربط قائم رکھا۔ ❺

علم نجوم سے وابستگی ہی کا نتیجہ تھا کہ مرزا صاحب نجومیوں کی طرح دنوں کے سعد اور نحس ہونے کے قائل تھے۔ منگل کے دن کو خصوصاً برا جانتے تھے ❻ اور جب آپ نے مسیحیت کا کاروبار شروع کیا تو اس دن بیعت وغیرہ سے پرہیز کیا۔ ❼ نیز آپ نے ستاروں کے متعلق ٹھیک ان ہی عقائد اور خیالات کا اظہار کیا جن کا اظہار منجمین کیا کرتے ہیں اور جنھیں اسلام میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ مرزا صاحب نے توضیح مرام میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ ہر ستارے کے ساتھ ایک فرشتہ وابستہ ہے جس سے وہ کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ ستارہ جسم اور فرشتہ روح کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام انقلابات انہی کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ مرزا صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''دراصل ملائکہ ارواح کواکب۔۔۔ اور سیارات کے لیے جان کا حکم

---

❶ (چودھویں صدی کا مسیح ص 11) ❷ (ایضاً حاشیہ)
❸ (ایضاً ص 7) ❹ (ایضاً ص 43)
❺ (ایضاً ص 5 حاشیہ) ❻ (کاویہ ص 286)
❼ (ایضاً ص 318)

رکھتے ہیں اور عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے ارواح کی تاثیرات سے ہو رہا ہے۔" (1)

"جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کواکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لیے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت بچی ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات و جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے۔" (2)

"اور سیاروں میں باعتبار ان کے قالبوں کے طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہے ہیں۔" (3)

"۔۔۔ ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے۔" (4)

"ضرور کائنات الارض کی تربیت اجرام سماویہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔" (5)

"ملائک اور کواکب اور عناصر وغیرہ جو کچھ انسان میں اور خدائے تعالیٰ میں بطور وسائط کے دخیل ہو کر کام کر رہے ہیں۔ ان کا درمیانی واسطہ ہونا ان کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔" (6)

"دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے نجوم کی تاثیرات سے ہو رہا ہے۔" (7)

ان اقتباسات پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں' چونکہ مرزا صاحب ایک نجومی کی حیثیت سے معروف نہ تھے اس لیے یہ حوالے نقل کر دیے گئے' تاکہ ان کی آئندہ زندگی کے پروگرام میں پیش گوئیوں کا جو حصہ نظر آتا ہے اس کی اصل حقیقت سمجھی جا سکے۔

---

(1) (توضیح مرام خلاصہ ص 37-38) (2) (ایضا ص 39)
(3) (ایضا ص 40) (4) (ایضا ص 32) (5) (ایضاً ص 41)
(6) (ایضاً ص 66) (7) (تصویر مرزا ص 196 بحوالہ توضیح مرام ص 30)

علاوہ ازیں جب مرزا صاحب نے اپنے دعوے کے اثبات کے لیے پیش گوئیاں کرنی شروع کیں تو ایک صاحب سید احمد نے قادیان میں دو تین ہفتہ رہ کر مرزا صاحب کے مخفی حالات کا سراغ لگایا۔ شفاء للناس کے مصنف نے صفحہ 71,70 پر ان کی یہ شہادت درج کی ہے کہ مرزا صاحب رمال تھے اور رمالانہ پیش گوئیاں بذریعہ آلات نجوم نکالا کرتے تھے اور اسی کا نام خدائی الہام رکھ چھوڑا تھا۔ [1]

مختاری کا امتحان اور ناکامی

مرزا صاحب میں حرص و آز بچپن ہی سے تھا اور ضدی ہونے کے سبب ان کی طبیعت نوکری کے ساتھ میل نہیں کھاتی تھی۔ ادھر سیالکوٹ میں روزمرہ کے مشاہدہ کے بعد انھیں وکلاء کے آزاد پیشے اور بے حساب آمدنی پر رشک بھی آرہا تھا۔ اس لیے 1868ء میں اپنے رفیق دیرینہ لالہ بھیم سین کے ساتھ مختاری کے امتحان میں بیٹھ گئے۔ لالہ صاحب تو پاس ہو گئے، لیکن مرزا صاحب کی قسمت نے یاوری نہ کی اور آپ فیل ہو گئے۔ [2]

قادیان کو واپسی

مرزا صاحب اپنی افتاد طبع کے باعث نوکری سے تو تنگ ہی آ چکے تھے اب احساس ناکامی نے اور زیادہ دل برداشتہ کر دیا، لیکن اپنے والد کی ایک سالہ پنشن کی جو رقم غارت کی تھی اس کی وجہ سے باپ کا خوف دامن گیر تھا اور گھر آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی مگر چار پانچ سال کی جدائی کے سبب باپ پر شفقت پدری غالب آگئی اور انھوں نے مرزا صاحب کو گھر آنے کی اجازت دے دی۔ پھر کیا تھا؟ مرزا صاحب جھٹ مستعفی ہو کر قادیان آگئے۔ سیالکوٹ کی ملازمت 1864ء سے 1868ء تک رہی۔ [3]

---

[1] (چودھویں صدی کا مسیح ص 77) [2] (سیرۃ المہدی ج اول ص 135)

[3] (کتاب البریہ ص 152-153)

چلہ کشی اور مسمریزم کی مشق

سیالکوٹ سے واپس آ کر مرزا صاحب نے ایک اور سوانگ رچایا۔ یعنی بیوی بچوں سے قطعی طور پر بے ربط ہو کر مردانہ نشست گاہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور گھر کی ذمہ داریوں سے حتی الامکان کنارہ کش رہ کر تسخیری عملیات اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ آٹھ نو ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس دوران آپ نے اپنے بقول خوراک بالکل کم کر دی تھی اور بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے۔ کبھی عین حالت بیداری میں سامنے کچھ روحیں محسوس ہوئیں اور کبھی سرخ و سفید اور سبز رنگ کے فلک بوس دلکش نورانی کھمبے نظر آئے۔ [1]

مرزا صاحب نے اپنے اس مجاہدہ اور ریاضت کو محض زہد و تقدس اور شوق و ذوق عبادت کا نتیجہ بتلایا ہے مگر در حقیقت انھوں نے اس ایک تیر سے کئی شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اولاً مرزا صاحب نے اندازہ کیا ہوگا کہ آپ کے والد کو کریکٹر کے بارے میں جو بدظنی ہے وہ اس درجہ عبادت میں انہماک دیکھ کر دور ہو سکتی ہے مگر افسوس کہ مرزا صاحب کا یہ داؤ کامیاب نہ رہا اور آپ کے والد زندگی بھر آپ کی آوارگی اور بدچلنی کے شاکی رہے۔ [2]

ثانیاً مستقبل میں مرجع خلائق بننے کے متعلق مرزا صاحب کے ذہن میں جس پروگرام کی کھچڑی پک رہی تھی اس پر کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کے لیے علم نجوم سے واقفیت کے بعد فن مسمریزم سے بھی آگاہ ہونے کی ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھ نو ماہ کی یہ ریاضت اسی فن مسمریزم کی عملی مشق تھی۔ مرزا صاحب نے زندگی بھر اس فن سے کام لینے کے باوجود اپنے اس کمال کو کمال رازداری کے ساتھ چھپائے رکھا۔ اور بظاہر اس سے اپنی نفرت ہی کا اظہار کرتے رہے، لیکن آپ نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام کے صفحہ 305 سے 312 تک جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا بین السطور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آپ اس فن سے بخوبی آشنا تھے۔ علاوہ ازیں آپ کے صاحبزادے میاں محمود کا اپنا بیان ہے کہ مجھ کو بھی یہ علم آتا

---

[1] (کادیہ ج 2 ص 201، ریویو آف ریلیجنز ج 5 نمبر 6 ص 221) [2] (رئیس قادیان ص 43)

ہے۔ 1 اگر اس امر کی تنقیح کی جائے کہ میاں محمود نے یہ فن کس سے سیکھا تھا تو حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ بیٹے (محمود) پر اس علم کا فیضان باپ (مرزا صاحب) کی طرف سے ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے۔ مرزا صاحب کے مرید مسمریزم کی یہ خاصیت بیان کرتے ہیں کہ:۔

"عمل مسمریزم کا یہی اصول ہے کہ توجہ ڈال کر اپنا اثر دوسرے پر ڈالا جاتا ہے۔" 2

اور مرزا صاحب کو اس قسم کے اثر ڈالنے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کے ایک مخلص مرید بلکہ حواری مولوی عبداللہ سنوری کا بیان ہے کہ:

"ایک دن۔۔۔ آپ کی نظر سے میری نظر مل گئی تو میرا دل پگھل گیا۔" 3

یہ کھلی ہوئی علامت ہے کہ مرزا صاحب فن مسمریزم سے آشنا تھے اور لوگوں کو اپنے دام ارادت میں پھانسنے کے لیے اس سے کام لیتے تھے۔

مقدمہ بازی کا مقدس مشغلہ

الغرض مرزا صاحب تو سیالکوٹ سے واپس آکر طویل المیعاد اور عظیم المقاصد منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی تیاریاں کر رہے تھے، لیکن ان کے والد کو (جو اصل حقیقت سے بالکل بے خبر تھے) ان کی اس رہبانیت اور گوشہ نشینی سے تشویش ہوئی اور انھوں نے اپنے علاقہ ہائے زمینداری کی واپسی سے متعلق جو مقدمات دائر کر رکھے تھے، ان کی پیروی پر مرزا صاحب کو لگا دیا۔ 4 مرزا صاحب نے ایک عرصہ تک جم کا مقدمہ بازی کی 5 اور حریف کو پچھاڑنے کے لیے قانونی اور روحانی دونوں حربوں کو خوب خوب استعمال کیا 6۔ آپ الد الخصام شروع ہی سے تھے اس لیے مقدمہ بازی کا مشغلہ آپ کو خوب راس آیا۔ آپ کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر اور چند پیسوں کے لیے مقدمہ دائر کر دیتے تھے

---

1 (اخبار الفضل، 21/ مئی 1926 عنوان: معجزہ اور مسمریزم میں فرق ص 15) 2 (ایضاً)
3 (کاویہ ج2 ص313) 4 (ریویو آف ریلیجنز ج5 شمارہ 6 ص 221) 5 (کتاب البریہ ص 151)
6 (رئیس قادیان ص 28-29)

اور غریبوں کو جی بھر کر ستاتے تھے۔ ❶

مخالفین اسلام سے مذہبی چھیڑ چھاڑ

مقدمات کے سلسلے میں مرزا صاحب کو لاہور اور ڈلہوزی جیسے مقامات کے سفر کے مواقع بار بار پیش آئے۔ ❷ سیالکوٹ سے واپسی کے بعد کے ابتدائی نو مہینوں میں عملیات کی مشق مکمل ہو ہی چکی تھی۔ اب ان سفروں کے دوران آپ نے لوگوں پر ان کے اثرات کی آزمائش شروع کی اور ایک منظم پلان کے تحت اس کام کا آغاز کیا اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے مولانا محمد حسین بٹالوی سے بٹالہ میں ملاقات کی ❸ اور بڑی ہوشیاری سے ان کے دل پر اپنے زہد و تقدس کا سکہ بٹھا دیا۔ اور اس کے بعد امرتسر میں مولانا عبداللہ غزنوی جیسے صوفی المشرب عالم سے ملاقات کر کے ان کی دعائیں لیں۔ ❹

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ توحید و سنت کی بے لاگ دعوت اور شرک و بدعت سے اہل اسلام کی تطہیر ان کی سرگرمیوں کا خصوصی محور اور ان کی جدوجہد کا اہم میدان تھا۔ وہ اس وقت لاہور کی مسجد چینیاں والی کے خطیب تھے اور رخصت پر گھر آئے ہوئے تھے۔ دینی حلقوں میں ان کا دائرہ اثر بہت وسیع تھا۔ اس لیے اس ملاقات کے بعد مرزا صاحب نے ان کے دامن سے وابستگی اختیار کی اور عرصہ تک لاہور میں ان کے ہاں مقیم رہنے لگے۔ ❺

قیام لاہور کے دوران عام مسلمانوں پر اپنے زہد و تقدس کا سکہ بٹھانا اور مخالفین اسلام سے مذہبی چھیڑ چھاڑ اور مناظرانہ سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھ کر اپنی اسلامی غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرنا آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔ اس کام میں آپ کی ہوشیاری کا نقشہ آپ کے ایک معاصر انگیریز ڈاکٹر پی ایچ ڈی گریس وولڈ پرنسپل (یا پروفیسر) فورمین کرسچین کالج

---

❶ (ایضاً ص 23) ❷ (ریویو ایضاً ص 233) ❸ (براہین احمدیہ ج چہارم ص 520)

❹ (چودھویں صدی کا مسیح ص 48-53) ❺ (چودھویں صدی کا مسیح ص 11-12)

لاہور نے بڑے دلچسپ انداز میں کھینچا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"مباحثہ کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہوتا' مرزا صاحب بے تکلف اپنی فتح کا اعلان کر دیتے تھے۔ عقلی طور پر وہ اپنے دعاوی کو ولولہ انگیز پیرایہ میں مشتہر کرنے اور اپنی باتوں کو مضبوط بنانے میں بڑے ہوشیار تھے خصوصاً عوام الناس کی توجہ جذب کرنے کے فن میں تو استاد کامل تھے۔" [1]

غرض اس طرز عمل کے نتیجے میں مرزا صاحب بہت جلد ایک صوفی باصفا اور غیرت مند مبلغ اسلام کی حیثیت سے عوام و خواص میں متعارف ہو گئے اور لاہور میں آپ کے قدر دانوں اور عقیدت مندوں کا ایک بڑا حصہ تیار ہو گیا۔ [2]

مرزا صاحب کی سرگرمیاں ابھی اسی مقام تک پہنچی تھیں کہ 1876ء کے موسم میں ان کے والد غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو گیا۔

معاشی دشواری اور اس کے حل کی راہ

باپ کی وفات کے بعد مرزا صاحب اپنی کارروائیوں کے لیے کلی طور پر آزاد ہو گئے۔ البتہ ان کی وفات کے بعد کچھ مشکلات بھی پیش آئیں۔ یعنی سات سو روپے سالانہ پنشن کم ہو کر صرف ایک سو اسی روپے سالانہ (پندرہ روپے ماہوار) رہ گئی [3] اور وہ بھی مرزا صاحب کے بڑے بھائی غلام قادر کے نام جاری ہوئی۔ مقدمات میں باپ کی جمع کردہ پونجی پہلے ہی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ [4] جس کی مقدار مرزا صاحب نے کبھی آٹھ ہزار [5] بتلائی ہے اور کبھی ستر ہزار [6]۔ علاوہ ازیں جتنی کچھ جائیداد تھی وہ بھی قرضوں کے عوض رہن (گرو) رکھی ہوئی تھی [7]۔ پھر جن جدی جائیدادوں پر حکومت نے مرزا صاحب کے خاندان کے

---

[1] (مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی موعود ص 35' رئیس قادیان ص 40) [2] (رئیس قادیان ص 39-40) [3] (سیرۃ المہدی' ج 1 ص 32-33) [4] (ریویو آف ریلیجنز ج 5 شمارہ نمبر 6 ص 222)

[5] (مکتوبات احمدیہ ج 4 ص 32) [6] (کتاب البریہ ص 155)

[7] (چودھویں صدی کا مسیح ص 50)

حقوق مالکانہ یا حقوق تعلقہ داری تسلیم کیے تھے۔ چونکہ ان میں خاندان کے دوسرے ورثا بھی حق دار تھے اور ان کے حصے مرزا صاحب نے غاصبانہ طور پر ہڑپ کر رکھے تھے۔ اس لیے انھوں نے بھی اپنے حصص کی بازیابی کے لیے 1877ء میں مرزا صاحب کے خلاف بالواسطہ مقدمہ دائر کر دیا اور بالآخر مرزا صاحب اور ان کے بھائی سے اپنی ہڑپ کردہ زمین واپس لے لی۔ [1] ان حالات نے مرزا صاحب کو سخت مایوسی سے دوچار کر دیا۔ ان کی اس وقت کی مایوسی کا عالم یہ تھا کہ خود ان کا بیان ہے کہ

"مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہ تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے۔" [2]

انھیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آ رہی تھی۔ ہاں صرف ایک راہ تھی جس میں کامیابی کی توقعات تھیں اور مرزا صاحب نے بالآخر وہی راہ اختیار کی۔ یعنی آپ نے ہندوستان کے مخصوص ماحول کو عموماً اور قادیان کے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی پیر پرستی کو خصوصاً سامنے رکھ کر اندازہ کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی تعصبات اور عقیدت مندانہ جذبات کو ابھار کر بڑی آسانی سے لاکھوں روپے کمائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت آریوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو مذہبی جارحیت برپا کر رکھی تھی اس کی وجہ سے ہر وہ عالم دین مسلمانوں کی عقیدت و ارادت کا مرکز و محور بن جاتا تھا جو ان حملہ آوروں کے مقابل میں سینہ سپر ہو جائے۔ مسلمان ایسے شخص کی امانت و دیانت کے مرتبہ و مقام کی جستجو میں پڑے بغیر اس کی نوازش کے لیے چھوٹی بڑی رقموں کی شکل میں نذرانے پیش کرتے تھے۔

مرزا صاحب ایک خاص حلقے میں مناظر اسلام اور صوفی و زاہد کی حیثیت سے تو پہلے ہی متعارف ہو چکے تھے۔ اب انھوں نے وسیع پیمانے پر اپنی اس دوگونہ حیثیت کے تعارف کے لیے کچھ اہم اقدامات شروع کیے۔ چنانچہ انھوں نے اخبارات و جرائد میں آریوں کے خلاف بڑے جذبات خیز انداز سے مضمون نگاری کا آغاز کیا اور ابھی آپ کے پہلے مضمون کی

---

[1] (رئیس قادیان ص 32-36) [2] (حقیقۃ الوحی ص 211)

تمام قسطیں شائع بھی نہیں ہو چکی تھیں کہ آپ نے ایک اشتہار شائع کر کے آریوں کو چیلنج دے دیا کہ اگر یہ لوگ ہمارے دلائل توڑ کر اپنا مدعا ثابت کر دیں تو انھیں پانچ سو روپے انعام دیا جائے گا اور پھر آپ نے چیلنج اور دعوت مناظرہ پر مشتمل اسی طرح کے کئی اشتہار پے در پے شائع کیے۔ دسمبر 1877ء سے جولائی 1878 تک یعنی آٹھ ماہ تک اس قسم کی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا جس سے آپ کا حلقہ تعارف بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔ لوگوں کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہو گئیں اور آپ کو باطل شکن مجاہد اسلام سمجھا جانے لگا۔ [1]

براہین احمدیہ کے لیے چندے کی مہم

اور جب آپ نے اس طرح میدان ہموار کر لیا تو ''آمدم برسر مطلب'' کے عنوان کے ساتھ نمودار ہوئے یعنی اب آپ نے مسلمانوں کے نام ایک اشتہار شائع کیا اور انھیں بتلایا کہ میں نے براہین احمدیہ نام کی ایک ایسی کتاب تالیف کی ہے جس کی پچاس جلدیں ہیں اور اس میں اسلام کی حقانیت اور قرآن کی صداقت پر تین سو سے زائد دلائل درج ہیں۔ جن کا جواب کسی مخالف اسلام سے ممکن نہیں اور جو مخالف اسلام میرے ان دلائل کا جواب دے کر اپنی مذہبی کتاب کا برحق ہونا ثابت کر دے گا میں اس کو دس ہزار روپے انعام دینے کا پابند ہوں۔ اس اشتہار میں اس طرح کے گرما گرم اور عصبیت خیز بیانات کے ذریعہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دینی حمیت و غیرت کو پورے زور و شور کے ساتھ ابھار کر انھیں اس کتاب کی اشاعت کے لیے آمادہ تعاون کرنے کی کوشش کی اور ثواب آخرت یاد دلا کر اس کار خیر میں شرکت کی عام دعوت دیتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے کہ ''اغنیا لوگ اگر اپنے مطبخ کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرما دیں گے تو یہ کتاب بسہولت چھپ جائے گی ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا۔'' پھر چند دنوں بعد ایک دوسرا اشتہار شائع کیا اور اس سے پچھلے اشتہار کی تفصیلات دہراتے ہوئے براہین احمدیہ کو اسلام کی تیغ بُراں قرار دیا اور تعاون کی اپیل کرتے

---

[1] (بعض مفصل اشتہارات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ مرزا ص 4-7)

ہوئے پھر لکھا کہ ”اگر اغنیا صرف ایک دن کا خرچ جو اس کے باورچی خانہ میں ہوتا ہے روانہ کر دیں تو یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے حل ہو سکتا ہے۔

اس قسم کے حمیت خیز اشتہارات نے مسلم حلقے میں ایک دھوم مچا دی۔ مدد و اعانت و عطیات اور پیشگی قیمتوں کی شکل میں روپے آنے شروع ہو گئے۔ بہت سے مخلصین اسلام نے محض اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے کے تحت رضاکارانہ طور پر تگ و دو کر کے رقمیں فراہم کیں۔ ہندوستان کی اکثر مسلم ریاستوں کے امراء و عمائدین نے عطیات بھیجے اور اس طرح اصل لاگت سے دس گناہ زیادہ رقم جمع ہو گئی۔ [1]

اس رقم کی فراہمی میں مرزا صاحب نے حرام و حلال کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا۔ حتی کہ ایک طوائف کی پیشہ ورانہ کمائی کا سارا اندوختہ چندہ میں لے لیا' [2] جس کی طرف خود مرزا صاحب کے خسر نے ان کی ہجو کرتے ہوئے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ۔

ہو یتیموں ہی کا یا رانڈوں کا
رنڈیوں کا مال یا بھانڈوں کا ہو
کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض [3]

الغرض مرزا صاحب نے اپنی اس مہم میں امید سے زیادہ کامیاب ہوئے اور جب چندے کی صورت میں ایک بہت بڑی رقم جمع ہو گئی تو اس رقم سے آپ نے اپنے قرضے اور واجبات ادا کیے اور گروی رکھی ہوئی جائداد چھڑا لی۔ پھر اس ہنگامہ زرگری کے کچھ عرصہ بعد 1880ء میں اس کتاب کی ابتدائی دو جلدیں بھی منظر عام پر آ گئیں۔ لیکن ان کی شکل یہ تھی

---

[1] (یہ تفصیلات براہین احمدیہ سے متعلق اشتہارات مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول ص 8 تا ص 42 دیکھی جا سکتی ہیں' نیز دیکھیے چودھویں صدی کا مسیح ص 60 'رئیس قادیان ص 62 تا 65' تاریخ مرزا ص 9,8' نوشتہ غیب ص 45)

[2] (چودھویں صدی کا مسیح ص 88) [3] (ایضاً ص 262)

کہ پہلی جلد موٹے حرفوں میں صرف اسی کتاب کے اشتہار پر ختم ہو گئی تھی۔ دوسری جلد کچھ نثر' کچھ نظم' کچھ متن' کچھ حاشیہ ملا کر صرف مقدمے پر ختم تھی اور دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات صرف 138 تھے۔

دو سال بعد 1882ء میں تیسری جلد شائع ہوئی جس میں تین سو موعودہ دلائل کے لیے کچھ تمہیدات ہی کا سلسلہ چل رہا تھا کہ یہ جلد ختم ہو گئی۔ مزید دو سال بعد 1884ء میں چوتھی جلد شائع ہوئی تو اس میں تمہیدات کی تکمیل کر کے ابھی پہلی دلیل شروع ہی کی تھی کہ یہ جلد بھی ختم ہو گئی اور اس کی پشت پر اگلے اجزاء نہ چھاپنے کا ایک حیلہ پیش کر کے بقیہ حصوں کی طباعت بند کر دی۔ یعنی کھیل ختم۔۔ پیسہ ہضم۔ جن لوگوں نے پچاس پچاس جلدوں کی پیشگی قیمت جمع کی تھی انھوں نے جب بقیہ قیمت واپس طلب کی تو انھیں کوس کوس کر خاموش کر دیا گیا۔ [1]

دعائیں اور نذرانے

براہین احمدیہ کی اس ہنگامہ خیز اشتہار بازی کے دوران مرزا صاحب نے کم سمجھ' ناخواندہ اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ انکے ساتھ بھی آپ کی عنایت خسروانہ جاری رہی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے کچھ ہوشیار قسم کے رازداں مریدوں کو اپنا ایجنٹ بنا رکھا تھا۔ یہ ایجنٹ چن کر ایسے لوگوں کے پاس پہنچتے جو کسی اہم مشکل اور مصیبت میں گرفتار ہوتے۔ پھر ان کے پاس مرزا صاحب کے زہد و تقدس کا عموماً اور ان کے مستجاب الدعوات ہونے کا خصوصاً اس انداز سے پروپیگنڈہ کرتے اور اس سلسلے میں ایسے ایسے قصے سناتے کہ سننے والا ان کے دام میں آ ہی جاتا۔ اور اپنی کسی اہم حاجت براری کے لیے مرزا صاحب سے دعا کرنے کی درخواست کر ہی بیٹھتا' مرزا صاحب ایسے لوگوں کے لیے دعا تو ضرور کرتے لیکن حسب حیثیت نذرانہ لے کر ہی کرتے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اگر دعا

---

[1] (تبلیغ رسالت ج3 ص34' رئیس قادیان ص67)

کی قبولیت ظاہر نہ ہوتی تو دعا کرانے والے پر بد باطنی، بدعقیدگی یا بدعملی کا الزام رکھ کر اپنا دامن بھی چھڑا لیتے۔۔۔اور اس طرح مستجاب الدعوات ہونے کا سکہ جما کا جمارہ جاتا۔

مرزا صاحب نے اس طرح کی دعاؤں کے عوض یک مشت پانچ پانچ سو روپے تک کی رقمیں وصول کیں [1]، بلکہ ایک دفعہ ایک شخص سے ایک لاکھ روپیہ طلب کیا اور نہ دینے پر دعا نہ کی۔ [2] اس طرح کی دس ہزار روپے کی وصولی کا اعتراف خود مرزا صاحب کو بھی ہے۔ [3]

دوسری شادی

جب مرزا صاحب نے اس دوطرفہ کارروائی (براہین کے چندے اور دعاؤں کے نذرانے) کے نتیجے میں ایک بہت بڑی رقم جمع کر لی تو آپ کے ٹھاٹھ باٹھ بالکل نوابی انداز کے ہوگئے اور کاسۂ شوق ''شاہد گلفام'' کی آرزو سے لبریز ہونے لگا پھر دیر ہی کیا تھی۔ آپ نے فورًا تگ و دو شروع کر دی۔ آخر کار جوئندہ پائندہ کے مصداق 27 محرم 1302ھ (نومبر 1884) کو دہلی کی ایک بالکل نوعمر و جواں سال کنواری لڑکی سے آپ کی شادی ہوگئی۔ لڑکی کے باپ کا نام میر ناصر نواب تھا اور وہ خواجہ میر درد دہلوی کی اولاد سے تھے۔ [4] مرزا صاحب کے بقول یہ موقع ان کے لیے آزمائش کا تھا کیوں کہ اس وقت آپ کی عمر پینتالیس برس تھی اور آپ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''چالیس سال کی عمر ہی میں حالت مردمی کالعدم تھی۔۔۔اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔۔۔کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح کا تھا۔'' [5]

---

[1] (چودہویں صدی کا مسیح ص 68-70) [2] (کاویہ ج 2 ص 321)

[3] (ملاحظہ ہو مرزا صاحب کی تالیف فتح اسلام ص 34) [4] (تفصیل کے لیے دیکھیے کاویہ ج 2 ص 287، رئیس قادیان ص 85-86) [5] (تریاق القلوب ص 35-71)

لیکن مال حرام کی اس فراوانی کے بعد مرزا صاحب کے لیے اس جیسی آزمائش کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی تھی؟ آپ خود حکیم تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک مقوی باہ دوا تیار کی جس کا سب سے بڑا جز و خود آپ کے حسب اقرار افیون تھی [1]، مگر اپنی خدا رسیدگی کا سکہ جمانے کے لیے آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ دوا خدائی الہام کے تحت تیار کی گئی ہے۔ نام بھی روحانی ہی قسم کا رکھا، یعنی تریاق الٰہی۔ بہر حال اس دوا کے استعمال کا جو اثر تھا وہ مرزا صاحب کے الفاظ میں یہ تھا:

''پھر (دوا کے استعمال کے بعد میں نے) اپنے تئیں خداداد طاقت میں پچاس مرد کے قائم مقام دیکھا۔'' [2]

اللہ! اللہ! کیا کہنے ہیں اس قوت مردمی کے! لیکن اس پر بھی آپ کو آسودگی نہ ہوئی اور آپ نے ''تریاق جدید'' نام کی ایک دوسری دوا تیار کی جس کے اجزاء میں کونین بھی شامل تھی۔ اس دوا کے متعلق آپ رقم طراز ہیں:۔

''یہ دوا تریاق الٰہی سے فوائد میں بہت بڑھ کر ہے۔۔۔قوت باہ میں اس کو ایک عجیب اثر ہے۔'' [3] گویا

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو نئی نئی شادیوں کے الہامات ہونے لگے اور آپ نے اس سلسلے میں ایسی ایسی مذبوحی حرکتیں کیں جو پورے ملک میں آپ کی مزید ذلت و رسوائی کا سبب بنیں۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مرزا صاحب کی پہلی بیوی بھی ان کے حبالۂ عقد

---

[1] (اخبار الفضل 19رجولائی 1929) [2] (تریاق القلوب ص36)

[3] مکتوبات احمدیہ ج5 ص105 مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کے یار غار حکیم نورالدین کو ان دواؤں سے کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوا۔ ملاحظہ ہو رئیس قادیان ص88)

ہی میں تھی لیکن اس کے ساتھ خاصی مدت سے مرزا صاحب کا جو سلوک چلا آرہا تھا اسے خود ان کے صاحب زادے میاں بشیر احمد (ایم۔اے) نے بڑی برخورداری کے ساتھ بیان کر دیا ہے فرماتے ہیں:

"پہلی بیوی کے ساتھ عرصہ دراز سے بے تعلقی سی تھی۔۔۔اور اس سے مباشرت تک ترک کر دی تھی۔" [1]

دوسری شادی کے بعد دونوں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف برتنے کے بجائے آپ کے سابقہ رویہ میں اور سختی آگئی اور آپ نے اپنی پہلی بیوی کو ایسی ستم رانیوں کا نشانہ بنایا کہ اسے اپنی مظلومیت اور بے کسی کے ایام اپنے بھائی کے پاس گزارنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑا۔ [2] اس سے آپ کی سنگ دلی اور ظالمانہ مزاج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حکیم نور الدین سے آشنائی اور ان کی شادی کا بندوبست

دوسری شادی سے قبل حکیم نور الدین سے آپ کی شناسائی ہو چکی تھی۔ حکیم صاحب مہاراجہ کشمیر کے شاہی طبیب تھے۔ طبیب میں مذہبی قیود سے آزادی اور دین بیزاری تھی۔ نیچریت اور الحاد کی طرف میلان تھا۔ معجزات کے قائل نہ تھے اور قرآن مجید میں تبدیلی وترمیم کے فاسد جذبات وارادے رکھتے تھے۔ ہوشیار مرزا صاحب سے بھی زیادہ تھے [3] اور اس شناسائی کے بعد سے مرزا صاحب کی نکیل انھیں کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

جب مرزا صاحب کی دوسری شادی کے تجربات کامیابی کے مراحل سے گزرنے لگے تو چند برس بعد حکیم صاحب کو بھی ایک نئی شادی کا شوق چرایا اور انھوں نے مرزا صاحب سے یہ سلسلہ جنبانی کی مرزا صاحب کا ایک مرید لدھیانہ میں رہتا تھا جو اس وقت تک فوت ہو چکا تھا۔ اس کی نہایت خوب صورت لڑکی موجود تھی جس کی عمر بارہ تیرہ سال کے لگ بھگ

---

[1] (سیرۃ المہدی ص 22-23) [2] (رئیس قادیان ص 157)

[3] (دیکھے رئیس قادیان ص 81-82)

تھی۔ مرزا صاحب نے اس لڑکی کے رشتہ داروں کو کمال ہوشیاری کے ساتھ فریب دے کر حکیم صاحب سے اس کی شادی کرادی۔ اس وقت حکیم صاحب پچاس برس کے پیٹے میں تھے اور ان کی پہلی اہلیہ بھی موجود تھیں۔ [1]

یہ وہ دور تھا جب مرزا صاحب کے نئے نئے دعاوی منظر عام پر آنا شروع ہو گئے تھے اور ان دعاوی کے اثبات کے لیے آپ نے اپنی کارروائیاں عارفانہ اور متوکلانہ دکھلانی شروع کردی تھیں۔ چونکہ آپ نے اس دور کے اپنے سوانحی حالات وواقعات کو بھی بالعموم اپنے دعاوی کی تصدیق وتکذیب کے پھندے کے ساتھ معلق رکھا تھا۔ اس لیے حالات و سوانح کا حصہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اگلے ابواب میں جستہ جستہ سوانحی کیفیات ضمناً خود آجائیں گی۔ البتہ آپ چونکہ نوع بنوع جسمانی ودماغی امراض کا مجموعہ تھے اور بعض اہم امراض تقریباً اس دور میں شروع ہوئے تھے۔ اس لیے یہاں مختصراً ان امراض کی بھی نشاندہی کی جارہی ہے۔ اس بارے میں ہم نے مناسب سمجھا کہ مرزا صاحب یا ان کے مقربین کے بیانات بجنسہٖ نقل کردیں۔

مرزا صاحب کی بیماریاں

آپ جن خطرناک قسم کی جسمانی اور دماغی بیماریوں کے شکار تھے ان کی تعداد ڈیڑھ درجن سے زیادہ ہے۔ ذیل میں ان کا نقشہ ملاحظہ ہو۔

1- ہسٹریا

مرزا صاحب کے دوسرے صاحب زادے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں :

”بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اول کی وفات (4 نومبر 1888) کے چند دنوں بعد ہوا تھا۔۔۔ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہوگئے۔“ [2]

---

[1] (ایضاً ص 157-158-159) [2] (سیرۃ المہدی ج 1 ص 13 نیز دیکھیے ص 22)

ڈاکٹر محمد اسماعیل مرزائی کا بھی بیان ہے کہ مرزا صاحب کہا کرتے تھے: "مجھے ہسٹریا کی بیماری ہے۔" ❶

2-مراق

مرزا صاحب خود فرماتے ہیں:

"۔۔۔ مجھ کو دو بیماریاں ہیں' ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول" ❷

"میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ تاہم اس بات کی پروا نہیں کرتا اور اس کام کو کیے جاتا ہوں۔" ❸

قادیانی اخبار ریویو آف ریلیجنز راوی ہے کہ

"حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ مجھے مراق کی بیماری ہے۔" ❹

"حضرت مرزا صاحب نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مجھے مراق ہے" ❺

واضح ہو کہ حضرت (مرزا) صاحب کی تمام تکالیف مثلاً دوران سر' درد سر' کمی خواب' تشنج دل' بدہضمی' اسہال' کثرت پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھا۔" ❻

---

❶ (ایضاً ج2 ص 55) ❷ (تشخیذ الاذہان بابت 7 جون 1906 ص 5' بدر جون 1906 ص 5)
❸ (کتاب منظور الٰہی ص 348) ❹ (ریویو اپریل 1925 ص 45)
❺ (ریویو اگست 1926) ❻ (ریویو مئی 1927 ص 26)

"مراق کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں موروثی نہ تھا' بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت' تفکرات' غم اور سوء ہضم تھا جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔" ❶

"مرض مراق حضرت (مرزا) صاحب کو ورثہ میں نہیں ملا تھا۔۔۔ان میں مراقی علامات کے دو بڑے سبب تھے۔" ❷

3- مالیخولیا

حکیم نورالدین صاحب لکھتے ہیں

"۔۔۔مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے" ❸

اس بیان سے ظاہر ہے کہ مالیخولیا اصل ہے اور مراق اس کی ایک فرع ہے۔ چوں کہ فرع کا وجود اصل کے بغیر نہیں ہوتا اس لیے نتیجہ ظاہر ہے کہ دراصل مرزا صاحب کو مالیخولیا کی بیماری تھی اور ان کی مسیحانہ کارروائیاں تمام تر اسی مالیخولیا کی رہین منت تھیں۔

4- حافظہ کی کمزوری

مرزا صاحب اپنی بابت لکھتے ہیں:

"حافظہ اچھا نہیں' یاد نہیں رہا۔" ❹

5- ضعف دماغ کے دورے

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"(مجھے) مرض ضعف دماغ کے سخت سخت دورے پڑے تھے۔" ❺

مجھے دماغی کمزوری اور ذیابیطس اور دوران سر کی وجہ سے ناطاقتی ہو گئی ہے۔ ❻

---

❶ (ریویو اگست 1926ص 10) ❷ (ایضاً ص 9) ❸ (بیاض نورالدین جزو اول ص 211)

❹ (نسیم دعوت ص 71 حاشیہ) ❺ (فتح اسلام ص 27 حاشیہ) ❻ (حقیقۃ الوحی ص 307)

7,6 دوران سر، ذیابیطس، دن میں سوسو دفعہ پیشاب

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''ہاں دو مرض میرے لاحق حال ہیں، ایک بدن کے اوپر کے حصے میں اور دوسرے بدن کے نیچے کے حصے میں۔ اوپر کے حصے میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصے میں کثرت پیشاب اور یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنے دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔'' ❶

''میرے لاحق حال دو بیماریاں ہیں، بدن کے اوپر کے حصے میں دوران سر ہے جس کی شدت کی وجہ سے بعض وقت میں زمین پر گر جاتا ہوں اور دوران خون کم ہو جاتا ہے اور ہولناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بدن کے نیچے حصے میں کثرت پیشاب کا مرض ذیابیطس ہے۔۔۔ بعض اوقات قریب سو دفعہ کے دن رات میں پیشاب آتا ہے۔'' ❷

''صرف دوران سر کبھی کبھی ہوتا ہے۔۔۔ دوسری مرض ذیابیطس تخمیناً بیس برس سے ہے۔۔ اور ابھی تک بیس دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے اور امتحان سے بول میں شکر پائی گئی ہے۔'' ❸

''مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے۔ ❹ بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔'' ❺

---

❶ (حقیقۃ الوحی ص 307)

❷ (براہین احمدیہ ج 5 ص 201 نزول المسیح ص 235)

❸ (حقیقۃ الوحی ص 364,363)

❹ (نسیم دعوت ص 65)

❺ (ضمیمہ اربعین نمبر 4 ص 413)

10,9,8 دردسر، کم خواب اور تشنج

مرزا صاحب لکھتے ہیں: "(مجھے) ہمیشہ دردسر اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔" ❶

12,11 بدہضمی اور اسہال

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"۔۔۔ مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔" ❷

قادیانی اخبار ریویو لکھتا ہے:

"یہ امر واقع ہے کہ حضرت کو بدہضمی، اسہال اور دوران سر کی عموماً شکایت رہتی تھی۔" ❸

14-13 دق و سل

مرزا صاحب خود لکھتے ہیں: "مجھے دق کی بیماری ہو گئی ہے" ❹

اور مرزا صاحب کے صاحب زادے راوی ہیں کہ

"مرزا صاحب کو سل کی بیماری ہو گئی تھی" ❺

15- قولنج: مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"مجھے ایک قسم کا سخت قولنج تھا اور بار بار دم بدم حاجت ہو کر خون آتا تھا۔" ❻

16- دائم المریض: "میں ایک دائم المریض ہوں۔" ❼

---

❶ (ضمیمہ اربعین نمبر 4,3 ص 4)

❷ (منظور الٰہی ص 349) ❸ (ریویو اگست 1926 ص 6)

❹ (تریاق القلوب ص 76) ❺ (سیرۃ المہدی ص 42)

❻ (تریاق القلوب ص 82، حقیقۃ الوحی ص 224) ❼ (ضمیمہ اربعین نمبر 4,3 ص 4)

17- جسم بیکار

"۔۔۔اور اگر ایک سطر بھی لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دوران سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے' جسم بالکل بیکار ہو رہا ہے اور جسمانی قویٰ ایسے ہو گئے ہیں کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں۔"[1]

یہ ہیں مرزا صاحب کی بیماریاں' جن کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ گنجینہ امراض خبیثہ تھے اور انھیں امراض خصوصاً مراق کی شدت نے آپ کو مسیحیت و مہدویت اور نبوت و رسالت کے مراتب پر فائز کر رکھا تھا۔

وفات

آخر بیسیوں سال تک ان گوناگوں امراض کی مسلسل ضرب سہتے سہتے آپ نڈھال ہو گئے اور 26 مئی 1908ء کو دنیا سے اس شان کے ساتھ تشریف لے گئے کہ آپ کی موت آپ کے کذاب و دجال اور مفتری علی اللہ ہونے کا خدائی نشان بن گئی۔ آپ نے مرنے سے ایک سال پہلے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بالمقابل یہ دعا کی تھی اور اس کی قبولیت کا الہام بھی شائع کیا تھا کہ ہم دونوں: مرزا اور مولانا امرتسری۔۔۔ میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ سچے کی زندگی میں مر جائے گا اور اس کے بعد مولانا امرتسری کی زندگی ہی میں مرزا صاحب مر گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری دوسری کتاب "شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اور معرکہ اسلام اور قادیانیت)

---

[1] (بدر 24 مئی 1906)

قادیانی فتنہ منزل بہ منزل

مرزا صاحب کے دعاوی کی اگر تاریخی ترتیب قائم کی جائے تو انھیں تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1)---1882ء سے 1890ء کے اختتام تک۔اس مرحلے میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کا الہام یافتہ قرار دیتے ہوئے مجدد اور مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا،لیکن حیات مسیح اور نزول مسیح کا انکار کیا۔

(2)---1891ء سے 1901 تک اس مرحلے میں مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا۔

(3)---1901ء سے 1908ء تک (یعنی مرزا صاحب کی وفات تک) اس مرحلے میں آپ نے نہ صرف نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ بے شمار دعاوی کی بھر مار کردی،حتیٰ کہ خود خدا ہونے کا دعویٰ بھی کردیا۔

اگلے صفحات میں ان ہر سہ ادوار کی مختصر سی روداد نذر ناظرین اور ہدایہ قارئین کی جارہی ہے۔

پہلا مرحلہ

[مبلغ اسلام سے مثیل مسیح تک]

پہلے صفحات میں ہم نے مرزا صاحب کی حیات مستعار کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ موصوف نے تحریری بحث و جدال کے میدان میں باقاعدگی کے ساتھ 1877ء کے اخیر میں قدم رکھا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت ایک مبلغ اسلام سے زیادہ نہ تھی۔

تقریباً پانچ برس تک آپ اسی انداز سے کام کرتے رہے' اس دوران آپ کی شہرت و ناموری میں ضرور اضافہ ہوا مگر آپ میں اسلامی عقائد و مسلمات سے انحراف کی کوئی علامت نہیں پائی گئی' بلکہ 1880ء میں جب براہین احمدیہ کی دوسری جلد شائع ہوئی تو اس میں آپ کا یہ بیان بڑے پرزور انداز میں درج تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے الہام کا نزول محال ہے۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی محال ہے۔ [1]

لیکن دو سال بعد 1882ء میں جب براہین احمدیہ کی تیسری جلد شائع ہوئی تو پہلی بار آپ کے عقائد میں تغیر و انحراف کے نشانات ظاہر ہوئے اس جلد میں آپ نے الہام کے مفہوم اور اس کے اقسام پر بحث کرتے ہوئے اپنے آپ کو خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف 'اللہ کا محدث اور اس کا الہام یافتہ بتلایا اور مزعومہ الہام کے متعدد نمونے بھی درج کیے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب موصوف کو "ابراہیم" اور "مدثر" کہہ کر مخاطب کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ناموں' صفتوں اور محامد کے ساتھ آپ کو متصف ٹھہرایا ہے۔ [2] یعنی اب مرزا صاحب مبلغ اسلام اور مصلح امت ہونے کے ساتھ ساتھ ولی' عارف اور صاحب الہامات و کرامات بھی ہو گئے۔

---

[1] (دیکھیے براہین احمدیہ ج دوم ص 109-111)

[2] (دیکھیے براہین احمدیہ ج 3 ص 217 تا 267 حاشیہ در حاشیہ نمبر 1)

پھر مزید دو سال بعد 1884ء میں براہین احمدیہ کی جلد چہارم شائع ہوئی تو یہ انحراف اور زیادہ کھل کر سامنے آ گیا۔ مرزا صاحب نے اپنے دعوائے الہام کی تائید وتقویت کے طور پر مزعومہ خدائی الہامات کے نمونوں سے اس جلد کے حواشی بھر دیے۔ ان الہامات میں موصوف نے پینترے بدل بدل کر اپنے آپ کو بزرگی اور خدارسیدگی کی انتہائی منازل پر دکھلایا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا نے مجھے ''ابراہیم'' ۔''یوسف'' ۔''موسیٰ'' اور ''داؤد'' وغیرہ کہہ کر مخاطب کیا ہے اور یہ خوشخبری دی ہے کہ تو محدث اللہ ہے' تجھ میں مادہ 'فاروقی ہے۔ [1]

اسی جلد میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مثیل مسیح بھی قرار دیا' لیکن دوبارہ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کا انکار نہیں کیا' بلکہ کھلے لفظوں میں اس کا اقرار واعتراف فرمایا۔ اس ضمن میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا' لیکن اس عاجز (مرزا) پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بے حد اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل تورات کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لیے خداوند کریم نے مسیح

---

[1] (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ ج4 ص558,555,508)

کی پیش گوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیش گوئی متذکرہ بالا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔'' 1

براہین احمدیہ کے علاوہ ایک اشتہار کے ذریعہ بھی اسی 1884ء میں مرزا صاحب نے اعلان کیا ہے کہ روحانی طور پر میرے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات کے مشابہ ہیں اور مجھ میں اور مسیح ابن مریم میں بشدت مناسبت ومشابہت ہے۔ آپ نے اس اشتہار میں اپنے آپ کو مجدد قرار دیتے ہوئے اور امت کے اکابر اولیاء سے افضل بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنی مشکل کشائی کے لیے صدق دل سے میری خدمت میں حاضر نہ ہوگا خدائے تعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑے گا۔ 2

اس کے چند برس بعد یکم دسمبر 1888ء کو آپ نے ایک اشتہار کے ذریعہ اس بنیاد پر لوگوں کو اپنی بیعت کے لیے مدعو کیا کہ آپ کو مجدد ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے اصلاح امت کے کام پر مامور فرمایا ہے۔ 3

پھر ساڑھے تین ماہ کی مسلسل ترغیب وتحریص کے بعد مریدوں کا میلان ورجحان پا کر مرزا صاحب لدھیانہ وارد ہوئے اور 23 مارچ 1889ء مطابق 2 رجب 1306ھ کو پہلی بار بیعت لی اور یہیں سے آپ کے معتقدین کی ایک مستقل اور منظم جماعت کی بنیاد پڑی۔ 4

اس کے بعد 1890ء کے اختتام تک آپ کا کوئی نیا دعویٰ منظر عام پر نہیں آیا بلکہ اخذ بیعت کے لیے تگ ودو جاری رہی۔ لہٰذا ہم 1882ء سے 1890ء کے اختتام تک کی اس مدت کو قادیانی فتنہ کے پخت وپز کے مرحلے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ مرزا صاحب کے یہ دعاوی اور اس دور کے مزعومہ الہامات آئندہ پیش آنے والے فتنوں کے لیے خشت اول اور خمیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

1 (ایضاً ص 499,498 نیز ملاحظہ ہو حضرت مسیح کے نزول اور دنیا میں دوبارہ آمد کے متعلق مرزا صاحب کا اعتراف براہین احمدیہ ج 4 ص 505 پر ملاحظہ فرمائیں۔) 2 (مجموعہ اشتہارات مسیح موعود حصہ اول ص 5,4)
3 (ایضاً ص 29) 4 (سیرۃ المہدی ص 63)

دوسرا مرحلہ

[دعوائے مسیحیت و مہدویت]

ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد 1890ء کے اخیر تک جب مرزا صاحب ایک باقاعدہ جماعت منظم کر چکے تو اپنے اصل روپ میں ظاہر ہوئے اور اپنے حقیقی مقاصد کے رخ پر آپ نے اپنے پر پیچ بیانات کا جو دبیز پردہ ڈال رکھا تھا اسے اتار پھینکا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 22 جنوری 1891 کو مرزا صاحب نے فتح اسلام اور توضیح مرام نام کے دو رسالے شائع کیے اور ان میں بڑے واضح انداز سے اعلان فرمایا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام جن کے آنے کی بشارت احادیث میں دی گئی ہے' وہ۔۔ طبعی موت کے ذریعہ وفات پا چکے ہیں ❶ اب دوبارہ ان کی تشریف آوری کا کوئی امکان نہیں بلکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اور قطعی طور پر محال ہے۔ جن احادیث میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے ان کا منشا صرف یہ ہے کہ۔۔ امت کی اصلاح کے لیے اخیر زمانہ میں ایک ایسا شخص نمودار ہوگا جو مسیح ابن مریم کے ساتھ غایت درجہ مشابہت و مناسبت رکھتا ہوگا اور چونکہ ایسا شخص میں ہی ہوں۔ لہذا مسیح موعود میں ہی ہوں۔

یہ مضمون آپ نے ان دونوں رسالوں۔۔ فتح اسلام اور توضیح مرام میں مختلف انداز سے جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے۔ ❷ چنانچہ فتح اسلام میں ایک جگہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"مسیح جو آنے والا تھا یہی (مرزا) ہے۔" ❸

ایک دوسری جگہ پر یوں رقم طراز ہیں:

---

❶ دلچسپ بات یہ ہے کہ مرزا صاحب حضرت مسیح کی قبر کی نشان دہی بھی فرما گئے ہیں' مگر کبھی ملک شام میں (اتمام الحجہ ص 19,18) اور کبھی کشمیر میں (کشف الغطا ص 14,13)

❷ (ملاحظہ ہو فتح اسلام صفحات 11,10,9,7,6 و حاشیہ ص 15-17 و توضیح مرام از ابتدا تا ص 22) ❸ (فتح اسلام حاشیہ ص 15)

''مسیح کے نام پر یہ عاجز (مرزا) بھیجا گیا'' [1]

اور ''توضیح مرام'' کا تو آغاز ہی آپ نے اس عبارت سے کیا ہے:

''مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھالیے گئے ہیں اور پھر کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے' میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ [2] میں لکھ چکا ہوں اور نیز یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام و الہام الٰہی یہی عاجز (مرزا) ہے۔''

پر پیچ قلابازیاں

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مرزا صاحب کا دعوائے مسیحیت جوں ہی منظر عام پر آیا فوراً مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم نے دوسو علما کرام کی خدمات میں مرزا صاحب کے تازہ بتازہ ارشادات کی بنیاد پر ایک سوالنامہ مرتب کر کے بشکل استفتاء پیش کیا اور تھوڑے ہی دنوں بعد ان کا یہ متفقہ فتویٰ شائع کیا کہ مرزا صاحب اپنے اس تازہ ترین دعویٰ کی وجہ سے کافر ہیں۔ مرزا صاحب نے اس فتوے سے بوکھلا کر عجیب عجیب قلابازیاں کھائیں۔ چنانچہ اس فتویٰ کی اشاعت کے تھوڑے عرصہ بعد (ستمبر 1891) میں آپ کی کتاب ''ازالہ اوہام'' شائع ہوئی تو آپ نے اس میں یوں تحریر فرمایا:

''اس عاجز (مرزا) نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھتے ہیں' یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے' جو آج ہی میرے

---

[1] (ایضاً حاشیہ ص 17) [2] اس سے مراد ''فتح اسلام'' ہے۔ مرزا صاحب دونوں رسالوں کو ایک ہی کتاب کے دو جزو قرار دیتے تھے۔

منہ سے سنا گیا ہو۔۔۔ میں نے یہ دعویٰ ہر گز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں' جو شخص یہ الزام مجھ پر لگادے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے' بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔" (1)

"بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانے میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔" (2)

اس عبارت میں مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا بڑی صفائی سے انکار کیا ہے' لیکن آپ کا یہ انکار بہت جلد اقرار سے بدل گیا۔ چنانچہ خود اسی کتاب "ازالہء اوہام" کی جلد دوم میں آپ نے جگہ جگہ یہ دعویٰ دہرایا ہے کہ میں ہی وہ حقیقی مسیح موعود ہوں جس کی آمد کی خبر احادیث میں دی گئی ہے اور آپ نے اس موقف کی تائید میں اپنے مراقبانہ دلائل سے بہت سے صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں' پھر آئندہ کی تصنیفات میں بھی یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں۔

"میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کی پاک کتابوں میں پیشین گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔" (3)

آپ نے اپنا یہ موقف اس کثرت اور تکرار کے ساتھ اپنی تالیفات میں دہرایا ہے کہ ان کے حوالوں سے کتاب کا حجم بڑھانا محض تحصیل حاصل ہے' ہاں اس ضمن میں آپ نے جو عجائبات قلم بند فرمائے ہیں ان کی ایک جھلک پیش کر دینا مناسب ہے' کیوں کہ وہ مضحکہ خیز بھی ہیں اور حیرت انگیز بھی۔

---

(1) (ازالہ اوہام طبع اول ص190' طبع پنجم 79)

(2) (ایضا طبع اول ص199-200 طبع پنجم ص84)

(3) (تحفہ گولڑویہ ص165)

مرزا صاحب کچھ خاص تغیرات کے بعد مریم کے بیٹے ہو گئے

مرزا صاحب پر ان کے مذکورہ بالا موقف (مسیح موعود ہونے) کے سلسلہ میں ایک خاص اور وزنی اعتراض یہ تھا کہ احادیث میں جس مسیح کی دوبارہ آمد کی اطلاع دی گئی ہے اس کے بارے میں تواتر کے ساتھ صاف طور پر دوٹوک لفظوں میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ وہی مسیح ہوں گے جو حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب مریم علیہا السلام کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ غلام مرتضیٰ اور چراغ بی بی کے بیٹے ہیں۔ اس لیے وہ مسیح موعود کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

اس اعتراض کے جواب میں مرزا صاحب نے اپنے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا وہ قابل دید و شنید ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو پہلے مکمل طور پر عورت بنا دیا گیا حتیٰ کہ آپ کو حیض بھی آیا' پھر خدا اور مرزا کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہوئے جس کے نتیجہ میں مرزا صاحب حاملہ ہوئے۔ پھر وقت ولادت آیا۔ مرزا صاحب کو درد زہ ہوا اور آپ نے ایک بچہ جنا۔ وہ بچہ بھی خود مرزا صاحب ہی تھے اور چونکہ آپ اپنے نسوانی وجود کے وقت مریم تھے اس لیے بچہ جننے کے بعد ابن مریم ہو گئے۔

یہ "حقائق" بڑے حیرت ناک ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کا ثبوت بھی خود مرزا صاحب ہی کے اقوال وارشادات سے فراہم کیا جائے۔

مرزا صاحب عورت کے وجود میں

مرزا صاحب اپنی تالیف لطیف "کشتی نوح" صفحہ 46 میں لکھتے ہیں:

"دو برس تک میں نے صفت مریمیت میں پرورش پائی اور پردے میں نشوونما پاتا رہا۔" [1]

---

[1] تقریباً یہی بات مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص 418' براہین احمدیہ حاشیہ ص 490' حقیقۃ الوحی ص 72' اربعین نمبر 3 ص 23 وغیرہ میں کہی ہے۔

خدا اور مرزا میں ازدواجی تعلق

مذکورہ بالا نسوانی کیفیت کے دوران خدا اور مرزا صاحب کے درمیان (بقول مرزا صاحب) ایک "نہانی تعلق" قائم ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب رقم فرماتے ہیں:

"مجھے خدا سے ایک نہانی تعلق ہے جو قابل بیان نہیں" ❶

یہ "نہانی تعلق" قابل بیان تو نہیں تھا، لیکن مرزا صاحب کی "بے باکی" ملاحظہ فرمایے کہ آپ اسے بیان کیے بغیر رہ بھی نہیں سکے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک الہام ہوا ہے۔ "آواھن" جن کا مطلب یہ ہے کہ:

"(اے مرزا!) خدا تیرے اندر اتر آیا" ❷

کس طرح اتر آیا؟ اس کی پردہ کشائی آپ نے اپنے ایک مرید کے سامنے کی چنانچہ آپ کا مرید خاص قاضی یار محمد راوی ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ فرمائی ہے کہ کشف کی حالت مجھ پر ایسی طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔" ❸

مرزا صاحب نے خود بھی اپنا ایک کشف درج فرمایا ہے جو اگرچہ براہ راست اس موضوع سے متعلق نہیں ہے، لیکن ہے قابل دید و شنید، آپ لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔۔۔ اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دبالیا ہو اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو، یہاں تک کہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس اثنا میں، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح

---

❶ (براہین احمدیہ ج5 ص63) ❷ (کتاب البریہ ص72)

❸ (اسلامی قربانی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر (ماخوذ از تصویر مرزا ص73)

مجھ پر محیط ہو گئی اور میرے جسم پر مستوی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا۔۔۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی ہے۔۔۔ الوہیت بڑے زور کے ساتھ مجھ پر غالب آ گئی۔ سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک اس کی طرف کھینچا گیا۔۔۔ اور (اللہ تعالیٰ نے مجھے) اس زور سے اپنے قبضہ میں کر لیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔۔۔ خدائے تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہو گیا۔ [1] الی آخر هذه الخرافات.

مرزا صاحب کا حیض حمل میں تبدیل ہو گیا

خدا اور مرزا کے درمیان جب یہ ''نہانی تعلق'' قائم ہوا تو مرزا صاحب کو حیض آنا بند ہو گیا اور آپ حاملہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ اپنے ایک الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ (اے مرزا) تیرا حیض دیکھے' یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے۔ مگر خدائے تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں' بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے۔'' [2]

یہ بچہ شکم مادر یعنی شکم مرزا میں کوئی دس ماہ تک بصورت حمل پرورش پاتا رہا۔ [3] اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں سنیے۔!

مرزا صاحب کو دردزہ ہوا

مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''اور پھر مریم کو جو مراد اس عاجز (مرزا) سے ہے دردزہ تنہ کھجور کی طرف لے گئی۔'' [4]

---

[1] (آئینہ کمالات ص 564-565' مکاشفات ص 9) [2] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 143)

[3] (دیکھیے کشتی نوح ص 47) [4] (دیکھیے کشتی نوح ص 47)

اور ظاہر ہے کہ دردِزہ کے بعد بچے کی پیدائش ہوئی ہوگی مگر اس طرح نہیں کہ وہ مرزا صاحب کے جسم سے باہر کہیں وجود پذیر ہوا ہو بلکہ اس طرح کہ مرزا صاحب کا نسوانی وجود تحلیل ہو گیا اور وہ بچہ ایک ہی چھلانگ میں پچاس برس کا بوڑھا انسان (مرزا) بن گیا۔

الغرض اس طرح کی واہی تباہی تاویلات اور حیاسوز خرافات کے ذریعہ مرزا صاحب نے اپنے دعوائے مسیحیت کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو ابن مریم بھی بنالیا ع

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

ہمیں مرزا صاحب کے یہ ارشادات پڑھ کر ایک زندہ دل شاعر کا یہ حقیقت پسندانہ تجزیہ یاد آ گیا۔

اس نقشِ پا کے سجدے نے اتنا کیا ذلیل
ہم کوچہء رقیب میں بھی سر کے بل چلے

مہدی معہود ہونے کا دعویٰ

ازالۂ اوہام ہی میں جو 1891ء میں شائع ہوئی تھی مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ سنن ابو داؤد میں جو یہ پیش گوئی ہے کہ ماوراء النہر سے حارث نام کا ایک شخص نمودار ہوگا جو مہدی کا مددگار ہوگا اس پیش گوئی کا مصداق بھی میں ہی ہوں [1]، لیکن آپ نے اسی کتاب میں آگے چل کر بڑی خوب صورتی کے ساتھ اپنے آپ کو مہدی قرار دے لیا۔ [2] اسی کتاب کے اخیر میں حکیم نورالدین صاحب کا ایک خط ملحق ہے۔ حکیم صاحب اس خط کے آخر میں اپنے مخاطب کو یوں لکھتے ہیں:

"بھائی صاحب! مرزا جی اس صدی کے مجدد ہیں اور مجدد اپنے زمانے کا

---

[1] (حاشیہ ازالہ اوہام طبع اول ص79، طبع پنجم ص35)

[2] (ایضاً طبع اول ص518-519-568 طبع پنجم ص215-235)

مہدی اور اپنے زمانے کے شدتِ مرض میں مبتلا مریضوں کا مسیح ہوا کرتا ہے۔" [1]

اس کے بعد 17 مارچ 1894ء کو مرزا صاحب نے معیار الاخیار نام کا ایک اشتہار شائع کر کے مزید صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے دوٹوک اعلان کر دیا کہ مہدی معہود بھی میں ہی ہوں۔

---

[1] (ایضاً طبع پنجم وودم ص395)

در نبوت پر دستک بھی اور ختم نبوت کا اقرار بھی

مرزا صاحب کا دس سالہ دور میسحیت' مسئلہ ختم نبوت کے سلسلے میں بڑا پر پیچ گزرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 1891ء میں جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اسی وقت سے نبوت کا دروازہ کھولنے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی اور مختلف قسم کی قیود و شروط کے ساتھ اپنے آپ کو نبی کہنا شروع کر دیا تھا' لیکن نبوت کے صاف اور صریح دعوے سے کتراتے بھی رہے۔ ذیل میں ہم اپنی طرف سے ذیلی عنوانات دے کر مرزا صاحب کے ان دعاوی کو خود انھیں کے الفاظ میں پیش کیے دیتے ہیں۔

محدث یعنی جزوی اور ناقص نبی ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب رسالہ توضیح مرام مطبوعہ 1891ء (ص 19,18) میں فرماتے ہیں:

> "اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز (مرزا) خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے' گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ نبی ہی ہے۔"
>
> "میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے' بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے مگر۔۔۔ یہ نبوت۔۔ نبوت تامہ نہیں بلکہ۔۔۔ وہ صرف ایک جزوی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کے اقتدا سے ملتی ہے جو مجمع جمیع کمالات نبوت ہے۔"

امتی نبی ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب ازالۂ اوہام میں۔۔۔ جو اسی 1891ء کی تصنیف ہے' لکھتے ہیں:

"ہاں محدث جو مرسلین میں سے ہے امتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔۔۔ وہ اگرچہ کامل طور پر امتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے۔ ❶

"محدث من وجہ نبی بھی ہوتا ہے مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔" ❷

غیر حقیقی نبوت یعنی مجازی نبوت کا دعویٰ

مرزا صاحب سراج منیر' مصنفہ 1897ء میں فرماتے ہیں:

"نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے' نہ پرانا۔ قرآن ایسے معنوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے۔ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔۔۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی میرے الہام میں میری نسبت خدا کی طرف سے بے شک ہیں' لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔" ❸

اسی طرح 1896ء کی تصنیف انجام آتھم میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا' غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔۔۔ الہامات میں جو لفظ مرسل یا نبی

---

❶ (ازالہ اوہام طبع پنجم ص 235-236)

❷ (ایضاً طبع اول 587 طبع پنجم 242)

❸ (سراج منیر ص 3 قول فیصل ص 5,4)

یا رسول کا میری نسبت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے۔۔ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سر چشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہے تو ملحد بے دین ہے۔۔۔ بعض اوقات خدائے تعالیٰ کے الہام میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔" [1]

لغوی معنی میں نبوت کا دعویٰ

نبوت حقیقی وغیر حقیقی کے فرق کو توضیح کرتے ہوئے 17 راگست 1899ء کے ایک مکتوب میں مرزا صاحب رقم طراز ہیں

"وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت (یعنی مرزا صاحب کی نبوت ورسالت) سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے۔۔۔ بلکہ رسول کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے کہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے کہ خدائے تعالیٰ سے علم پا کر پیش گوئی کرنے والا۔" [2]

اسی طرح 1900ء کی ایک تصنیف اربعین میں لکھتے ہیں:

"یہ الفاظ (بابت نبوت ورسالت مرزا) بطور استعارہ کے ہیں۔ ظاہر ہے جس کو خدا بھیجتا ہے وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے اور فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں اور غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح کے معنی الگ ہیں۔ اس جگہ محض لغوی معنی مراد ہیں۔" [3]

---

[1] (انجام آتھم ص 27,16 ' قول فیصل ص 5)

[2] (قول فیصل ص 5) [3] (اربعین نمبر 2 ص 18 ' قول فیصل ص 5)

ظلی نبوت کا دعویٰ

مرزا صاحب ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلہ نبوت میں رکھے ہیں مجموعی طور پر وہ ہادی کامل پر ختم ہو چکے ہیں۔ اب ظلی طور پر ہمیشہ کے لیے مجدد دین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پر توڈالتے رہیں گے۔" [1]

یہ سارے اقتباسات مرزا صاحب کی 1901 سے پہلے کی تحریروں کے ہیں۔ ان سے نہایت صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اس دس سالہ دور 1891ء سے 1901 تک) میں کسی نہ کسی شکل میں نبوت کے دعوے دار تھے' لیکن وہ نہایت ہی صفائی کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف کرتے تھے کہ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں نبی اور رسول کا جو حقیقی معنی ہوتا ہے اس معنی کی رو سے آپ نبی نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ 3/ فروری 1892 کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں:

"فتح اسلام' توضیح المرام اور ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ ہیں کہ محدث ایک معنوں میں نبی ہوتا ہے یا محدثیت جزو نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کیے گئے ہیں۔" [2]

ختم نبوت کا صریح اقرار

نبوت کا دروازہ کھولنے کی ان تمام تر کوششوں کے باوجود اس دس سالہ عرصہ میں (1900ء تک) مرزا صاحب اچھی طرح کھل کر کبھی سامنے نہیں آئے بلکہ ایک طرف ان کی یہ مساعی بھی جاری رہیں اور دوسری طرف وہ ختم نبوت کے مسئلہ میں بڑی صفائی کے ساتھ امت مسلمہ کے اجماعی موقف کی ہمنوائی کا اظہار بھی کرتے رہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام

---

[1] (دین الحق ص 67' قول فیصل ص 4) [2] (قول فیصل ص 13)

میں۔۔۔جو 3/ستمبر 1891ء کو شائع ہوئی تھی' لکھتے ہیں:

"اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جاوے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لاویں اور پھر چپ ہو جائیں اور یہ امر بھی ختم نبوت کا منافی ہے۔ کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر گز نہیں آسکتا۔" ❶

"خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے کے لیے اگر کوئی نبی آتا تو خاتم الانبیا کی شان عظیم میں رخنہ پڑتا۔" ❷

اس کے ایک ماہ بعد 2/اکتوبر 1891 کے ایک اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر و کاذب جانتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ پر ختم ہو گئی۔" ❸

پھر 23/اکتوبر 1891 کو مرزا صاحب دہلی کی جامع مسجد میں ایک بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا یعنی جامع مسجد دہلی میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" ❹

اس کے ایک ماہ بعد 27/دسمبر 1891ء کو شائع شدہ ایک رسالہ "فیصلہ آسمانی" میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

---

❶ (ازالہ اوہام طبع اول ص 577 طبع پنجم ص 239) ❷ (ایضا طبع اول ص 647-648 طبع پنجم ص 264) ❸ (تبلیغ رسالت ج 2 ص 20) ❹ (تبلیغ رسالت ج 2 ص 44)

''میں نبوت کا مدعی نہیں' بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' ❶

''اے لوگو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔'' ❷

پھر چند ماہ بعد 26 ر مئی 1892 کو مرزا صاحب کی کتاب ''نشان آسمانی'' منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو اس میں یہ عبارت مرقوم تھی۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی خاتم الانبیا ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔'' ❸

26 ر فروری 1893ء کو آپ کی تصنیف ''آئینہ کمالات اسلام'' شائع ہوئی اس میں آپ رقم پرداز ہیں:

''اللہ کو شایاں نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے اور نہیں شایاں کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ شروع کرے بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو۔'' ❹

''میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں ۔۔۔اور اللہ نے آپ کے ساتھ نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔'' ❺

1893ء کے اخیر یا 1894ء کے شروع میں ''حمامۃ البشریٰ'' منظر عام پر آئی۔ اس میں مرزا صاحب رقم طراز ہیں:

''ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں'' ❻

---

❶ (فیصلہ آسمانی ص 3) ❷ (ایضاً ص 38)

❸ (نشان آسمانی ص 28) ❹ (آئینہ کمالات اسلام ص 337)

❺ (ایضاً ص 21) ❻ (حمامۃ البشریٰ ص 49)

"بھلا یہ مجھ سے ہو سکتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کر کے کافر ہوں" ❶

"کیا ایسا بدبخت و مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے؟ اور کیا ایسا شخص جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو اور آیت ﴿ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین ﴾ کو خدا کا کلام یقین کرتا ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔" ❷

24 / مارچ 1897ء کو مرزا صاحب کا ایک اور رسالہ "سراج منیر" منظر عام پر آیا اس کے صفحہ "ز" پر مرزا صاحب کا یہ شعر مرقوم ہے ۔

ہست او خیر الرسل ' خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

جنوری 1898ء میں شائع ہونے والی کتاب "کتاب البریۃ" کے اندر فرمایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' اور حدیث "لانبی بعدی" ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا۔ اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت ﴿ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین ﴾ سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔" ❸

پھر جنوری 1899ء میں شائع ہونے والی کتاب "ایام الصلح" میں لکھتے ہیں:

"یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیال رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ جائے اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے۔" ❹

اس موضوع پر مرزا صاحب کے تمام ارشادات کا استقصاء مقصود و مطلوب نہیں

---

❶ (ایضاً ص 79) ❷ (حمامۃ البشریٰ ص 96)

❸ (کتاب البریہ ص 184)

❹ (ایام الصلح ص 146)

ہے بلکہ گزشتہ اقتباسات سے صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ مرزا صاحب اپنی تحریک کے اس دوسرے مرحلے میں 1891ء تا 1900ء ختم نبوت کے مسئلہ پر امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے ساتھ بڑے زور و شور سے اپنی ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے رہے اور مختلف پہلو سے دعوائے نبوت کرنے کے باوجود شرعی نبوت کے دعویٰ سے احتراز فرماتے رہے۔

تیسرا مرحلہ

[دعوائے نبوت ورسالت]

پچھلے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ 1901ء سے پہلے تک مرزا صاحب نہایت صفائی کے ساتھ ختم نبوت کے اجماعی عقیدے کے ساتھ اپنی ہم آہنگی کا اظہار کرتے رہے اور صاف لفظوں میں اعتراف کرتے رہے کہ اسلامی اور شرعی اصطلاح کی رو سے آپ نبی نہیں ہیں۔ اس پورے عرصے میں آپ کا شہرہ بھی مدعی مسیحیت ہی کی حیثیت سے ہوا۔

لیکن 1900ء میں آپ کے خاص خاص مریدوں نے آپ کو موقع بہ موقع صراحۃً نبی کہنا شروع کیا۔ آپ کا اپنا حال یہ تھا کہ کبھی تو ان کی تصدیق کرتے اور کبھی متردد مریدوں کو مطمئن کرنے کے لیے مختلف تاویلات کا سہارا لے لیتے۔ اسی سال 7/ اگست 1900ء کو مرزا صاحب کے خطیب خاص مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے خطبہ جمعہ کے اندر مرزا صاحب کو مرسل الٰہی ثابت کیا اور ﴿لانفرق بين احد منهم﴾ والی آیت آپ پر چسپاں کی۔ آپ نے خطبہ کو پسند فرمایا اور بعد میں اس کی تائید کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے۔ [1]

اس پر بھی جب آپ کے مریدوں اور مخالفوں دونوں کی طرف سے اعتراضات اٹھتے رہے تو آپ نے 5/ نومبر 1901 کو ایک اشتہار یا ٹریکٹ شائع کیا جس کا عنوان تھا "ایک غلطی کا ازالہ" اس ٹریکٹ میں مغالطہ اور فریب دہی کی متعدد کوششوں کے باوجود آپ نے بڑی صراحت کے ساتھ حقیقی معنوں میں یعنی اسلامی اور شرعی اصطلاح کی رو سے اپنے نبی ہونے کا اعلان اور دعویٰ کیا اور یہ مسئلہ بھی صاف کر دیا کہ میری نبوت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف محدث ہوں۔ جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

---

[1] (حقیقۃ النبوۃ ص 124، الفضل 4/ جنوری 1923)

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں اور نہ مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے' اور اپنے لیے اس کا نام پا کر' اس کے واسطہ سے' خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں' مگر بغیر کسی جدید شریعت کے' اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انھیں معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کہہ کر پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔"

"حق یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ"۔" **محمد رسول اللہ والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم** اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔"

"میری نبوت اور رسالت باعتبار محمد اور احمد ہونے کے ہے' نہ میرے نفس کی رو سے اور یہ نام بحیثیت فنافی الرسول مجھے ملا ہے۔"

"۔۔۔۔۔ مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں۔۔۔"

"پس جب کہ میں اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پا کر بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خدائے تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اس کے سوا کسی سے ڈروں۔۔"

"آسمان پر ایک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔"

"میں بموجب آیت" **وآخرین منهم لما یلحقوا بهم** "بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیا ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔"

"جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحٰدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا؟"

"مجھے بروزی صورت نے ہی نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی لیے خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول رکھا ہے۔"

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نہ صرف شرعی اصطلاح اور مفہوم کے لحاظ سے نبوت و رسالت کے مدعی ہیں بلکہ آپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بالکل ہم پلہ اور برابر ہے۔ چنانچہ اسی اشتہار۔۔۔ایک غلطی کا ازالہ۔۔۔میں آپ رقم طراز ہیں:

"بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔"

اور چونکہ مرزا صاحب بروزی محمدی ہونے کے مدعی ہیں۔ اس لیے وہ تمام کمالات محمدیہ کے جامع ہونے کے بھی مدعی ہوئے۔ چنانچہ محولہ بالا اشتہار میں آپ خود ہی لکھتے ہیں:

"ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا۔ سو وہ (بروز محمدی یعنی مرزا) ظاہر ہو گیا۔" [1]

---

[1] (یہ اقتباسات "ایک غلطی کا ازالہ" کی اس اشاعت سے لیے گئے ہیں جو مرزا محمود کی تصنیف حقیقۃ النبوۃ حصہ اول مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان (5 مارچ 1915) کے ساتھ بطور ضمیمہ نمبر 1 ص 261 سے 269 تک پر شائع ہوا ہے۔

بہر حال یہ مرزا صاحب کا پہلی بار صاف اور صریح لفظوں میں شرعی اور اصطلاحی نبوت کا دعویٰ تھا اس کے بعد یہ دعویٰ اور بھی زیادہ کھل کر سامنے آیا اور تقریباً آپ کی تمام کتابوں میں بکرات و مرات دہرایا گیا۔ چنانچہ 1902ء کی مطبوعہ تصنیف "دافع البلاء" میں آپ لکھتے ہیں:

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" [1]

یہی حال بعد کے سنین کی تصنیفات کا ہے۔ چنانچہ 1907ء میں حقیقۃ الوحی شائع ہوئی تو اس میں یہ دعویٰ اس کثرت سے دہرایا گیا کہ صرف ان کے اقتباس ہی کے لیے ایک رسالہ درکار ہے۔ بطور نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

"جس قدر مجھ سے پہلے اولیا اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔" [2]

"میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" [3]

یہی حال 1908ء کی تصنیفات چشمہ معرفت اور براہین احمدیہ ج5 وغیرہ کا ہے۔

اسی سال 5 مارچ 1908ء کے اخبار "بدر قادیان" میں آپ کا یہ ارشاد شائع ہوا۔

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"

پھر 9 / اپریل 1908ء کے بدر میں یہ بیان شائع ہوا:

"ہمارے نبی ہونے کے وہی نشانات ہیں جو تورات میں مذکور ہیں، میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کئی انبیا گزرے ہیں جنھیں تم لوگ سچے مانتے ہو۔"

---

[1] (دافع البلاء ص 11) [2] (حقیقۃ الوحی ص 391)

[3] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 68)

پھر آپ کے انتقال سے صرف تین دن پہلے 23/ مئی 1908 کے اخبار عام میں آپ کا یہ مکتوب شائع ہوا۔

”میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں' میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک کہ اس دنیا سے گزر جاؤں۔“

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مرزا صاحب کے اس دعویٰ کی ہمیشہ ایک ہی معین صورت نہ رہی بلکہ حالات کے مطابق اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ چنانچہ ابھی پچھلے اقتباسات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مرزا صاحب موصوف مستقل اور حامل شریعت نبی ہونے کے منکر ہیں' لیکن کچھ ہی عرصہ بعد آپ نے ایسے مستقل اور صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا کہ آپ کو شریعت محمدی کی تنسیخ کا بھی حق حاصل ہو گیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھ لو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیوں کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ [1] (لہذا مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہو گئے)

”میرے اس دعویٰ کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔“ [2]

---

[1] (اربعین نمبر4 ص6)

[2] (اعجاز احمدی ص31,30,29' تحفہ گولڑویہ ص10)

ان دونوں اقتباسات سے صاف واضح ہے کہ مرزا صاحب' صاحب شریعت نبی ہونے کے مدعی تھے او احادیث سے ثابت ہونے والے احکامات نبوی کو اپنی خیالی وحی کے مقابلہ میں ردی کے ٹکڑے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔

مرزا صاحب کے بعد ان کے صاحب زادے بشیر الدین محمود احمد۔۔ خلیفہ دوم امت قادیان نے حقیقۃ النبوۃ نام کی ایک کتاب لکھی جس میں موصوف مرزا صاحب کی نبوت کے تمام تدریجی مراحل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"1901 میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے اور 1900ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے۔۔ یہ بات ثابت ہے کہ 1901ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔" [1]

میاں محمود مزید لکھتے ہیں:

"پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے' اس کے معنی سے حضرت (مرزا) صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔" [2]

---

[1] (حقیقۃ النبوۃ ج1 ص 121)

[2] (ایضاً ص 174)

دعوے ہی دعوے

پچھلے صفحات میں ہم نے مرزا صاحب کے صرف ان مخصوص دعاوی کی تفصیل پیش کی ہے جن کے ساتھ وہ اپنے مریدوں اور حریفوں میں مشہور ہوئے' ورنہ جہاں تک ان کی ذات ستودہ صفات کا تعلق ہے وہ کسی بھی دعویٰ یا منصب سے اپنے آپ کو خالی یا فروتر ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ پچھلی صفحات پر آپ ایک نگاہ پھر ڈال لیجیے۔ تقریباً ایک درجن دعاوی نظر آئیں گے۔ آیئے اگلے صفحات پر ہم آپ کو مرزا صاحب کی بلند پروازیوں کے کچھ اور مناظر دکھلائیں۔

سلمان فارسی ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے کہا:

"انت سلمان ' و منی یا ذالبرکات" یعنی اے برکتوں والے (مرزا) تم سلمان ہو اور مجھ سے ہو۔" ❶

علی و حسن و حسین ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ :

"میں زندہ علی ہوں" ❷ ۔۔"میں اس زمانے کا حسن و حسین ہوں۔" ❸

ذوالقرنین ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ایک اور ارشاد ہے:

"خدائے تعالیٰ نے میرا نام ذوالقرنین بھی رکھا۔۔۔ اس امت کے لیے ذوالقرنین میں ہی ہوں۔ قرآن شریف میں مثالی طور پر میری نسبت پیشگوئی

---

❶ (ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ اپریل 1906) ❷ (الحکم قادیان 10 نومبر 1905)

❸ (فتح الاسلام ص 57)

موجود ہے' مگران کے لیے جو فراست رکھتے ہیں۔" ❶

کرشن یعنی آریوں کے بادشاہ ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گزرا ہے جس کو ردر گوپال بھی کہتے ہیں۔۔۔اس کا نام مجھے دیا گیا ہے۔ پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں انتظار کرتے ہیں' وہ کرشن میں ہی ہوں۔"

"خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے' آریوں کا بادشاہ۔" ❷

حجر اسود ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"یکے پائے من بوسید' من گفتم کہ حجر اسود منم" ❸ ایک شخص نے میرا پاؤں چوما' میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہی ہوں۔"

بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ایک ارشاد یہ بھی ہے:

"خدا نے اپنے الہام میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔" ❹

---

❶ (براہین احمدیہ ج5 ص101 (اہل حدیث امرتسر 7/مارچ 1941)

❷ (تتمۂ حقیقۃ الوحی ص85 دلچسپ بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نبی اور مسیح تو زبانی بن گئے مگر بادشاہت میں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لیے آگے فرما دیا کہ "بادشاہت سے مراد صرف آسمانی بادشاہت ہے۔")

❸ (اربعین نمبر4 ص15)

❹ (اربعین نمبر4 ص15)

حوض کوثر عطا کیے جانے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ حوض کوثر مجھے ملا ہے۔ الہامی الفاظ یہ ہیں۔

"انا اعطیناك الکوثر [1] یعنی اے مرزا ہم (خدا) نے تجھے کوثر دیا۔"

باعث تخلیق کائنات ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے کہا:

"لو لاك لما خلقت الا فلاك یعنی (اے مرزا) اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔" [2]

یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ مرزا صاحب کی حمد کرتا اور ان کی طرف آتا ہے

مرزا صاحب اپنا ایک الہام تحریر فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے کہا:

"یحمدك الله من عرشه و یمشی الیك [3] یعنی (اے مرزا) خدا عرش سے تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چل کر آتا ہے۔"

"ایک اور الہام میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "خدا قادیان میں نازل ہو گا" [4]

خدا کی معیت کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ خدا نے مجھے فرمایا:

"ان الله معك .. ان الله یقوم اینما قمت [5] یعنی اے مرزا خدا تیرے ساتھ ہے' خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔"

"تو میرے ساتھ ہے' اور میں تیرے ساتھ ہوں' تیرا بھید میرا بھید ہے۔" [6]

---

[1] (انجام آتھم ص 58 حقیقۃ الوحی ص 102) [2] (حقیقۃ الوحی ص 99)
[3] (انجام آتھم ص 55) [4] (البشریٰ ج 1 ص 56)
[5] (ضمیمہ انجام آتھم ص 17) [6] (انجام آتھم ص 59)

"انت مرادی و معی" تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔" ❶

آدم یعنی جانشین خدا ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھے کہا:

"یا آدم اسکن انت و زوجك الجنة "اس آیت میں خدا نے مجھے آدم کہہ کر پکارا ہے" ❷

اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا:

"میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانشین بناوں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے (اے مرزا) پیدا کیا۔" ❸

تمام انبیا کا مظہر ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب اپنی منظوم تحریرات میں فرماتے ہیں ؎

آدم نیز احمد مختار
دربرم جامۂ ہمہ ابرار ❹

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد ❺

میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں، نسلیں ہیں میری بے شمار ❻

اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر مرزا صاحب اپنی نثری تحریرات میں اس دعویٰ کا اظہار

---

❶ (ایضاً ص 55) ❷ (اربعین نمبر 3 ص 23، نزول المسیح ص 99 کتاب البریہ ص 82)
❸ (کتاب البریہ ص 76) ❹ (درثمین ص 287)
❺ (تریاق القلوب ص 3) ❻ (درثمین ص 100)

فرماتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"خدائے تعالیٰ نے مجھے تمام انبیا کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔" [1]

"میں نور ہوں، مجدد مامور ہوں، عبد منصور ہوں، مہدی معہود اور مسیح موعود ہوں، مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ، میں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں، اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دھواں چھپا نہیں سکتا اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو، ہرگز نہیں پاؤ گے، میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہو اور میں اپنے خدا کی طرف سے تمام قوت و عزت اور برکت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور یہ میرا قدم ایسے منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے۔ پس خدا سے ڈرو، اور مجھے پہچانو، اور نافرمانی مت کرو۔ میرے سوا اور دوسرے مسیح کے لیے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔۔۔ پس جو میری جماعت میں داخل ہو درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں داخل ہوا۔ یعنی (مرزا کے مرید صحابہ کے برابر ہیں) [2]

"اور (خدا نے) میری نسبت (جری اللہ فی حلل الانبیا) فرمایا یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایوں میں۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ ظہور ہو۔" [3]

---

[1] (حاشیہ حقیقۃ الوحی ص72) [2] (خطبہ الہامیہ ص18-19-20-35-158-171)

[3] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص85)

تمام انبیائے سے افضل ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کے جو دعوے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کچھ کم سنگین نہیں ہیں، لیکن موصوف نے دو دعوے ایسے بھی کیے ہیں جو اپنی سنگینی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ہم ان دونوں دعووں کو دو الگ الگ اور مستقل عنوان کے تحت ذکر کر رہے ہیں۔ ایک دعویٰ بشمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا سے افضل ہونے کا ہے اور دوسرا دعویٰ خدا ہونے کا اور خدائی صفات و کمالات اور قدرت و اختیار کے ساتھ متصف ہونے کا ہے۔ اس دوسرے دعویٰ کا ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔ پہلا دعویٰ مرزا صاحب کی تحریرات میں اجمالاً بھی ملتا ہے اور تفصیلاً بھی۔ لہٰذا دونوں ہی قسم کی تحریریں پیش خدمت ہیں۔

تمام انبیاء سے افضل ہونے کا اجمالی دعویٰ

اس سلسلہ میں مرزا صاحب کے ارشادات و فرمودات حسب ذیل ہیں۔

"اتانی مالم یوت باحدا من العالمین"[1]

خدا نے مجھے وہ چیز دی جو کسی کو نہیں دی۔

"ان قدمی ھذہ علی منارۃ ختم علیھا کل رفعۃ"[2]

میرا یہ قدم ایسے منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے۔

"لا تقیسونی باحد و لا احدا بی"[3]

مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔

بقول مرزا صاحب ایک الہام میں خدائے تعالیٰ مرزا صاحب سے کہتا ہے:

"آسمان سے کئی تخت اترے، پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا"[4]

---

[1] (حقیقۃ الوحی ص 107) [2] (خطبہ الہامیہ ص 35)

[3] (ایضاً خطبہ الہامیہ ص 19) [4] (حقیقۃ الوحی ص 89)

مرزا صاحب اپنی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

آنچہ داده ست ہر نبی راجام
داد آں جام را مرا بتمام
آنچہ من بشنوم زوحی خدا
بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآں منزه اش دانم
از خطاہا ہمیں ست ایمانم
انبیا گرچہ بوده اند بسے
من بعرفاں نہ کمترم نہ کسے [1]

"خدا نے میرے ہزارہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گزرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی ہو 'لیکن پھر بھی جن کے دلوں پر مہریں ہیں وہ خدا کے نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔" [2]

"خدائے تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے کہ وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کیے جائیں تو ان کی بھی نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ پھر بھی وہ لوگ جو انسانوں میں سے شیطان ہیں نہیں مانتے۔" [3]

"اس (خدا) نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثنا [4] ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیا علیہم السلام میں

---

[1] (در ثمین ص 287) [2] (تتمہ حقیقۃ الوحی)
[3] (چشمہ معرفت ص 317) [4] (آگے چل کر آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ استثناء بھی ختم ہو گیا۔)

ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" ❶

"صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیش گوئیاں سبقت لے گئی ہیں۔" ❷

مرزا صاحب اپنا ایک الہام یہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

"یاتی قمر الانبیا" نبیوں کا چاند (یعنی مرزا) آئے گا۔" ❸

تفصیلی دعویٰ

مرزا صاحب کی ان تحریرات میں اجمالاً تمام انبیا سے افضل ہونے کا دعویٰ موجود ہے۔ تفصیلی طور پر جن انبیا کا نام لے کر مرزا صاحب نے ان پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ ہم حبیب خدا' سید انبیا' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مرزا صاحب اور ان کی امت کا نقطہ نظر کسی قدر تفصیل سے پیش کریں گے کیوں کہ آپ پر افضلیت کا دعویٰ کرنے والے کے متعلق اس تلاش و جستجو کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ بقیہ کن کن انبیا کا نام لے کر اپنے آپ کو ان سے افضل قرار دے رہا ہے' تاہم مرزا صاحب کے ایک آدھ ارشادات و فرمودات تو سنتے ہی چلیے۔ فرماتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

"خدائے تعالیٰ میرے لیے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔" ❹

آدم علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

"آدم علیہ السلام شیطان سے مات کھا کر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے' اور میں شیطان کو شکست دینے کے لیے آخری زمانہ میں مسیح موعود کی

---

❶ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 136)

❷ (ریویو آف ریلیجنز ج 1 ص 393' الاعتصام لاہور 9/ دسمبر 1966)

❸ (انجام آتھم ص 58' حقیقۃ الوحی ص 106)

❹ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 137)

حیثیت سے پیدا کیا گیا۔" [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

"وہ نشان جو میری تصدیق کے لیے آئندہ ظاہر ہونے والے ہیں وہ موسیٰ نبی کے نشانوں سے بڑھ کر ہوں گے۔" [2]

حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

"پس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا) اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے۔" [3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کے ان تعلّی آمیز ارشادات کے بعد اب ان کے حسب ذیل دو بیانات پڑھیے جو اس سے پہلے بھی گزر چکے ہیں' مرزا صاحب فرماتے ہیں :

"ایک بروز محمدی (مرزا صاحب) جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔"

"بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔"

اور یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو بروز محمدی قرار دیتے ہیں لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ اپنے اندر تمام کمالات محمدیہ رکھتے ہیں اس لیے آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں۔

مرزا صاحب کے مذکورہ بالا دونوں اقتباسات کا یہ ایسا صاف اور دوٹوک تقاضا اور نتیجہ ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ غالباً اسی لیے خود قادیانیوں نے اس مفہوم

---

[1] (خطبہ الہامیہ از حاشیہ در حاشیہ نمبر 2 ملخصاً) [2] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 83)

[3] (براہین احمدیہ ج 5 ص 76-82)

کو دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ کلمہ حق کا قادیانی مصنف لکھتا ہے۔

"ظلی نبوت نے مسیح موعود (مرزا صاحب) کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔" [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب! اگرچہ اپنے بلند بانگ دعووں کی گردان سناتے وقت کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استثنا کر دیا کرتے تھے، مگر یہ استثنا محض بر بنائے مصلحت ہوا کرتا تھا ورنہ مرزا صاحب کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کچھ قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"تین ہزار معجزات ہمارے نبی کریم ﷺ سے ظہور میں آئے" [2]

لیکن خود اپنی بابت فرماتے ہیں:

"۔۔۔اس (خدا) نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" [3]

بلکہ اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ کر آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ

"خدا نے مجھے دس لاکھ معجزات عطا کیے" [4]

اس طرح ایک اور مقام پر اپنے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقابل کرتے ہوئے اپنی افضلیت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے۔

له خسف القمر المنير و ان لى
غسا القمران المشرقان اتنكر [5]

---

[1] (کلمہ حق ص 113) [2] (دیکھیے تحفہ گولڑویہ ص 40)

[3] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 68 اور حقیقۃ الوحی ص 67 میں تین لاکھ سے بھی زیادہ)

[4] (براہین احمدیہ ج 5 ص 56)

[5] (اعجاز احمدی ص 71)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے (یعنی مرزا کے لیے) چاند اور سورج دونوں تاریک ہو گئے۔ کیا اب بھی تم انکار کرو گے ؟

ایک اور مقام پر اس قسم کا تقابل اور اپنی افضلیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر و تھا کہ انجام کار آخر زمانہ میں بدر ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے۔ پس خدائے تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کر لے۔" [1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کارناموں کی حیثیت ہلال جیسی ہے جو کم ضو' ناقص' ادھورا اور کم اثر ہوتا ہے اور آپ کے مقابل میں مرزا صاحب اور ان کے کارناموں کی حیثیت بدر (چودھویں کے چاند) جیسی ہے۔ جو ہر حیثیت سے کامل ہوتا ہے اور اس کی ضیاپاشیوں سے پوری دنیا روشن اور تابناک ہو جاتی ہے۔ (نعوذباللہ)

اس سے بھی واضح اور صاف الفاظ میں مرزا صاحب کے ارشادات سنیے۔ فرماتے ہیں۔

"اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گزر گیا اور دوسری فتح مبین باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ہے اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) کا وقت ہو۔" [2]

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کے انتہا کا نہ تھا بلکہ کمالات کے معراج کے لیے پہلا قدم تھا۔ پھر روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت (بذریعہ مرزا صاحب) پوری تجلی فرمائی۔" [3]

---

[1] (خطبہ الہامیہ ص 184) [2] (سیرۃ الابدال ص 193)

[3] (خطبہ الہامیہ ص 177)

ملاحظہ فرمایئے! ان دونوں عبارتوں میں مرزا صاحب نے کس صفائی کے ساتھ اپنے آپ کو نبی ﷺ سے بدرجہا افضل قرار دیا ہے' کہ آپ تو معراج کمال کے پہلے زینے سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن مرزا صاحب اس کی انتہائی بلندی کو جا پہنچے۔ (استغفر اللہ)

مرزا صاحب کے ان ارشادات کا مطلب ان کے شاگرد اور مریدین اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کے لیے دلائل کی فراہمی کا بھی انتظام کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار قادیانی اخبار "الفضل" نے مرزا صاحب کی حیثیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

> "جب خدائے تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا۔ و اذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول ... الخ (یاد کرو جب خدا نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ جب میں تمھیں کتاب و حکمت دوں گا اور تمھارے پاس آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا۔ (تمھیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا) نبیین میں سب انبیاء علیہم السلام شریک ہیں کوئی نبی مستثنیٰ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس "نبیین" کے لفظ میں داخل ہیں کہ جب کبھی تم کو کتاب اور حکمت دوں۔۔۔ پھر تمھارے پاس ایک رسول (مرزا غلام احمد) آئے۔۔۔ تو اے نبیو! تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ہر ایک طرح سے مدد فرض سمجھنا۔"
>
> "جب تمام انبیا علیہم السلام کو مجملاً حضرت مسیح موعود (مرزا) پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا فرض ہو تو ہم کون ہیں جو نہ مانیں۔" [1]

نتیجہ بالکل واضح ہے کہ چوں کہ اس آیت میں آنے والے رسول سے اشارہ مرزا صاحب کی طرف ہے اور جن لوگوں سے یہ میثاق لیا گیا ہے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں لہذا اگر اس دور میں نبیؐ بھی زندہ ہوتے تو مرزا صاحب پر ایمان لاتے۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور ہر قسم کا اتباع اور نصرت کے لیے مرزا صاحب کے احکام کی پیروی کو ذریعہ نجات سمجھتے۔

---

[1] (الفضل قادیان 21، ستمبر 1915)

مرزا صاحب کے منجھلے صاحب زادے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں:

”اگر نبی کریمؐ کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود (مرزا) کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے کیوں کہ مسیح موعود نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود (مرزا) کا منکر کافر نہیں تو (نعوذباللہ) نبی کریمؐ کا منکر بھی کافر نہیں کیوں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جب کہ بقول مسیح موعود (مرزا) آپ کی روحانیت اقوی اور اکمل اور اشد ہے آپ کا انکار کفر نہ ہو۔“ [1]

اور سنیے! خلیفہ قادیان مرزا محمود اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

”دنیا میں نماز تھی مگر نماز کی روح نہ تھی' دنیا میں روزہ تھا مگر روزہ کی روح نہ تھی' دنیا میں زکوٰۃ تھی مگر زکوٰۃ کی روح نہ تھی' دنیا میں حج تھا مگر حج کی روح نہ تھی' دنیا میں اسلام تھا' مگر اسلام کی روح نہ تھی' دنیا میں قرآن تھا مگر قرآن کی روح نہ تھی اور اگر حقیقت پر غور کرو محمد موجود تھے مگر محمد کی روح موجود نہ تھی۔“ [2]

اور۔۔۔ ذرا جگر تھام کر سنیے! قادیانی اخبار ریویو آف ریلیجنز لکھتا ہے:

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد قادیانی) کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔۔۔ نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا' ورنہ قابلیت تھی۔“ [3]

بلکہ اس سے بھی دلخراش بات سنیے۔! اخبار الفضل نے مرزا محمود کی ڈائری کے الفاظ ایک بار اس طرح شائع کیے۔

”یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا

---

[1] (کلمۃ الفصل ریویو نمبر 3 ج 14 ص 147) [2] (الفضل قادیان 11 مارچ 1930)

[3] (ریویو جون 1929)

سکتا ہے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔" ❶

یہ ہے مرزا صاحب اور ان کی امت کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور آپ کا رتبہ و حیثیت اور اس پر یہ بلند بانگ دعویٰ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کی قدر کرتے ہیں ع

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

البتہ مرزا صاحب کی شان خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"چوں کہ بروز محمدی جو قدیم سے موجود تھا وہ میں ہوں اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست وپا ہے۔" ❷

گویا ؎

خضر بھی بے دست و پا' الیاس بھی بے دست وپا
میرے طوفان یم بہ یم ' دریا بہ دریا جو بہ جو

---

❶ (الفضل قادیان' 17 جولائی 1922)

❷ (پمفلٹ "ایک غلطی کا ازالہ")

الوہیت اور خدائی صفات کا دعویٰ

لیجیے! مرزا صاحب کا سب سے زیادہ سنگین دعویٰ بھی ملاحظہ فرمالیجیے! مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کی جو نوعیت بتلائی ہے اس کی ایک جھلک پچھلے صفحات میں پیش کی جا چکی ہے' چوں کہ مرزا صاحب نے خدائی کا دعویٰ دفعۃً نہیں بلکہ تدریجاً کیا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مراحل کی بھی جھلکیاں پیش کر دی جائیں جن سے گزر کر مرزا صاحب نے خدائی کا منصب حاصل کیا تھا تاکہ مرزا صاحب کے کمالات تمام پہلوؤں سے واضح ہو جائیں۔

بمنزلہ توحید و تفرید خدا ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ خدا نے مجھ سے کہا:

"انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی" [1] تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید و تفرید۔

بمنزلہ اولاد خدا ہونے کا دعویٰ

"انت منی بمنزلة اولادی" [2] یعنی خدا نے کہا کہ اے مرزا تو میری اولاد کے درجہ میں ہے۔

خدا کے پانی سے ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

"انت من مائنا و هم من فشل" [3] یعنی تو ہمارے پانی سے ہے اور باقی لوگ خشکی سے۔

---

[1] (تصویر مرزا ص69) [2] (اربعین نمبر4 ص19 حقیقۃ الوحی ص86 میں اولادی کی جگہ ولدی ہے)

[3] (تصویر مرزا ص69)

مرزا کے اندر خدا کی روح ہونے کا دعویٰ

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"اعلموا ان فضل اللہ معی، و ان روح اللہ ینطق فی نفسی (1) یہ جان لو کہ اللہ کا فضل میرے ساتھ ہے اور اللہ کی روح میرے نفس میں بولتی ہے۔"

خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ

خدا کے پانی سے ہونے کا جو مطلب ہے وہ واضح ہی ہے چنانچہ یہ نتیجہ خود مرزا صاحب کے اس ارشاد سے صاف اور یقینی ہو جاتا ہے کہ ان کے بقول خدا نے انھیں یوں خطاب کیا:

" اسمع ولدی۔ (2) سن اے میرے بیٹے۔!"

مثل خدا ہونے کا دعویٰ

بحکم " الولد سر لابیہ" ضروری ہے کہ مرزا صاحب خدا کے بیٹے ہوں تو اس کے ہم مثل بھی ہوں چنانچہ لکھتے ہیں:

"دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی زبان میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں۔ خدا کی مانند" (3)

مرزا صاحب اور خدا کے ایک دوسرے میں حلول کرنے کا دعویٰ

مرزا صاحب کا ایک الہام ہے: "آواھن " جس کی تفسیر یہ ہے کہ "خدا تیرے اندر (مرزا کے اندر) اتر آیا" (4) اور مرزا صاحب کا ایک کشف ہے کہ "خدا میں جذب ہو کر یہ منظر دکھایا کہ یقیناً وہ خدا میں ہی ہوں۔" (5) گویا مرزا صاجب خدا کے اندر حلول کر گئے

---

(1) (انجام آتھم ص176) (2) (تصویر مرزا ص69)

(3) (اربعین نمبر3 ص25) (4) (کتاب البریہ ص 76) (5) (آئینہ کمالات اسلام ص564-565)

اور خدا تعالیٰ مرزا صاحب میں حلول کر گیا اور اس طرح یہ الہام پورا ہوا کہ انا منك و انت منی میں تجھ سے ہوں اور تو مجھ سے ہے۔

خدائی کا دعویٰ

خدا کے اس قدر قریب پہنچ جانے کے بعد مکمل خدا بننے میں ایک ہی آنچ کی کسر رہ جاتی تھی۔ ایک کشف کی برکت سے بالآخر یہ کسر بھی پوری ہو گئی اور مرزا صاحب بعینہ خدا بن گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔" [1]

خالق کائنات ہونے کا دعویٰ

اور جب مرزا صاحب خود خدا ہو گئے تو ظاہر ہے کہ انھیں خدائی اختیارات بھی حاصل ہو گئے ہوں گے۔ اس لیے موصوف نے اپنی بعض بعض خدائی صفات کا اظہار بھی فرمایا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اور اس حالت میں (یعنی جب کہ مرزا صاحب خدا ہو گئے) میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا، جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاحق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا: انا زینا السماء الدنیا بمصابیح پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔" [2]

کاتب قضا و قدر ہونے کا دعویٰ

پھر مرزا صاحب نے اپنی خدائی کو دوام و استمرار بخشنے کے لیے دنیا کی تقدیر بھی لکھی،

---

[1] (مکاشفات مرتبہ منظور الٰہی ص9)
[2] (ایضاً ص10، آئینہ کمالات اسلام ص564-565)

فرماتے ہیں:

"مجھ کو کشفی طور پر دکھلایا گیا کہ میں نے بہت سے احکام قضا و قدر کے اہل دنیا کی نیکی و بدی کے متعلق اور اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے لکھے ہیں۔" [1]

مارنے اور جلانے کی قدرت کا دعویٰ

اسی کے ساتھ مرزا صاحب نے دو اور عظیم ترین خدائی اختیارات کا دعویٰ کیا، لکھتے ہیں:

" اعطیت صفة الافناء والاحیاء من الرب الفعال" [2]

مجھے مردوں کو زندہ کرنے اور زندوں کو مارنے کی قدرت دی گئی ہے۔

فعال لما یرید اور صاحب کن فیکون ہونے کا دعویٰ

ان چند متفرق صفات کے اظہار کے علاوہ مرزا صاحب نے ایک جامع دعویٰ کیا ہے جس کی رو سے آپ کو تمام خدائی اوصاف و اختیارات حاصل ہو گئے اور آپ ہر پہلو سے مکمل اور جامع خدا بن گئے، آپ لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے کہا:

" انما امرك اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون " [3]

یعنی (اے مرزا) تو جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے

یہ ہے مرزا صاحب کے دعووں کی ایک سرسری فہرست اور ان کا ہلکا سا تعارف جن کی بنیاد پر مرزا صاحب نے ایک باقاعدہ امت تیار کی۔ میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ کوئی انسان بقائمی ہوش و حواس اور بثبات عقل و خرد مرزا صاحب کو مجدد یا مسیح یا نبی یا ولی تو در کنار انھیں صحیح الدماغ انسان کیوں کر تصور کرتا ہے؟ اور ان کی اطاعت و پیروی کو کیسے باعث نجات سمجھتا ہے۔

---

[1] (تریاق القلوب ص 33) [2] (خطبہ الہامیہ ص 123)

[3] (حقیقۃ الوحی ص 105)

خدااور بندگان خدا کے ساتھ

مرزا صاحب کی گستاخیاں

پچھلے صفحات میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ مرزا صاحب کے دعاوی کا صرف ایک رخ ہے۔ آیئے اس تصویر کا ایک اور رخ بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں مرزا صاحب نے اپنی کبریائی کے دعوؤں کے ساتھ ساتھ خدا کی شان میں بھی گستاخی کی ہے اور انبیا اور اکابر امت کی شان میں بھی۔ یہ رخ اگرچہ بڑا دلخراش ہے لیکن اسے ملاحظہ کیے بغیر مرزا صاحب کی اصل تصویر پورے طور پر سامنے نہیں آسکتی۔ اس لیے دل پر جبر کر کے مرزا صاحب کے اس نوع کے "فرمودات" نقل کیے جا رہے ہیں۔

خدا کے ساتھ گستاخیاں

خدائی کی مختلف صفات میں حصہ دار ہونے بلکہ خود خدا بن جانے کے بعد مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کو جو حیثیت دی ہے اسے خود مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے' لکھتے ہیں:

'خدا ہاتھی دانت ہے

"ربنا عاج" [1] یعنی ہمارا رب ہاتھی دانت ہے۔

خدا بجلی ہے

مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انی انا الصاعقة" [2] یعنی میں بجلی ہوں۔

خدا جاگتا' سوتا' نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہے

مرزا صاحب کہتے ہیں خدا نے مجھے الہام کیا ہے:

---

[1] (براہین احمدیہ ج4 ص555) [2] (البشریٰ دوم ص76' البدر قادیان 25/ دسمبر 1902)

"اصلی و اصوم' اسهر و انام و اجعل لك انوار القدوم واعطيناك ما يدوم [1]

یعنی میں (خدا) نماز پڑھتا ہوں 'اور روزہ رکھتا ہوں' جاگتا ہوں اور سوتا ہوں اور تیرے لیے اپنی آمد کے نور عطا کروں گے اور وہ چیز تجھے دوں گا جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔"

خدا غلطی بھی کرتا ہے

ایک اور الہام میں مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں

"انی مع الاسباب آتیك بغتة انی مع الرسول اجیب اخطی و اصیب" [2]

اے مرزا میں اسباب کے ساتھ اچانک تیرے پاس آؤں گا میں رسول کے ساتھ جواب دیتا ہوں 'غلط بھی کرتا ہوں اور صحیح بھی کرتا ہوں۔

خدا مرزا سے فروتر ہے

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے کہا

"یااحمد يتم اسمك و لا يتم اسمی " [3]

اے احمد تیرا نام پورا ہو جائے گا' میرا نام پورا نہیں ہو گا

خدا مرزا کا نام لیتے ہوئے ڈرتا ہے

مرزا صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں 'لیکن تعجب ہے کہ کیسے بڑے ادب سے خدا نے مجھ کو پکارا ہے کہ مرزا نہیں کہا' بلکہ مرزا صاحب کہا ہے۔۔۔ خدا کو میرا نام لینے سے شرم دامن گیر ہو گئی اور شرم کے غلبہ نے میرا نام زبان پر لانے سے اس کو روک دیا۔" [4]

---

[1] (البشریٰ ج2 ص79' الحکم قادیان 3/ فروری 1903)

[2] (البشریٰ ج 2 ص 79' البدر قادیان 9/ فروری 1903)

[3] (اربعین نمبر 3 ص 6) [4] (حقیقۃ الوحی ص 356)

بندگان خدا کے ساتھ گستاخیاں

مرزا صاحب کی یہ بڑ تو آپ پچھلے ہی صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں' فلاں سے افضل ہوں' فلاں سے بزرگ تر ہوں' فلاں سے بڑھ کر ہوں۔۔۔ میں یہ ہوں۔۔۔ میں وہ ہوں۔۔۔ ایسا ہوں۔۔۔ ویسا ہوں۔۔۔ ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو تمام انبیا و اولیا و اقطاب و ابدال سے بڑھ کر شمار کرتے ہیں تو امتیوں کی بھلا کیا حیثیت ہو سکتی ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ [1] یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیں تو اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہو سکتی ہے ؟ یہ تو ایک معمولی بات ہوئی۔ ہاں! غالباً مرزا صاحب نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری سمجھا تھا کہ ان بزرگوں کی فروتری اور پستی کے مناظر پیش کریں۔ اسی لیے ان کی شان میں سخت و شدید قسم کی گستاخیاں کیں۔ ہم بادل ناخواستہ مرزا صاحب کے یہ ارشادات سپرد قلم کر رہے ہیں تاکہ مرزا صاجب کی صحیح تصویر سامنے آجائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین

پہلے تو مرزا صاحب اپنی فضیلت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں [2] اور "اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمھارا منجی ہے کیوں کہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے (یعنی مرزا) کہ حسین سے بڑھ کر ہے [3]' لیکن پھر آپ کا لہجہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین و تخفیف کا رخ اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

شتان ما بيني و بين حسينكم

فاني اويد كل آن و انصر

---

[1] (اشتہار معیار الاخیار ص 11 ملاحظہ فرمائیے)

[2] (دافع البلاء ص 13) [3] (دافع البلاء ص 20)

و انی قتیل الحب لکن حسینکم
قتیل العدو ' فالفرق اجلی و اظهر
و قالوا علی الحسنین فضل نفسه
اقول نعم ' والله ربی سیظهر [1]

مجھ میں اور تمھارے حسین میں بہت فرق ہے کیوں کہ مجھے ہر وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے اور میں کشتہ محبت ہوں لیکن تمھارا حسین دشمنوں کے ہاتھ مارا گیا' لہٰذا فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے اور لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اپنے آپ کو امام حسن و حسین سے افضل ٹھہراتا ہے ' میں کہتا ہوں ہاں! خدا کی قسم میرا رب عنقریب ظاہر کردے گا۔

اس کے بعد مرزا صاحب کے لہجے میں کچھ تغیر آجاتا ہے اور آپ حسین رضی اللہ عنہ کی دھجی اس طرح اڑاتے ہیں:

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم [2]

ہر گھڑی' ہر آن مجھے سیر کربلا میسر ہے۔ میں سینکڑوں حسین گریبان میں لیے پھرتا ہوں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی

مرزا صاحب اپنا ایک کشف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور حضرت فاطمہؓ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔" [3]

---

[1] (اعجاز احمدی ص 69)

[2] (درثمین ص 287) [3] (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ)

حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت و عفت پر حملہ

مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے بلکہ جا بجا صراحۃً یا ضمناً یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ [1] لیکن یوسف نجار کے ساتھ مریم علیہا السلام کا نکاح کن حالات میں ہوا اور کن اسباب و عوامل کی بنا پر ہوا؟ اس کا جواب مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں سنئے 'لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ کی والدہ مریم اپنے منسوب یوسف نجار کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگایا کرتی تھی۔" [2]

"یوسف (نجار) کی ایک بیوی موجود تھی اور شریعت موسوی میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی جائز نہ تھی لیکن قوم کے بزرگ مجبور ہوئے کہ عین حمل میں مریم کا نکاح یوسف (نجار) سے کر دیں اور بعد اس نکاح کے جتنی اولاد مریم کی یوسف سے ہوئی وہ حضرت عیسیٰ کے سگے بھائی اور بہن تھے۔" [3]

"جب چھ سات مہینے کا حمل نمایاں ہو گیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کو بیٹا ہوا۔ وہ عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔" [4]

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب مرزا صاحب کے بقول عیسیٰ علیہ السلام کا باپ یوسف نجار تھا اور اس کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب حمل پر چھ سات ماہ کی مدت گزر چکی تھی تو پھر مرزا صاحب استقرار حمل کو کس کردار اور کس

---

[1] (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کشتی نوح ص 16' ازالہ اوہام طبع پنجم ص 127 (حاشیہ)

[2] (ایام صلح ص 65) [3] (خلاصہ مضمون کشتی نوح ص 16)

[4] (چشمہ مسیحی ص 40 (حاشیہ) الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہی بات الحکم قادیان 24 جولائی 1902 ص 16 میں بھی تحریر کی گئی ہے)

فعل کا نتیجہ قرار دینا چاہتے ہیں۔؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مرزا صاحب کی دریدہ دہنیاں

مرزا صاحب چوں کہ بقول خود۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بشدت مناسبت ومشابہت رکھتے تھے اور دونوں میں اس حد تک اتحاد تھا کہ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل تھے' اس لیے مرزا صاحب کو حق پہنچتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف و خصوصیات کو زیادہ سے زیادہ واضح کریں تا کہ مرزا صاحب کے اوصاف و کمالات کو بھی انھیں پر قیاس کیا جا سکے' بلکہ کچھ عجب نہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی خصوصیات و کمالات پر ایک نگاہ ڈالی ہو اور یہ سمجھ کر کہ ان کے "آئینہ ظلیت" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر منعکس ہو گئی ہے۔ ان خصوصیات و کمالات کا انتساب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کر دیا ہو۔ بہر حال ہم ذیل میں عنوانات لگا کر مرزا صاحب کے ارشادات نقل کر رہے ہیں' سنیے اور جگر تھام کر سنیے۔!

عیسیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

پہلے تو مرزا صاحب نے حسب دستور اپنی فضیلت وبرتری کی بابت ڈینگ ماری ہے کہ:

اے عیسائی مشنریو! ربنا المسیح مت کہو' دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے (یعنی مرزا) جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے [1]

۔۔۔۔اور۔۔۔۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بمنبرم [2]

---

[1] (دافع البلاء ص10) [2] (ازالہ اوہام طبع اول ص158 طبع پنجم ص69)

۔۔۔۔اور۔۔۔۔

"خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود (مرزا کو) بھیجا جو اس سے پہلے مسیح (حضرت عیسیٰ) سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے۔" 1

"مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں' وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا۔" 2

"میں سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیے گا جو مجھے دیا گیا' وہ ہرگز نہیں مرے گا۔" 3

"وہ خدا جو مریم کے بیٹے کے دل میں اترا تھا' وہی میرے دل پر بھی اترا ہے' مگر اپنی تجلی میں اس سے زیادہ۔" 4

"تم کہتے ہو مسیح کلمۃ اللہ ہے' ہم کہتے ہیں ہمیں خدا نے اس سے بھی زیادہ درجہ دیا" 5

پھر ان تمام تعلیوں اور بڑائی کے دعوؤں کے بعد مرزا صاحب نے بد زبانی اور دریدہ دہنی کا وہ دروازہ کھولا ہے کہ الامان والحفیظ۔۔!۔۔۔سنیے!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شراب نوشی اور گناہوں کے مبدا و منبع ہونے کا الزام

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے' شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔" 6

---

1 (ریویو جلد اول نمبر 6 ص 257' حقیقۃ الوحی ص 148) 2 (ریویو ایضاً ص 475 و حقیقۃ الوحی ص 148) 3 (ازالہ اوہام طبع پنجم ص 3) 4 (حقیقۃ الوحی ص 274)

5 (بدر قادیان ۷ر نومبر 1902) 6 (الحکم قادیان 17ر اکتوبر 1902)

''عیسائی قوم میں شراب نے بڑی بڑی خرابیاں پیدا کیں اور بڑی بڑی مجرمانہ حرکات کا ظہور میں آئی ہیں' لیکن ان تمام گناہوں کا منبع اور مبدا مسیح کی تعلیم اور مسیح کے اپنے حالات ہیں۔'' [1]

''جس شخص کے نمونہ کو دیکھ کر پرہیز گار لوگوں نے ترقی کرنا تھا جب کہ وہی (شخص یعنی مسیح) شراب کا مرتکب ہوا پھر ان بیجا حرکات میں اوروں کا کیا گناہ ہے' جس حالت میں مسیحی لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ہمارا رہبر اور ہادی شراب پینے کا شائق تھا بلکہ منشاء ربانی سے اس نے شراب خوری کو دین کا جزو ٹھہرا دیا تو اس صورت میں کسی دوسرے کی تقریر سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔'' [2]

''اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔'' [3]

''یسوع اس لیے اپنے تئیں نیک نہ کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خواری کا بدنتیجہ ہے۔'' [4]

آوارگی اور زنا کی تہمت

مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شرابی قرار دے کر لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر کوئی خطرناک حالت میں نہیں ہے جو ایک طرف تو شراب پیتا ہے جو شہوتوں کو ابھارتی ہے اور جوش دیتی ہے اور دوسری طرف اس کی کوئی بیوی نہیں ہے جس سے وہ ان متحرک شدہ شہوتوں کو محل پر استعمال کر سکے۔'' [5]

---

[1] (الحکم 17 جولائی 1902) [2] (الحکم 24 جولائی 1902) [3] (نسیم دعوت ص 67)

[4] (ست بچن 172) [5] (الحکم قادیان 24/جولائی 1902)

"مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوئی بلکہ یحییٰ نبی کو اس (مسیح) پر ایک فضیلت ہے۔ کیوں کہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔" [1] (یعنی جب کہ یہ ساری باتیں مسیح میں موجود تھیں)

"مسیح ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ جب استاد کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اس کو عاق کر دیا۔۔۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کس طرح وہ (یعنی مسیح) نوجوان عورتوں سے ملتا تھا اور کس طرح ایک بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔" [2]

"مگر تعجب ہے کہ عیسائی لوگ متعہ کا ذکر کیوں کرتے ہیں جو صرف ایک نکاح موقت ہے اور اپنے یسوع مسیح کے چال چلن کو کیوں نہیں دیکھتے۔ وہ ایسی جوان عورتوں پر نظر ڈالتا جس پر نظر ڈالنا درست نہ تھا۔ کیا جائز تھا کہ ایک کسبی کے ساتھ وہ ہم نشین ہوتا؟ کاش اگر وہ متعہ کا بھی پابند ہوتا تو ان حرکات سے بچ جاتا۔ یسوع کی بزرگ دادیوں (میں) متعہ کیا صریح زناکاری تھی۔" [3]

نسب پر حملہ

حضرت مریم علیہا السلام کی عفت و عصمت پر مرزا صاحب نے جو ناپاک حملہ کیا ہے اسے آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مرزا صاحب ولد الزنا (حرامی) قرار دے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ

---

[1] (دافع البلاء ص36) [2] (الحکم 21/ فروری 1902 (اہل حدیث یکم مارچ 1929)

[3] (فتح المسیح ص48)

السلام کی دادیوں کی عصمت پر جو حملہ کیا ہے اسے بھی آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا۔ اب اس سلسلہ کا مزید ایک بیان سنیے..! مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"آپ (مسیح) کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے کچھ نہ تھا۔۔۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو۔ جدی مناسبت درمیان ہے، ورنہ کوئی پرہیزگار انسان کسی جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔" [1]

بدزبانی، یاوہ گوئی اور جھوٹ بولنے کا الزام

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"ہاں آپ (مسیح) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔۔۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔" [2]

"حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بددعا کی اور دوسروں کو بددعا کرنا سکھلایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا اور ہر ایک وعظ میں یہودی علما کو سخت گالیاں دیں۔۔۔ اخلاقی معلم کا فرض ہے کہ پہلے آپ اخلاق کریمہ

---

[1] (ضمیمہ انجام آتھم ص 6-7)

[2] (ایضاً ص 5)

دکھلاوے۔" [1]

مسیح میں برائیاں ہی برائیاں

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"مسیح کا چال چلن کیا تھا؟ ایک کھاؤ پیو' شرابی' نہ زاہد' نہ عابد نہ حق کا پرستار خود بین' خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔" [2]

"ایسے ناپاک خیال' متکبر اور راست بازوں کے دشمن (حضرت مسیح) کو ایک بھلامانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے' چہ جائیکہ اسے نبی قرار دیں۔" [3]

مسیح ایک ہندوزادے سے بھی گھٹیا تھا

مرزا صاحب فرماتے ہیں: "مریم کا بیٹا کشلیا کے بیٹے سے کچھ زیادت نہیں رکھتا۔" [4]

مسیح کا فتنہ دنیا کے لیے تباہ خیز تھا

حضرت مسیح کی بابت مرزا صاحب کا ارشاد ہے:

"خدا ایسے شخص کو دوبارہ دنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنے نے ہی دنیا کو تباہ کیا ہو۔" [5]

مسیح پر دماغی خلل اور پاگل پن کا طعنہ

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

---

[1] (چشمہ مسیحی ص9) [2] (مکتوبات احمدیہ جلد سوم ص49)

[3] (ضمیمہ انجام آتھم ص9)

[4] (انجام آتھم ص41) [5] (دافع البلاء ص15)

"ان کو (یعنی مسیح کے حقیقی بھائیوں کو) یقین تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے اور ہمیشہ چاہتے تھے کہ کسی شفاخانہ میں آپ کا باقاعدہ علاج ہو" ❶

"آپ کی (یعنی مسیح کی) عقل بہت موٹی تھی۔ آپ جاہل عورتوں اور عوام الناس کی طرح مرگی کو بیماری نہ سمجھتے تھے' جن کا آسیب خیال کرتے تھے۔" ❷

"آپ کا (یعنی یسوع مسیح کا) ایک یہودی استاد تھا جس سے آپ نے تورات کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا' معلوم ہوتا ہے کہ یا تو قدرت نے آپ کو زیرکی سے کچھ حصہ نہ دیا تھا یا استاد کی شرارت ہے کہ آپ کو سادہ لوح رکھا۔" ❸

"یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی دیوانہ ہو گیا تھا۔" ❹

حضرت مسیح پر ہیجڑہ ہونے کی پھبتی

مرزا صاحب عیسائیوں کو مخاطب کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرماتے ہیں:

"کیا تمھیں خبر نہیں کہ مردمی اور رجولیت انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے۔ ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔" ❺

طالمود کی چوری کا الزام

مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشہور "پہاڑی تعلیم" کی بابت ریمارک فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

❶ (ضمیمہ انجام آتھم ص 6) ❷ (ضمیمہ انجام آتھم ص5)

❸ (ضمیمہ انجام آتھم ص6) ❹ (ست بچن ص171 حاشیہ)

❺ (مکتوبات احمدیہ ج3 ص28)

"نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ (یعنی حضرت مسیح نے) پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا میری تعلیم ہے۔" [1]

تقویٰ میں نقص اور شیطان کی پیروی

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"آپ (یعنی حضرت مسیح) علمی اور عملی تقویٰ میں بہت کچے تھے' اسی وجہ سے آپ ایک مرتبہ شیطان کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔" [2]

مسیح پر شیطانی الہام

مرزا صاحب اپنی ایک تحقیق کا انکشاف یوں فرماتے ہیں:

"ایک فاضل پادری فرماتے ہیں کہ آپ کو (مسیح کو) اپنی تمام زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام بھی ہوا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسی الہام سے خدا کے منکر ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔" [3]

"خدا ایک پہاڑ سے موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور ایک پہاڑ پر شیطان عیسیٰ سے ہم کلام ہوا۔ سو اس دونوں قسم کے مکالمہ میں غور کر۔ اگر غور کرنے کا مادہ ہے۔" [4]

مسیح کی پیش گوئیاں جھوٹی اور اجتہادات غلط

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"ہائے! کس کے آگے ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔" [5]

---

[1] (ضمیمہ انجام آتھم' ص6) [2] (ایضاً ضمیمہ انجام آتھم ص6)

[3] (ایضاً ایضاً) [4] (نور الحق ص50) [5] (اعجاز احمدی ص14)

"افسوس ہے کہ جس قدر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں اس کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی جاتی۔ شاید خدائی کے لیے یہ بھی ایک شرط ہو گی مگر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بہت سے اجتہادوں اور غلط پیش گوئیوں کی وجہ سے ان کی پیغمبری مشتبہ ہو گئی ہے۔" ❶

مسیح نے معجزہ دکھلانے کی بجائے گالیاں دیں

مرزا صاحب کا ارشاد گرامی ہے:

"درماندہ انسان (یسوع مسیح) کی پیش گوئیاں کیا تھیں ؟ یہی کہ زلزلے آئیں گے 'قحط پڑیں گے 'لڑائیاں ہوں گی پس نادان اسرائیلی (یسوع مسیح) نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں نام رکھا اور جب معجزہ مانگا گیا تو یسوع صاحب ❷ فرماتے ہیں کہ حرام کار اور بدکار لوگ مجھ سے معجزہ مانگتے ہیں 'ان کو کوئی معجزہ دکھایا نہیں جائے گا۔ دیکھو! یسوع کو کیسی سوجھی اور کیسی پیش بندی کی۔ اب کوئی حرام کار اور بدکار بنے تو اس سے معجزہ مانگے۔" ❸

"(عیسائیوں نے) آپ کے (یسوع مسیح کے) بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ (صادر) نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے (یسوع مسیح نے) معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا 'اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا اور نہ چاہا کہ معجزہ مانگ کر حرام کار اور حرام کی اولاد بنیں۔" ❹

مسیح کے معجزات مسمریزم تھے

یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ مرزا صاحب حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر کسی

---

❶ (اعجاز احمدی ص 25) ❷ اس طنز کو بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔
❸ ضمیمہ انجام آتھم ص 5) ❹ (ضمیمہ انجام آتھم ص 6)

معجزے کا ظاہر ہونا تسلیم نہیں کرتے، پھر حضرت مسیح کے جو معجزات مشہور ہیں اور جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان کی بابت مرزاصاحب کیا فرماتے ہیں؟ اس کا جواب مرزاصاحب ہی کے الفاظ میں سنیے! لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح کے معجزات عمل الترب یعنی مسمریزم کے طریق سے تھے ایسے عملوں سے کاملین پرہیز کرتے ہیں۔ اگر میں اس کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔" [1]

یہ ہے مرزاصاحب کے نزدیک حضرت مسیح کی تصویر اور ان کا خدوخال جن کے ساتھ مرزاصاحب اس درجہ کامل اور ہمہ گیر مشابہت کے مدعی ہیں کہ ان کے اور مرزاصاحب کے درمیان نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔ گویا ؎

جذبہ وصل سجدے ست میان من و تو
کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کو گالیاں

یہ باب کئی حیثیت سے نامکمل رہ جائے گا اگر مرزاصاحب کے ان کلمات طیبات اور ارشادات بابرکات کا نمونہ پیش نہ کیا جائے جو انھوں نے اپنے مسیح اور محمدی اخلاق کے نمونہ کے طور پر علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کے حق میں فرمائے ہیں۔ حضرت مسیح کے سلسلے میں مرزاصاحب کے ارشادات پڑھ کر اگرچہ عام مسلمانوں کے متعلق ان کی پاکیزہ زبانی اور شیریں کلامی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں لیکن "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اس لیے ہم ذیل میں مرزاصاحب کے کچھ مزید ارشادات سے ناظرین کو متمتع کر رہے ہیں:

مرزاصاحب نے جب ایک مجدد کی حیثیت سے اپنے الہامی کاروبار کا آغاز کیا تو

---

[1] (ازالہ اوہام طبع اول ص 305 تا 309 ملخصاً)

کچھ اکابر علمائے ہند نے انھیں خیر خواہانہ مشورے دیے جن پر عمل کر کے مرزا صاحب خود بھی ذلت ورسوائی سے بچ سکتے تھے اور اسلام کو بھی بچا سکتے تھے ان ناصحین مشفقین کی بابت مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''غفلت اور حبِ دنیا کا کیڑا ان کی ایمانی فراست کو بالکل کھا گیا ہے' ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جیسے مجذوم کا جذام انتہا کے درجہ کو پہنچ کر سقوط اعضا تک نوبت پہنچاتا ہے اور ہاتھوں پیروں کا گلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ان کے روحانی اعضاء۔۔۔ بباعث غلو محبت دنیا کے گلنے شروع ہو گئے ہیں۔۔۔ یہ لوگ جیفہ دنیا میں دن رات غرق ہو رہے ہیں۔'' [1]

مرزا صاحب کی پیش گوئی کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے مخالفانہ اشتہارات شائع کیے۔ ان کی بابت مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ بعض مخالف' ناخدا ترس جن کے دلوں کو زنگ بخل وتعصب نے سیاہ کر رکھا ہے' ہمارے اشتہار کو یہودیوں کی طرح محرف ومبدل کر کے۔۔ سناتے ہیں۔۔ ان بے عزتوں اور دیوثوں کو بباعث سخت درجہ کے کینہ اور بخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت وملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں۔'' [2]

علمائے اسلام اور حاملین شریعت محمدیہ۔۔ علی صاحبها الصلاۃ والسلام ۔۔ کو مخاطب کرنے کے لیے مرزا صاحب نے جو پاکیزہ الفاظ اور شریں کلمات منتخب کر رکھے تھے وہ یہ ہیں۔

''اے زود رنج! اور بد اخلاق اور بدظنی میں غرق رہنے والو!'' [3]

''اے بدقسمت بدگمانو!'' [4]

''ذلیل ملاؤں!۔۔۔ پلید ملاؤں۔۔۔ ناپاک طبع مولویوں!۔۔ پلید طبع مولوی۔۔ خدا کا ان مولویوں پر غضب ہوگا۔۔ مولوی انسان سے بدتر اور

---

[1] (اشتہار حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر) [2] (اشتہار مندرجہ تبلیغ ج اول ص 84)
[3] (ایام الصلح ص 84) [4] (ایضاً 89)

پلید تر جاہل" ❶

"اے ہماری قوم کے اندھو! نیم عیسائیو! کیا تم نے نہیں سمجھا کہ فتح کس کی ہوئی؟" ❷

"اے بے ایمانو! نیم عیسائیو' دجال کے ہمراہیو! اسلام کے دشمنو! کیا پیش گوئی کے دو پہلو نہیں تھے۔" ❸

"جاہل سجادہ نشین' فقیری اور مولویت کے شتر مرغ ❹ "شیاطین الجن والانس" ❺

"اے فرقہ بد ذات مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گئے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو پلایا۔" ❻

"مردہ پرست پادری اور نفاق زدہ یہودی سیرت مولوی سخت ذلیل ہوگئے۔" ❼

"بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔۔۔ یہ دل کے مجذوم اور اسلام کے دشمن یہ نہیں سمجھتے۔۔۔ دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق خنزیر ہے مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ (یعنی وہ علمائے اسلام) ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے لیے حق اور دیانت کی گواہی کو چھپاتے ہیں۔ اے مردار خور مولویو! او گندگی خور روحو! تم پر افسوس کہ تم نے میری عداوت کے لیے اسلام کی سچی گواہی ❽ کو چھپایا۔ اے اندھیرے

---

❶ (ایام صلح ص115) ❷ (اشتہار انعامی چار ہزار) ❸ (اشتہار انعامی تین ہزار)

❹ (ضمیمہ انجام آتھم ص17) ❺ (ایضاً ص19) ❻ (انجام آتھم ص21) ❼ (ایضاً ص24)

❽ یہ سچی گواہی کا چھپانا کیا تھا؟ مرزا صاحب نے ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ مناظرہ کیا۔=>

کے کیڑو! تم سچائی کی تیز شعاعوں کو کیوں کر چھپا سکتے ہو۔" [1]

مرزا صاحب اپنے تعلق سے علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کے لیے ایک اہم ضابطے اور معیار کا اعلان فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

" (جو شخص) ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔۔۔ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔" [2] (یعنی مرزا صاحب کی سو فیصدی جھوٹی پیش گوئی کو سچ نہ مانے اور ان کی مکمل شکست کو فتح نہ تسلیم کرے)

اسی اصول کا اعلان مرزا صاحب نے ایک اور مقام پر کیا ہے، لکھتے ہیں:

"(کل مسلم) یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریة البغایا" یعنی سب مسلمان مجھے قبول کرتے اور میری دعوت کو مانتے ہیں مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد یعنی حرام زادے نہیں مانتے" [3]

ان دونوں ارشادات میں مرزا صاحب کی ٹرک بعینہ وہی ہے جس کا الزام انھوں نے حضرت مسیح پر رکھا تھا کہ مسیح نے معجزہ مانگنے والوں کو حرام کار اور حرام کی اولاد قرار دے کر ان کا منہ بند کرنا چاہا تھا۔

ہاں! مرزا صاحب کے اس اصول کا یہ نکتہ لطیف بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ اس اصول کی بنا پر آج جو شخص مرزا صاحب کی تکذیب کر کے حرام زادہ قرار پا چکا ہو کل ان کی تصدیق کر کے حلال زادہ ہو جائے گا۔ سبحان اللہ!

⇐ آخری دن اعلان کیا کہ آتھم پندرہ مہینہ میں مر جائے گا، لیکن وہ نہیں مرا، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ مرزا صاحب اپنی پیش گوئی اور دعوائے مسیحیت میں جھوٹے ہیں۔ پس مرزا صاحب علمائے اسلام کے اسی اظہار حق کو "اسلام کی سچی گواہی کے چھپانے" سے تعبیر کر رہے ہیں۔ سبحانه ما اعظم شانه و اجل برهانه!

[1] (ضمیمہ انجام آتھم ص 21) [2] (انوار الاسلام ص 30)

[3] (آئینہ کمالات اسلام ص 547)

مرزا صاحب کا ایک اور پاکیزہ بول سنیے! فرماتے ہیں۔

ان العدی صاروا خنازیر الفلا
نسائهم من دونهن الا کلب [1]

(میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہیں اور ان کی عورتیں ایسی ہیں کہ کتیاں بھی ان کے سامنے ہیچ ہیں)

افضل العلما، رئیس المحدثین، سید الطائفۃ السّلفیہ شیخ الکل فی الکل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مرزا صاحب نے ''ظالم طبع'' [2] اور ''فرعون'' [3] لکھا ہے اور ان کی وفات پر ان کی تاریخ وفات مات ضال هائما کے لفظ سے نکالی۔ [4]

اسی طرح مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمھم اللہ اجمعین کا نام لے کر مرزا صاحب موصوف لکھتے ہیں:

''یہ جھوٹے ہیں' اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں'' [5]

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی بابت ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

''مولوی ثناء اللہ کی عادت ہے کہ ابوجہلی مادہ کے جوش سے انکار کے لیے کچے حیلے پیش کیا کرتے ہیں۔'' [6]

اور ''ضمیمہ نزول المسیح'' میں تو مرزا صاحب نے اپنے فرط غضب کے اظہار میں کمال ہی کر دیا ہے۔ مولانا امرتسری پر لعنت بھیجتے ہوئے ہندسوں میں نہیں بلکہ لفظوں میں دس مرتبہ لفظ لعنت لعنت۔۔۔الخ لکھتے چلے گئے ہیں۔ اور ''نور الحق'' میں اس سے بھی بڑھ کر کمال کا مظاہرہ کیا ہے کہ عیسائیوں کے لیے ایک ہزار بار لفظ لعنت لکھا ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ 121 سے صفحہ 125 تک پھیلا ہوا ہے۔

---

[1] (نجم الہدی ص15) [2] (دافع البلاء ص88) [3] (ضمیمہ انجام آتھم ص56)
[4] (مواہب الرحمان ص127) [5] (ضمیمہ انجام آتھم ص25)
[6] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص26)

علمائے غزنویہ جن کی بزرگی و خدا رسیدگی اور راستبازی و تقویٰ شعاری پورے ہندوستان میں مسلم تھی اور جن کے ایک بزرگ مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کر کے مرزا صاحب ان کے جیتے جی اس دنیا سے سدھار گئے تھے ان علمائے غزنویہ کی بابت مرزا صاحب کے ارشادات سنیے' لکھتے ہیں:

"عبدالحق اور عبدالجبار غزنویان نے وہ نجاست کھائی۔۔۔کچھ بھی حیا شرم اور تقویٰ سے کام نہ لیا۔۔۔اے بدذات یہودی۔۔اے خبیث! تو کب تک جیے گا؟ [1] ۔۔ رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کے تمام گروہ **علیھم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ** (ان پر دس لاکھ مرتبہ خدا کی لعنتوں کے جوتے برسیں) یہودیوں کے لیے خدا نے اس گدھے کی مثال لکھی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں گی مگر یہ خالی گدھے ہیں [2] ۔ **فمت یاعبدالشیطان الموسوم بعبدالحق**۔۔۔یہ سیاہ فرقہ غزنویوں کا کس قدر شیطانی افتراؤں سے کام لے رہا ہے۔اے بدبخت مفتریو...انہ معلوم کہ یہ جاہل اور وحشی فرقہ اب تک کیوں شرم اور حیا سے کام نہیں لیتا۔" [3]

لدھیانہ میں ایک صاحب مولوی سعد اللہ ہوا کرتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی سعادت یہ تھی کہ وہ غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے اختیار تمیزی سے مسلمان ہو گئے' مزید سعادت انھیں یہ نصیب ہوئی کہ انھوں نے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی اور ایک اچھے خاصے عالم دین ہو گئے۔ مسلکا اہل حدیث تھے۔ شعر گوئی کا اچھا ملکہ رکھتے تھے اور اپنے اشعار کے ذریعہ مرزا صاحب کے حقائق سے پردہ چاک کیا کرتے تھے۔۔۔ مرزا صاحب ان پر بہت دانت پیستے اور کچکچاتے تھے۔ چنانچہ انھیں مخاطب کر کے لکھتے ہیں۔

---

[1] (ضمیمہ انجام آتھم ص 28)

[2] (ضمیمہ انجام آتھم ص 47) [3] (ایضاً ص 58)

"اے احمق! دل کے اندھے' دجال تو تو ہی ہے' دجال! تیرا ہی نام ثابت ہوا یا کسی اور کا؟ حق سے لڑتا رہ' آخر اے مردار! دیکھے گا کہ تیرا کیا انجام ہو گا' اے عدو اللہ! تو مجھ سے نہیں خدا سے لڑتا ہے۔"[1]

ان ہی مولوی سعد اللہ کی بابت مرزا صاحب نے ایک نظم کہی جس کا ہر ہر مصرع مرزا صاحب کی شریں بیانی اور پاکیزہ گوئی کا آئینہ دار ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے' لکھتے ہیں:

اک سگِ دیوانہ لدیانہ میں ہے
آج کل وہ خوشتر خانہ میں ہے
بدزباں' بدگو و بدذات ہے
اس کی نظم و نثر واہیات ہے
آدمیت سے نہیں ہے اس کو مس
ہے نجاست خوار وہ مثل مگس
سخت بدتہذیب اور منہ زور ہے
منہ پہ آنکھیں ہیں مگر دل کور ہے
حق تعالیٰ کا وہ نافرمان ہے
آدمی کا ہے کو ہے شیطان ہے
چیختا ہے بے ہدی مثل حمار
بھونکتا ہے مثل سگ وہ بار بار
مغز لونڈوں نے لیا ہے اس کا کھا
بجتے بجتے ہو گیا ہے باؤلا
کچھ نہیں تحقیق پر اس کی نظر
اس کا اک استاد ہے سوبدگہر

---

[1] (اشتہار انعامی تین ہزار)

دوغلا استاد اس کا پیر ہے
اس کی صحبت کی یہ سب تاثیر ہے
جہاں میں بوجہل کا سردار ہے
بولہب کے گھر کا برخوردار ہے
سخت دل نمرود یا شداد ہے
جانور ہے یا کہ آدم زاد ہے
ہے وہ نابینا یا خفاش ہے
مسخرہ ہے ، منہ پھٹا اوباش ہے
وہ مقلد اور مقلد اس کا پیر
پھر محدث بنتے ہیں دونوں شریر
اس کو چڑھتا ہے بخاری سے بخار
پھیرتا ہے اس سے منہ اب نابکار
شور شیخی ان کی ہر رگ رگ میں ہے
جس طرح کہ زہر ماروسگ میں ہے
ہائے ، صد افسوس اس کے حال پر
لاکھ لعنت اس کے قیل و قال پر
آدمی ہے یا کہ ہے بندر ذلیل
مل گیا کفار سے وہ بے دلیل
وہ یہودی ہے نصاریٰ کا معین
پادری مردود کا ہے خوشہ چین [1]

اسی طرح مولوی سعد اللہ مرحوم کی بابت مرزا صاحب کی ایک عربی نظم بھی ہے،

---

[1] (کا دیہ جلد دوم ص 437,436)

جس کے تین اشعار پیش خدمت ہیں، لکھتے ہیں:

و من اللعام اری رجیلا فاسقا
غولا لعینا نطفة السفها
شکس خبیث مفسد و مزور
نحس یسمی السعد فی الجھلاء
آذیتنی خبثا فلست بصادق
ان لم تمت بالخزی یا ابن بغا

اور لئیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے، سفیہوں کا نطفہ، بد گو ہے اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کو ملمع کر کے دکھلانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعد اللہ رکھا ہے، تو نے اپنی خباثت سے مجھے بہت دکھ دیا ہے مگر میں سچا نہیں ہوں گا اگر ذلت کے ساتھ تیری موت نہ ہو۔" [1]

یہ مرزا صاحب کی طویل شریں گفتاری کے محض چند نمونے ہیں۔ مزید کچھ نمونے بھی کہیں کہیں ضمناً اس کتاب میں ملیں گے۔ لیکن اس طرح کے تمام ارشادات نہ نقل کرنے کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ مختصراً یوں سمجھ لیجیے کہ مخالفین کے لیے لعنت اور ذرية البغايا (رنڈیوں کی اولاد) کا کلمہ مرزا صاحب کا تکیہ کلام تھا۔

---

[1] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 14-15، انجام آتھم ص 281-282)

مرزا صاحب کا اپنا کردار

مرزا صاحب کی شیریں گفتاری اور پاکیزہ لسانی کے یہ نمونے اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ آپ کی مسیحیت و مہدویت اور نبوت و رسالت کس ڈھنگ کی تھی۔ اس موضوع کی تکمیل کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم مرزا صاحب کے ذاتی کردار کی بھی ایک جھلک پیش کرتے چلیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ خود آنجناب کے تقدس کا کیا حال تھا۔ اگرچہ ہم مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ موصوف کے ذاتی کردار کو زیر بحث لائیں لیکن ع

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

چوں کہ مرزا صاحب رسالت کے مدعی تھے اور رسول اپنے کردار و عمل میں رضائے الٰہی کا نمائندہ اور اپنی قوم و امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے اس لیے ہمیں ان کا کردار زیر بحث لانے کا حق حاصل ہے اور چوں کہ مرزا صاحب حضرت مسیح کا ذاتی کردار زیر بحث لا چکے ہیں اس لیے ہمیں یہ کہنے کی گنجائش بھی ہے کہ ع

ایں گنا ہست کہ در شہر شما نیز کنند

سنیے! اور گوش ہوش سے سنیے!

مرزا صاحب کی شراب نوشی

مرزا صاحب شراب پیتے تھے اور وہ بھی معمولی درجہ کی نہیں' بلکہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی خالص ولایتی شراب۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مرید کو خط میں لکھتے ہیں:

محبی اخویم حکیم محمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیائے خریدنی خود خرید دیں۔ اور ایک بوتل ٹانک وائن پلومر کی دکان سے خرید دیں۔ مگر ٹانک وائن چاہیے اس کا لحاظ رہے' باقی خیریت ہے۔ والسلام

مرزا غلام احمد عفی عنہ [1]

---

[1] (خطوط بنام غلام ص 5)

یاد رہے کہ "ٹانک وائن" اصلی درجہ کی ولایتی شراب کا نام ہے جو اس زمانہ میں لاہور جیسے اہم شہروں میں دستیاب تھی۔

داد عیش

مرزا صاحب جس امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میں رہتے تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی دوسری بیوی کے لیے سونے' چاندی اور ہیروں کے جو زیورات بنوائے تھے ان کی مجموعی قیمت اس دور ارزانی میں چار ہزار روپے سے زیادہ تھی [1]۔ آپ لاہور سے نہایت اعلیٰ درجہ کی مشک خالص پے در پے منگاتے تھے۔ [2] مفرح عنبری کا استعمال برابر رکھتے تھے۔ [3] شاندار خیمے' عمدہ بستر' عمدہ بیگمی پان آپ کے لوازمات میں سے تھے۔ [4] تازہ پکوڑے' پرندوں کا گوشت' مرغ مسلم' بٹیر' مچھلی' کباب مرغ' بھنی ہوئی بوٹیاں' خوب سینکی ہوئی چپاتیاں' پتلا شوربا جس میں گوشت خوب گداز ہو چکا ہو' سکنجبین' چاول شریں' میٹھی روٹی' اعلیٰ درجے کی مغزیات' قیمتی میوہ جات وغیرہ آپ کی مرغوب غذائیں تھیں۔ [5]

ازار بند عموماً ریشمی ہوتا تھا۔ [6]

فینسی پارچہ جات اور نفیس اشیاء خریدنے کے لیے آپ کی اہلیہ محترمہ خود لاہور تشریف لے جایا کرتی تھیں اور عرصہ دراز تک لاہور میں ہی قیام فرما رہتی تھیں۔ [7]

افیون سے شغف

آپ افیون کے بڑے مداح تھے اور دواؤں میں اس کا استعمال بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ قادیانی اخبار الفضل راوی ہے:

---

[1] (دیکھیے ضرورت امام ص46)

[2] (تفصیل کے لیے دیکھیے خطوط امام بنام غلام ص6,5,3,2)

[3] (ایضاً ص8) [4] (ایضاً ص6,4,3) [5] (سیرۃ المہدی کادیہ ج 2ص282-286)

[6] (ایضاً ص28) [7] (خطوط امام بنام غلام ص4)

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک افیون نصف طب ہے۔ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے "تریاق الٰہی" اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اول (حکیم نورالدین) کو چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوران استعمال کرتے رہے۔" [1]

مرزا صاحب کی خدمت میں نامحرم عورتیں

مرزا صاحب کے عین دور جوانی میں سیالکوٹ بھاگنے کا پس منظر ہم بیان کر چکے ہیں اور وہیں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اہل و عیال سے علیحدگی اور دوری کے باوجود آپ نے اپنے تلاوت والے قرآن مجید کے اخیر میں قوت باہ کا نسخہ درج کر رکھا تھا' لیکن ان باتوں کو جانے دیجیے کہ وہ مسیحیت اور عہد نبوت و رسالت سے پہلے کی باتیں ہیں۔ آیئے آپ کے دور مسیحیت اور عہد نبوت کا منظر دیکھیے۔ المنبر لائل پور نے موثق قادیانی ذرائع کی بنیاد پر لکھا ہے کہ مرزا صاحب نامحرم عورتوں سے ٹانگیں دبوایا کرتے تھے اور یہ نامحرم عورتیں بوڑھی بھی ہوا کرتی تھیں اور جوان بھی۔ [2]

اسی طرح مرزا صاحب اپنی سادہ لوحی کا سکہ جمانے کے لیے فنی چیزوں میں اپنے بدھوپن کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے [3] مگر آپ کی جمالیاتی حس اس قدر تیز اور مشاہدہ حسن اس قدر گہرا اور پختہ تھا کہ عورتوں کا صرف چہرہ دیکھ کر اندازہ کر لیتے تھے کہ یہ حسن دیرپا ہوگا یا جلد ڈھل جائے گا۔ [4] آپ کا صاحبزادہ راوی ہے کہ آپ خوبصورت چیز کو پسند کرتے تھے۔ [5]

---

[1] (الفضل قادیان 19 / جولائی 1929) [2] (المنبر لائل پور 9 / شوال 1387ھ)

[3] (قادیانی لٹریچر (سیرۃ المہدی' ج 1 ص 264,53) وغیرہ میں اس قسم کی روایات کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔) [4] (سیرۃ المہدی ص 240-241 کادیہ ج 2 ص 322)

[5] (ایضا ' ایضا)

روزوں سے خلاصی

آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ دکان نبوت و مسیحیت چل پڑنے کے بعد آپ نے رمضان کے روزوں سے گلو خلاصی حاصل کر لی تھی اور اس بارے میں جرأت و بے باکی کا حال یہ تھا کہ ایام رمضان میں کھلم کھلا کھاتے پیتے تھے۔ کوئی معترض ہوتا تو عذر تراش لیتے۔ [1]

فریب کاری

آپ کی فریب کاری کا یہ حال تھا کہ آپ نے تین سو دلائل پر مشتمل پچاس جلدوں میں براہین احمدیہ لکھنے کا اعلان کیا' بلکہ کچھ دنوں میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ مسودہ تیار ہو گیا ہے [2] اور اس طرح بڑے بڑے چندے وصول کیے اور بہت بڑی مقدار میں لوگوں سے پچاس جلدوں کی پیشگی قیمت وصول کی۔ اس کے بعد صرف چار جلدیں چھاپ کر ہاتھ روک لیا اور ساری رقم ہضم کر گئے۔ مسودہ تیار ہی نہ تھا۔ مرنے سے پہلے کچھ پانچویں جلد لکھی' جسے موضوع سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ پیشگی رقم دینے والوں کو سابقہ رقم کے عوض یہ کتاب ہی فراہم کی گئی۔

اسی طرح 20/ فروری 1886ء کے اشتہار میں "رسالہ سراج منیر" کی تیاری کی بشارت سنائی اور بتلایا کہ بس چند ہفتوں کا کام رہ گیا ہے۔ پھر اسکی طباعت کے لیے لوگوں سے بہت بڑی رقم اینٹھی اور گول کر گئے۔ جب زیادہ لعنت ملامت ہوئی تو گیارہ برس ایک ماہ چار یوم کے بعد 24/ مارچ 1897ء کو "سراج منیر" کے نام سے 72 صفحات کا معمولی سا رسالہ شائع کر دیا جو سابقہ اعلان سے کوئی بھی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ تاہم اسے مفت تقسیم کرنے کی بجائے قیمۃً فراہم کیا اور جو رقم گول ہوئی تھی وہ گول ہی رہ گئی۔ [3]

---

[1] (ایضاً کادیہ ج 2 ص 281) [2] (براہین احمدیہ ج 2 ص 93)

[3] (دیکھیے اشتہار 20/ فروری 1886ء و رئیس قادیان ص 111-112-113)

اسی طرح اپنے مبایعین کی ایک جماعت بنا کر جب جنوری 1891 میں آپ نے دکان مسیحیت کا افتتاح کیا تو مسیحی کاروبار کے فروغ کے لیے آپ نے پانچ قسم کے فنڈ قائم کیے اور اپنے مریدوں کو ہر فنڈ میں بیش از بیش مستقلاً رقم فراہم کرنے کی تاکید کی اور یہ واضح کیا کہ یہ رقمیں میری ذاتی ضروریات پر قطعاً صرف نہ ہوں گی بلکہ تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں خرچ کی جائیں گی۔ (1) مگر جب یہ رقمیں ہاتھ آئیں تو آپ نے انھیں اپنی اور اپنے خاندان کی ذاتی ضروریات پر اس طرح بے محابا صرف کیا کہ اس کا شکوہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کے گھرے اور مخلص مریدوں میں عام ہو چلا تھا۔ مثال کے طور پر سرور شاہ قادیانی کی تصنیف کشف الاختلاف (ص 13) ملاحظہ کی جا سکتی ہے، جس میں مصنف موصوف اور خواجہ کمال الدین جیسے چوٹی کے قادیانی عمائدین اور مرزا صاحب کے پختہ ترین مریدوں کے بیانات ملیں گے۔

مرزا صاحب یہ ظاہر فرمایا کرتے تھے کہ میرے اتنے کافی مرید ہیں اور ایسے مخلص ہیں کہ اگر پچاس ہزار روپے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ رقم فوری طور پر فراہم ہو سکتی ہے۔ (2) بایں ہمہ آپ نے صرف پانچ ہزار روپے کے لیے اپنی جائیداد دوسری بیوی کے نام تیس سال کے لیے رہن رکھ دی اور ظاہر یہ کیا کہ یہ رقم ایک دینی ضرورت کے لیے لے رہا ہوں۔ (3) حالانکہ دینی ضروریات کے لیے رقم فراہم کرنا مریدوں کا کام تھا۔ مرزا صاحب نے دراصل اس ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ایک یہ کہ نہ رہن فک ہوگی اور نہ پہلی بیوی کی اولاد کو اس سے کوئی حصہ مل سکے گا۔ دوم یہ کہ اتنے طویل عرصے کے لیے آپ کی جائداد انکم ٹیکس کی زد سے محفوظ رہے گی۔ درآں حال کہ بیوی کے نام رہن ہونے کی وجہ سے پورے طور پر آپ کے تصرف میں بھی رہے گی۔

مرزا صاحب نے حضرت مسیح کی خصوصیات اپنے آپ پر چسپاں کرنے کے لیے

---

(1) (تفصیل کے لیے دیکھیں رسالہ فتح اسلام) (2) (ایضاً)

(3) (سیرت المہدی ص 264)

ایک منارہ بنانے کا اعلان کیا۔ نام منارۃ المسیح رکھا۔ 1 یہ لطیفہ تو جانے دیجیے کہ حضرت مسیح شرق دمشق کے منارہ کے پاس نزول فرما ہو کر دنیا میں تشریف لائیں گے اور مرزا صاحب نے دنیا میں تشریف لانے بلکہ مسیح بننے کے مدتوں بعد قادیان میں یہ منارہ بنوانا شروع کیا تھا کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اس پر چڑھ کر اتر جائیں گے اور مسیح کی علامت مکمل ہو جائے گی مگر یہ منارہ ہنوز ادھورا اور زیر تعمیر ہی تھا کہ مرزا صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے اور اس پر چڑھنے اترنے کی نوبت ہی نہ آسکی۔۔۔ یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس منارہ کے لیے بے محابہ چندہ وصول کیا اور براہین احمدیہ و سراج منیر کے چندوں کی روایت اس طرح دہرائی کہ مرزا صاحب اس دار فانی سے سدھار بھی گئے اور منارہ کی تعمیر تشنہ تکمیل ہی رہ گئی۔

بہشتی مقبرہ

اس سلسلہ میں مرزا صاحب کی قبر فروشی کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا۔ قبروں کی اس تجارت کا آغاز آپ نے موت سے ڈھائی سال پہلے کیا۔ 20 دسمبر 1905ء کو ''الوصیۃ'' نامی ایک ٹریکٹ شائع کر کے اپنے مریدوں کو انذار و تخویف کے ماحول میں یہ بشارت سنائی کہ ایک فرشتہ نے خواب میں مجھے ایک قطعہ زمین دکھلایا ہے:

> ''اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ان برگزیدہ لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔'' 2

اس زمین کی فوری اور انتظامی ضروریات کے لیے مرزا صاحب نے ایک اپیل کے ذریعہ تین ہزار روپے چندہ کیا اور اس کے بعد اس مقبرہ میں دفن ہونے کی خواہش رکھنے والے امیدواروں کے لیے ان قواعد و ضوابط کا اعلان فرمایا جن کی پابندی کے بعد ہی کوئی شخص مرنے کے بعد اس مقبرہ میں دفن کیا جا سکے گا۔ خصوصی شرط یہ تھی کہ۔

---

1 ایک دلچسپ لطیفہ یہ بھی ہے کہ مرزا صاحب نے قادیان کی ایک مسجد کو مسجد اقصیٰ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔

2 (الوصیۃ ص 17)

''اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو اپنی جائیداد کے دسویں حصے یا اس سے زیادہ کی وصیت کردے۔'' ❶

پھر اس تجارت کو قادیان کے حدود تک محدود نہ رکھنے اور اس کا دائرہ دور دراز علاقوں تک وسیع کرنے کے لیے کچھ خاص قسم کی ہدایات ارشاد فرمائی گئیں۔ ❷ ازاں بعد بتلایا گیا کہ دسویں حصے کی وصیت کرنے والا اگر سمندر میں ڈوب جائے تو قبرستان میں اس کے نام کا کتبہ لگا دیا جائے گا۔ ❸ گویا رقم ہاتھ سے جانے نہیں دی جائے گی اور نہ اس کے وارث کو دفن کیا جائے گا۔ تاکہ اس قبر کی جگہ دوبارہ فروخت کی جا سکے۔ مجذوم اس میں دفن نہ ہوگا مگر دسویں حصے کی رقم دینے کی وصیت پر قائم ہو تو وہی درجہ ملے گا جو دفن ہونے والے کو ملے گا۔ ❹ طاعون سے مرنے والے کی میت دو برس تک امانت رہے گی۔ ازاں بعد اس شرط پر قادیان لائی جائے گی کہ جہاں مرا ہے وہاں اور قادیان دونوں جگہ میں سے کہیں بھی طاعون نہ ہو۔ ❺ بھلا دو برس بعد لاش لانے کی کسے سوجھے گی؟ ہاں رقم البتہ ہاتھ سے نہ جائے گی۔ بچے دفن نہیں ہوں گے۔ ❻ شاید اس لیے کہ وہ رقم کے مالک نہیں ہوتے۔ اس لیے دسواں حصہ ملنے کی توقع نہ رہے گی اور جگہ بھی جلدی تنگ ہو جائے گی۔

مرزا صاحب اور ان کے اہل وعیال ان تمام قیود وشرائط اور پابندیوں سے مستثنیٰ ہوں گے ❼ اس لیے کہ یہ سارا پاپڑ تو ان ہی کی خوش حالی اور فارغ البالی کے لیے بیلا گیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کیا خوب کہہ گئے ہیں:

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

---

❶ (ایضاً ص19) ❷ (ایضاً ص20)
❸ (ایضاً ص23) ❹ (ایضاً ص26)
❺ (ایضاً ص23) ❻ (ایضاً ص23)
❼ (ایضاً26)

بقیہ اوصاف و کمالات

مرزا صاحب کے بقیہ اوصاف و کمالات کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ان کی بد زبانی کے کافی نمونے گزر چکے ہیں۔ ان کے جھوٹ اور دروغ پر "کذبات مرزا" وغیرہ نام کے مستقل رسالے تالیف ہو چکے ہیں جن کی تردید قادیانی امت سے آج تک نہیں ہو سکی۔ ان کی پیش گوئیوں کی نوعیت و کیفیت اور ان کا حشر اگلے صفحات میں آرہا ہے۔۔۔ یہ واضح رہے کہ مرزا صاحب کے سارے معجزے اور نشانات لے دے کر ان کی پیش گوئیاں ہی تھیں جن میں سے ایک بھی درست نہ نکل سکی۔ آپ کے جنون خیز امراض مالیخولیا' مراق وغیرہ کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ بلند بانگ دعاوی متکبرانہ ڈینگ' خدائی دعوے وغیرہ بھی سب کچھ پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو تصویر کشی اپنی تصانیف میں کی ہے وہ بہ کمال و تمام آپ پر چسپاں ہوتی اور صادق آتی ہے۔ غالبًا اسی لیے مرزا صاحب اپنے درمیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان غایت درجہ مشابہت و یگانگت کے مدعی ہیں اور غالبًا اسی لیے آپ نے فرمایا ہے:

> "چوں کہ اس (خدا) نے مجھے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا تھا اور توارد طبع کے لحاظ سے یسوع کی روح میرے اندر رکھی گئی تھی اس لیے ضرور تھا کہ گم گشتہ ریاست میں مجھے یسوع مسیح کے ساتھ مشابہت ہوتی۔" [1]

ہمیں غیب کا تو علم نہیں' لیکن مرزا صاحب کے پیش کردہ مسیح کے کردار اور خود مرزا صاحب کے اپنے کردار کے درمیان تقابل کرنے کے بعد کچھ حرج نہیں محسوس ہوتا کہ دونوں کے درمیان طوارد طبع تسلیم کرلیں اور یہ بھی مان لیں کہ مرزا صاحب میں یسوع کی روح رکھی گئی تھی۔

---

[1] (تحفہ قیصرہ ص15)

مرزا صاحب کے "دلائل"

یعنی

پیشین گوئیاں اور ان کا حشر

مرزا صاحب نے 1882ء سے اپنی موت 1908ء تک اپنے فضائل و کمالات اور مناصب و درجات کی بابت ملہم، مامور من اللہ، مجدد، امام زماں، مثیل مسیح، مسیح موعود، مہدی معہود اور نبی و رسول وغیرہ ہونے کے جو لمبے چوڑے دعوے کر رکھے تھے ظاہر ہے کہ جب تک ان کے جلو میں عظیم الشان "دلائل" کے لشکر نہ ہوتے انھیں کوئی ہوش مند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مرزا صاحب نے آغاز کار ہی سے فراہمی "دلائل" کا بھی بندوبست کر رکھا تھا جن کی حیثیت کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی کے لیے مناسب ترین لفظ "ہتھ کنڈہ" ہے۔

مرزا صاحب کے یہ دلائل کیا تھے؟ بس لے دے کے چند امور کی بابت معمولی درجے کی کچھ پیش گوئیاں تھیں جن کی نوعیت و کیفیت عام نجومیوں کی پیش گوئیوں سے کچھ بھی مختلف نہ تھی، لیکن مرزا صاحب انھیں اپنی صداقت کے زبردست خدائی نشانات سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے انھیں بڑے متحدیانہ انداز میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہو سکتا۔" [1]

چوں کہ مرزا صاحب کے دعووں کی حقیقت اور قادیانی مذہب کی اصلیت کے جانچ کا یہی اصل الاصول ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پیش گوئیوں کو ان کے پس منظر اور نتائج سمیت بلا کم و کاست 'ہدیہ قارئین کر دیا جائے تاکہ مرزا صاحب کا صدق و کذب خود ان کے اپنے تسلیم کردہ معیار کے مطابق منظر عام پر آجائے اور ہر شخص خود فیصلہ کرے

---

[1] (آئینہ کمالات اسلام ص 288)

کہ مرزا صاحب کے "یہ خدائی نشانات" ان کی صداقت کے نشانات ہیں یا ان کے کذب و بطلان کے۔"

دعوائے مسیحیت سے پہلے کی پیشین گوئیاں

یہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مرزا صاحب ابتداء "مبلغ اسلام" کی حیثیت سے ظاہر ہوئے تھے اور اس وقت اسلام کے دو اہم حریفوں۔۔ آریوں اور عیسائیوں۔۔۔ سے پنجہ آزمائی کا مشغلہ اختیار کیا تھا 1884ء تک جب براہین احمدیہ کی چاروں جلدیں منظر عام پر آ گئیں تو آپ نے ان دونوں فرقوں کو دعوت دی کہ اگر ان کے نمائندے قادیان میں آکر سال بھر مقیم رہیں تو میرے ذریعہ انھیں اسلام کی صداقت کے معجزات دکھلائے جائیں گے اور یہ معجزات جہاں اسلام کی صداقت کی دلیل ہوں گے وہیں مرزا صاحب کے مجدد ہونے کا ثبوت بھی ہوں گے۔

اس طرح کی اعجاز نمائی کا دعویٰ آپ نے 1885ء کے آغاز میں کیا اور سال بھر تک لوگ اس کے ظہور کے منتظر رہے۔ عام مسلمانوں میں جو جہالت و خوش عقیدگی اور مذہبی حمیت و عصبیت پائی جاتی تھی اس کے سبب مرزا صاحب کو یقین تھا کہ اس کشاکش میں مسلمانوں کی ہمدردیاں تمام تر ان کے ساتھ ہوں گی اور اس سے ان کے دعویٰ کے فروغ و اشاعت میں مدد ملے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ اپنے کاروبار سے دست کش ہو کر محض مرزا صاحب کا معجزہ دیکھنے کے لیے کوئی شخص قادیان میں مقیم نہیں رہ سکتا تھا' نہ رہا۔ اس لیے مرزا صاحب کو موقع ہاتھ آگیا اور آپ نے مخالفین کی اس عدم توجہ کو اپنی فتح و حقانیت کا ثبوت قرار دیتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ یعنی آغاز جنوری 1886ء میں آپ اپنے تین معتمد علیہ مریدوں کے ساتھ ہوشیار پور وارد ہوئے اور مریدوں کو مختلف خدمات پر مامور و معین کر کے ایک بالائی حجرے میں یک و تنہا چلہ کشی شروع کی۔ چالیس دن کی اس مدت میں تنہائی میں آپ نے علوم رمل و جفر اور فن نجوم سے کام لے کر متعدد پیشین گوئیاں تیار کیں اور 20ر فروری

1886ء کو چلہ کشی سے فارغ ہوتے ہی ایک اشتہار پریس کے حوالے کیا۔ اس اشتہار میں آپ نے یہ بشارت سنائی کہ میں نے "سراج منیر" نام کا ایک رسالہ تحریر کیا ہے جو چند ہفتوں میں مکمل ہو جائے گا" یہ رسالہ مخالفین اسلام کے سامنے ایسا چمکتا ہوا چراغ ہے جس کی ہر ایک سمت سے گوہر آبدار کی طرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی پیش گوئیوں پر جو ہنوز وقوع میں نہیں آئیں مشتمل ہے۔ [1]

یہ رسالہ تو شائع نہ ہوا کہ اس کی پیش گوئیاں منظر عام پر آتیں' بلکہ براہین احمدیہ کی طرح اس کے نام پر بھی مرزا صاحب نے ایک خطیر رقم وصول کر کے ہضم کر لی۔ [2] البتہ 20/ فروری 1886ء کے محولہ بالا اشتہار میں مرزا صاحب نے بطور نمونہ اس رسالہ کی چند پیش گوئیاں درج کر دیں اور ان کے صدق کو اپنی صداقت اور منجانب اللہ الہام یافتہ اور مجدد ہونے کا ثبوت قرار دیا۔ چوں کہ ان پیش گوئیوں پر آئندہ بہت کچھ لے دے ہوئی اس لیے ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

(الف) مرزا صاحب کی پہلی الہامی پیش گوئی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایک قدسی صفات لڑکا عطا کرے گا جس کا نام عنموائیل اور بشیر ہوگا' وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اس کی طول طویل صفات میں مرزا صاحب نے ایک سے زائد صفحات سیاہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند' مظہر الاول والآخر' مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء (گویا کہ خدا ہی آسمان سے اتر پڑا ہے) [3]

(ب) دوسری پیش گوئی یہ تھی کہ آئندہ بعض خواتین مبارکہ سے مرزا صاحب کی شادی ہوگی اور اس سے مرزا صاحب کی نسل خوب پھیلے گی۔ [4]

(ج) تیسری پیش گوئی یہ تھی کہ مرزا صاحب کے جدی بھائیوں کی ہر ایک شاخ کاٹی

---

[1] (مجموعہ اشتہارات ج1 ص7-8) [2] (رئیس قادیان ص112-113)

[3] (تفصیل کے لیے دیکھیے مجموعہ اشتہارات ج1 ص10-11-12) [4] (ایضاً ص12)

جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر فوت ہو جائیں گے۔ [1]

(د) چوتھی پیش گوئی یہ تھی کہ ایک اجڑا ہوا گھر مرزا صاحب سے آباد ہو گا اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر جائے گا اور آخری دنوں تک مرزا صاحب کی ذریت سرسبز رہے گی۔ [2]

مرزا صاحب نے یہ پیشین گوئیاں اس وقت داغی تھیں جب آپ دعوت اعجاز نمائی کا یک سالہ دور کسی آزمائش میں پڑے بغیر بلطائف الحیل گزارنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان پیشگوئیوں کا سب سے بڑا فائدہ مرزا صاحب کو یہ مطلوب تھا کہ جو لوگ آپ کے معتقد ہیں وہ بدستور دام ارادت میں پھنسے رہیں گے اور جو متردد یا مخالف ہیں انھیں طویل عرصہ تک ان پیش گوئیوں کے صدق و کذب کے لیے خاموشی سے انتظار کرنا پڑے گا۔ اس دوران آپ اطمینان کے ساتھ اپنی کارروائیاں انجام دیتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اس اشتہار کے بعد آپ نے بڑی ہوشیاری سے حلقہ ارادت وسیع کر کے اخذ بیعت اور تنظیم جماعت کا کام انجام دے لیا۔ اور مخالفین کے شور و شغب سے بھی بڑی حد تک محفوظ رہے۔

ہاں! ان پیش گوئیوں کا جو حشر ہوا اس کی بھی مختصر سی روداد سامنے رکھ لینی چاہیے۔ روداد یہ ہے کہ یہ تمام پیش گوئیاں سو فیصدی جھوٹ اور غلط ثابت ہوئیں۔ اس اشتہار کے بعد:

1- مرزا صاحب کے نکاح میں کوئی بھی خاتون نہ آسکی۔

2- آپ کے جدی بھائیوں کی نسل بھی نہ کٹ سکی۔

3- تھوڑے عرصہ بعد مرزا صاحب نے یہ ظاہر کیا کہ ایک اجڑے ہوئے گھر کے آباد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شادی آپ کی چچیری بہن کی ایک لڑکی محمدی بیگم سے ہو گی۔ لیکن یہ شادی کبھی بھی نہ ہو سکی، بلکہ ہزاروں جتن کرنے کے باوجود اس بارے میں مرزا صاحب کو جس ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ایک غیرت مند

---

[1] (ایضاً، ایضاً) [2] (ایضاً، ایضاً)

انسان کے لیے موت سے بھی بڑھ کر ہے۔ مرزا صاحب غالباً بڑی حسرت سے کہتے رہے ہوں گے۔

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال
اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

4- جہاں تک مرزا صاحب کی اولاد کے سرسبز و شاداب رہنے کا تعلق ہے اس کا اندازہ وہ لوگ اچھی طرح لگا سکتے ہیں جنھیں آج کل پاکستان میں قادیانیوں کے حالات کا علم ہے یا جنھوں نے 1947ء میں قادیان کی تباہی کی داستان پڑھی ہوگی۔

بہر حال ان پیش گوئیوں کے یہ وہ نتائج ہیں جو نوے سال کا طویل عرصہ گزر جانے کی بدولت آج ہمیں بالکل واضح اور متعین شکل و صورت اور خط و خال میں معلوم ہیں' لیکن جس قوت یہ پیش گوئیاں داغی گئی تھیں اسی وقت ان کے نتائج نہیں جانے جاسکتے تھے۔ بلکہ بعض پیش گوئیوں کے نتیجہ کا فیصلہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ مثلاً آپ کے نکاح جدید کا۔۔۔ اور بعض کے نتیجہ کا فیصلہ وفات کے بعد بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مثلاً آپ کے اولاد کی شادابی و غیر شادابی کا۔۔ اس لیے ظاہر ہے کہ فوری طور پر نہ تو ان پیش گوئیوں کے متعلق کوئی رائے زنی کی جاسکتی تھی اور نہ کسی قسم کے رد عمل کا اظہار کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح مرزا صاحب نے ایک ایسا داؤ مارا تھا جس کے طفیل آپ کسی آزمائش میں پڑے بغیر اپنی متعین کردہ راہ پر آگے بڑھتے چلے جائیں۔

لیکن پہلی پیش گوئی جو قدسی صفات لڑکے کی بابت تھی وہ آپ کے لیے بہت جلد آزمائش کا سبب بن گئی کیوں کہ 20/ فروری 1886ء کا یہ اشتہار جب شائع ہوا تو آپ کی نئی بیوی امید سے تھیں آپ نے پیش بندی کے طور پر اگرچہ بعض اشتہارات میں اس شک کا اظہار کر دیا تھا کہ اس پسر موعود کا موجودہ حمل سے ہونا قطعی نہیں ہے۔ [1] بلکہ ہو سکتا ہے

---

[1] (تاریخ مرزا ص 13)

کہ اسی حمل سے ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کسی قریب ترین حمل سے ہو جو مدت حمل سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ ❶ لیکن اس اظہار تردد کے باوجود اپنے مریدوں کو آپ یہی بتلاتے رہے کہ وہ لڑکا اسی حمل سے ہوگا اس کا اعتراف خود آپ کو بھی ہے۔ ❷

آخر خدا خدا کر کے 15 را پریل 1886ء کو فیصلہ کن لمحہ آ پہنچا اور آپ کے گھر لڑکے کے بجائے لڑکی پیدا ہو گئی۔ پھر کیا تھا مخالفین نے بغلیں بجائیں، اشتہارات چھاپے، مضامین لکھے، خطوط بھیجے۔ آپ کا قافیہ تنگ کر دیا اور آپ کی بڑی ہوا خیزی ہوئی، لیکن آپ بھی کچھ کم بہادر نہ تھے۔ خم ٹھونک کر میدان میں اتر پڑے، جن اشتہارات میں پیش بندی کے طور پر آپ نے شک وتردد کا اظہار کیا تھا ان کی پناہ لیتے ہوئے پوری ڈھٹائی کے ساتھ مخالفین کو للکارا کہ میں نے اسی حمل سے پسر موعود کی پیدائش کا دعویٰ کب کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے مخالفین کو جو گالیاں دی ہیں وہ آپ کی شرافت کا نہایت عبرتناک نمونہ ہیں۔ ❸

بہر حال لڑکی چند دنوں بعد انتقال کر گئی۔ مرزا صاحب آریوں سے مصروف پیکار ہو گئے۔ اور پیش گوئیوں کی بابت فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن ایک سال سے کچھ زائد عرصہ گزرا تو فضا پھر مرتعش ہوئی۔ یعنی مرزا صاحب کی طرف سے یکا یک نہایت طنطنے اور ہمہمے کے ساتھ ''خوشخبری'' کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں آپ نے دنیا کو یہ بشارت دی تھی کہ 7 راگست 1887 کو ہمارے گھر ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی ہے اور یہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق میں نے خدا سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ وہ موجودہ حمل میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حملے میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔

> ''اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیش گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ آریہ لوگ بات بات میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم وہ پیش گوئی منظور کریں گے جس کا وقت بتلایا جاوے۔ سو اب یہ پیش گوئی انھیں منظور کرنی پڑی۔'' ❹

---

❶ (مجموعہ اشتہارات ص 6) ❷ (دیکھیے تتمہ حقیقۃ الوحی ص 135) ❸ (تفصیل کے لیے دیکھیے اشتہار ممک الاخیار) ❹ (اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تاریخ مرزا ص 16 طبع اول)

اور یہی سبب تھا کہ مرزا صاحب نے اس کا نام بشیر رکھا کیوں کہ آپ فرما چکے تھے کہ پسر موعود کا نام بشیر ہوگا۔

اس اشتہار نے مخالفین کا منہ بند کر دیا اور مرزا صاحب سکون کے ساتھ آریوں اور عیسائیوں سے چونچیں لڑانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن اس اشتہار نے جہاں تمام نزاعوں کا فیصلہ کر دیا وہیں مرزا صاحب کے لیے آئندہ کو مشکلات کا دروازہ کھول دیا کیوں کہ پسر موعود کی شان تو یہ تھی کہ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور اس کے اوصاف کا منتہا یہ تھا کہ "گویا خدا ہی آسمان سے اتر پڑا ہے۔" لیکن ہوا یہ کہ سولہ مہینے کے بعد 4 نومبر 1888ء کو یہ بے چارہ خود ہی لقمہ اجل بن گیا اور مرزا صاحب اور ان کے ہوا خواہوں کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گیا۔

اب کیا تھا؟ مرزا صاحب کے مخالفین ہر چہار جانب سے ان پر پل پڑے مگر مرزا صاحب بھی ایسے کمزور دل گردے کے آدمی نہ تھے کہ ان شورشوں سے دب جاتے۔ آپ نے یکم دسمبر 1888ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ اشتہار کیا تھا۔ 8/("20*"26) سائز کے 24 صفحات کا پورا ایک رسالہ تھا۔ جس کا خلاصہ گالیوں اور بدزبانیوں کو الگ کر دینے کے بعد صرف یہ تھا کہ موجودہ لڑکے کو پسر موعود سمجھنے میں مجھ (مرزا) سے اجتہادی غلطی ہو گئی ہے، لیکن اس اجتہادی غلطی سے میرے منصب تجدید و امامت یا الہام یافتگی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیوں کہ انبیا کرام سے بھی اجتہادی غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ اب خدائی الہام کے مطابق وہ لڑکا آئندہ کسی وقت پیدا ہوگا۔ [1]

اس کے بعد مرزا صاحب کے کئی لڑکے پیدا ہوئے لیکن وہ کسی کو بھی پسر موعود قرار دینے کی ہمت نہ کر سکے آخر جون 1889ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مبارک احمد رکھا گیا اس لڑکے کو مرزا صاحب نے بڑی صراحت کے ساتھ دو ٹوک الفاظ میں 20/ فروری 1886ء کے اشتہار کی پیش گوئی کا مصداق یعنی مصلح موعود قرار دیا اور حسب دستور

---

[1] (مفصل اشتہار مجموعہ اشتہارات مسیح موعود ج اول ص 16 ص 39 پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور یہی وہ اشتہار ہے جس کے آخیر میں مرزا صاحب نے لوگوں کو پہلی بار بیعت لینے اور ایک باقاعدہ جماعت منظم کرنے کا اعلان کیا تھا۔)

مخالفین پر دل کھول کر ناوک فگنی کی اور بڑے غرور اور ہیکڑپن کا مظاہرہ کیا۔ [1]

مرزا صاحب اتنے یقین کے ساتھ اس لڑکے (مبارک احمد) کو اس پیش گوئی کا مصداق سمجھتے تھے کہ آٹھ ہی سال کی عمر میں اس کی شادی بھی کر دی، مگر ادھر شادی ہوئی ادھر حضرت عزرائیل (ملک الموت) آدھمکے۔ مسیح قادیان نے ہزار جتن کیے اور ہر چند منتیں سماجتیں کیں لیکن ملک الموت بھی اپنی ضد پر اڑا رہا اور وہی نقشہ پیش آیا جسے کسی بلند پرواز شاعر کی قوت متخیلہ نے اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا تھا کہ ؎

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں
سر بسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

آخر ملک الموت اپنی ضد میں کامیاب ہوا۔ 16/دسمبر 1907 کو مبارک احمد کی روح اس کے تن نازک سے نکال لی [2] اور اس کے جسد خاکی کو نمونہ عبرت کے طور پر مرزا صاحب کے ماتم و شیون اور آہ و فغاں کے لیے چھوڑ گیا۔

پھر مرزا صاحب بھی اس پیش گوئی کے کذب کی ذلت، ناکامی کا داغ، صاحب زادے کی مفارقت کا غم اور مخالفین کی شماتت کا زخم لیے ہوئے آٹھ ماہ چند یوم کے بعد اس دنیا کو مخاطب کر کے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے ؎

طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

دعوائے مسیحیت کے بعد کی پیشین گوئیاں

1- پیش گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم

اس پیش گوئی کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت کے تقریباً

---

[1] (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو تریاق القلوب مطبوعہ 1902 ص 44,40)

[2] (مرقع قادیانی بابت ماہ دسمبر 1907 ص 3)

ڈھائی برس بعد مرزا صاحب اور ایک عیسائی پادری ڈپٹی عبداللہ آتھم کے درمیان امرتسر میں مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ پندرہ روز تک ہوتا رہا۔ دونوں طرف سے ردو قدح کا سلسلہ چلتا رہا۔ آخر 5/ جون 1893ء کو مباحثے کے خاتمے کے دن مرزا صاحب نے اپنے حریف مسٹر آتھم کے متعلق ایک پرزور پیش گوئی فرمادی' جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا ہے' وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ہوگی اور اس وقت جب پیش گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔" [1]

اس پیش گوئی کے آثار و لوازمات خارجیہ بھی مرزا صاحب کی تقریر اور تشریح ہی میں سن لیجیے' فرماتے ہیں:

"میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا' معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لیے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالٰی کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لیے تیار

---

[1] (جنگ مقدس روداد مناظرہ آتھم و مرزا ص 188)

ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے' روسیاہ کیا جاوے' میرے گلے میں رسا ڈال دیا جاوے' مجھ کو پھانسی دیا جاوے' ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا' ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جائیں' پر اس کی باتیں نہ ٹلیں۔'' [1]

یہ پیش گوئی اپنے مضمون میں بالکل صاف ہے۔ کسی قسم کا ایچ پیچ اس مضمون میں نہیں۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ ڈپٹی آتھم جس نے آدمی (حضرت مسیح) کو خدا بنایا ہوا تھا اگر مرزا جی کی طرح الوہیت مسیح سے منکر اور توحید محض کا قائل اور اسلام میں داخل نہ ہوا تو عرصہ پندرہ ماہ میں مر کر ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ بلکہ مسٹر آتھم کفر پر رہ کر میعاد مقررہ کے بعد بھی قریباً دو سال تک زندہ رہا۔ [2]

مرزا صاحب نے اس پیش گوئی کے لوازم ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیش گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔''

اب سنیے کہ 5 ستمبر 1894ء کو مرزا صاحب کی مقررہ میعاد پوری ہوگئی لیکن نہ پیش گوئی ظہور میں آئی' نہ اس کے لوازم' نہ کوئی اندھا بینا ہوا اور نہ کسی لنگڑے اور بہرے کو شفا حاصل ہوئی۔ البتہ اس موقع پر مرزا جی اور ان کی جماعت کی جیسی کچھ عزت ظہور میں آئی خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ 6 ستمبر کو نہایت دھوم دھام سے شہر شہر جلوس نکلے اور مرزا صاحب پر ایسی ایسی پھبتیاں کسی گئیں کہ الامان والحفیظ۔! ہر ایک قوم کی طرف سے ایک نہیں کئی کئی اشتہارات' اخبارات اور رسالہ جات نکلے جن میں مرزا جی کی عزت' اور آؤ بھگت کے کلمات طیبات بھرے ہوئے تھے ان اشتہارات کا نقل کرنا تو کارے دارد۔ ان کا نمونہ نقل کرنا بھی طول سے خالی نہیں۔ پھر انھیں نقل کرنے کی چنداں حاجت بھی نہیں کیوں کہ

---

[1] (ایضاً) [2] (الہامات مرزا طبع ششم ص 6)

پیش گوئی کی مدت کے خاتمے پر مخالفین نے جیسی کچھ خوشی منائی تھی اور مرزا جی کی جیسی کچھ تذلیل کی تھی اس کا ایک اجمالی خاکہ مرزا صاحب نے خود ہی کھینچ دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"انھوں نے (یعنی مرزا صاحب کے مخالف عیسائیوں وغیرہ نے) پشاور سے لے کر الٰہ آباد تک اور بمبئی اور کلکتہ اور دور دور شہروں تک نہایت شوخی سے ناچنا شروع کیا۔ اور دین اسلام پر (نہیں بلکہ مرزا صاحب کی مسیحیت پر۔ ن) ٹھٹھے کیے اور یہ سب یہودی صفت اور اخباروں والے ان کے ساتھ خوش خوش اور ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے تھے۔" [1]

یہاں ان مذبوحی حرکات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں جنھیں مرزا صاحب اور ان کے مریدوں نے وقت مقررہ پر ڈپٹی آتھم کی موت کے لیے اختیار کیا تھا مرزا محمود کا بیان ہے کہ آتھم کی پیش گوئی کا آخری دن تھا تو نہایت کرب و اضطراب سے اس کی موت کی دعائیں کی گئیں۔ فرماتے ہیں:

"میں نے تو محرم کا ماتم بھی اتنا سخت نہیں دیکھا حضرت (مرزا) صاحب ایک طرف دعا میں مشغول تھے اور بزرگان سلسلہ مسجد میں اور نوجوان طبقہ خلیفہ اول (حکیم نورالدین کی دکان میں اور عورتیں بھی بین کرتی تھیں اور چیخیں مارتی تھیں جن کی آواز سو سو گز تک جاتی تھی اور ہر ایک کی زبان پر یہی فقرہ تھا: "یا اللہ آتھم مر جائے' یا اللہ آتھم مر جائے۔" [2]

مرزا صاحب کے مرید خاص عبداللہ سنوری کا بیان ہے:

"جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن رہ گیا تو آپ نے (یعنی مرزا صاحب نے) مجھے کہا کہ عبداللہ اتنے (وزن یاد نہیں) چنے لے آؤ اور ایک

---

[1] (سراج منیر ص 47) [2] (الاعتصام لاہور 9/ جون 1967 بحوالہ الفضل قادیان 20/ جولائی 1940 (15/ اکتوبر 1942)

ایک چنے پر سورہ فیل پڑھو (جو دشمن کی ہلاکت کا وظیفہ ہے) جب وظیفہ پورا ہو گیا تو آپ ہمیں ساتھ لے کر ایک غیر آباد کنوئیں پر گئے اور وہ چنے اس میں پھینک کر بھاگ آئے۔" [1]

مرزا صاحب کی یہ کارروائی نہیں' عملیات کا ایک حصہ تھی جن کی مشق آپ نے اوائل عمر میں کی تھی اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ ڈپٹی آتھم اس کے اثر سے مرجائے گا' مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

2- پیش گوئی متعلقہ پنڈت لیکھرام

پشاور میں ایک صاحب پنڈت لیکھرام ہوا کرتے تھے۔ وہاں کے آریہ سماج کے سبھاسد۔ بڑے ہی بے لگام' منہ پھٹ اور بد زبان مرزا صاحب نے ان سے چھیڑ خانی کر کے اسلام' اہل اسلام اور پیغمبر اسلام کو وہ وہ گالیاں اور صلواتیں سنوائیں کہ خدا کی پناہ۔!

مرزا صاحب اور لیکھرام میں ٹکراسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب کہ ابھی مرزا صاحب صرف مجدد اسلام بلکہ مبلغ اسلام بنے تھے۔ 1886ء میں مرزا صاحب نے جب "سرمہ چشم آریہ" نامی کتاب لکھی تو اس میں معزز آریوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور بہت صاف طریقے پر فرمایا کہ مباہلہ کے اثر کے ظہور کے لیے ایک سال کی مدت ہو گی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اور پھر فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لیے ایک برس کی مہلت ہو گی۔" [2]

اور اگر ایک سال کے عرصے میں مرزا صاحب پر کوئی عذاب و وبال نازل ہو گیا یا آپ کے حریف مقابل پر کوئی عذاب و وبال نازل نہ ہوا تو

"ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز (مرزا) قابل تاوان پانچ سو روپیہ ٹھہرے گا" [3]

---

[1] (سیرۃ المھدی ج اول ص 178)

[2] (سرمہ چشم آریہ ص 213) [3] (ایضاً ایضاً)

اس دعوت مباہلہ کی اشاعت کے بعد پنڈت لیکھرام مقابلہ پر آیا اور اس نے دعوت مباہلہ منظور کرتے ہوئے 1888ء میں مباہلہ نامہ شائع کر دیا۔ چاہیے تھا کہ مرزا صاحب کی مقرر کی ہوئی شرط کے مطابق 1889ء میں اس پر کوئی عذاب آجاتا مگر ایسا نہ ہوا اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ صحیح سالم رہے۔ ہاں اس مباہلہ کے بعد فریقین میں "آسمانی نشان" دیکھنے اور دکھانے کا مطالبہ اور وعدہ ہوتا رہا اور مرزا صاحب کہتے رہے کہ میں تمھیں اپنی صداقت پر خدائی نشان ضرور دکھاؤں گا مگر اس نشان کے ظہور کے بعد تمھارا رویہ کیا ہوگا؟ یہ طے ہو جانا چاہیے۔ آخر دونوں میں ایک معاہدہ ہوا جس کے بارے میں مرزا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

> "وہ معاہدہ جو نشانوں کے دیکھنے کے لیے اس راقم اور لیکھرام کے مابین تحریر پایا تھا۔۔۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی پیش گوئی لیکھرام کو سنائی جائے اور وہ سچی نہ ہو تو ہندو دھرم کی سچائی کی دلیل ہوگی [1] اور فریق پیش گوئی کرنے والے پر (یعنی مرزا صاحب پر) لازم ہوگا کہ آریہ مذہب کو اختیار کرے یا تین سو ساٹھ روپیہ لیکھرام کو دے دے۔۔۔ اگر پیش گوئی کرنے والا سچا نکلے تو اسلام کی سچائی کی دلیل ہوگی اور پنڈت لیکھرام پر واجب ہوگا کہ وہ اسلام قبول کرے۔" [2]

یہ معاہدہ صاف اور دوٹوک طور پر بتلا رہا ہے کہ مرزا صاحب لیکھرام کے متعلق جو بھی پیش گوئی کریں گے وہ بہر حال ایسی ہوگی کہ اس کے ظہور کے وقت لیکھرام زندہ ہوگا اور اسے اس معاہدہ کی رو سے اسلام قبول کرنا پڑے گا کیوں کہ زندہ بچے بغیر اسلام قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اس معاہدہ کے تحت مرزا صاحب نے جو پیش گوئی فرمائی اسے ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

---

[1] (کیا خوب منطقی دلیل ہے، پیش گوئی غلط ہونے سے یہ نتیجہ تو نکل سکتا ہے کہ پیس گوئی کرنے والا جھوٹا ہے، لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو جائے گا کہ ہندو مذہب سچا ہے۔)

[2] (استفتا مصنفہ مرزا صاحب ص9)

"۔۔۔ خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ آج کی تاریخ سے جو 20/ فروری 1893ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں۔۔۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا سو اب اس پیش گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا' اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا کی طرف سے نہیں۔ اور نہ اس کی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ ور اگر میں اس پیش گوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا کے بھگتنے کے لیے تیار ہوں اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر سولی پر کھینچا جاوے اور باوجود میرے اس اقرار کے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔" [1]

اس پیش گوئی کی رو سے چاہیے تو یہ تھا کہ چھ سال کے عرصے میں یعنی 20/ فروری 1899ء تک لیکھرام پر کوئی ایسا نرالہ' خارق عادت اور ہیبت الٰہی رکھنے والا عذاب آجاتا جس کے نتیجہ میں مرزا صاحب اس سے قبول اسلام کا مطالبہ کرتے اور وہ حسب معاہدہ مسلمان ہوتا' لیکن ایسا کوئی واقعہ سرے سے درپیش ہی نہیں آیا' بلکہ پیش گوئی کی مدت مکمل ہونے سے تقریباً دو سال پہلے ہی 6/ مارچ 1897ء کو کسی شخص نے چھرا مار کر لیکھرام کا کام تمام کر دیا اور وہ اس دنیا سے چل بسا۔ اس کی سرے سے نوبت ہی نہیں آئی کہ اس پر کوئی خارق عادت عذاب نازل ہو اور اس سے قبول اسلام کا مطالبہ کیا جائے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ پیش گوئی دو دو چار کی طرح غلط نکلی مگر لیکھرام کے قتل کے بعد مرزا صاحب نے حیرت انگیز ڈھٹائی اور چالاکی کے ساتھ یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا کہ میری پیش گوئی سچی نکلی کیوں کہ میری بتلائی ہوئی میعاد

---

[1] (سراج منیر ص 12)

۔۔ یعنی چھ سال ۔۔۔ کے اندر اندر لیکھرام کی موت واقع ہوئی ہے حالانکہ مرزا صاحب کی پیش گوئی لیکھرام کی موت کی بابت نہ تھی بلکہ اس پیش گوئی کے پس منظر کا یہ لازمہ تھا کہ لیکھرام زندہ رہتا اور اگر بالفرض اس پیش گوئی کا تعلق موت سے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ لیکھرام کی موت خرق عادت کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ چھرے سے قتل کیا جانا آئے دن کے معمولات میں سے ہے۔ اور چھرا قتل کا ایک طبعی آلہ' ذریعہ اور سبب ہے۔ حالاں کہ خرق عادت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ چیز کا وجود اپنے طبعی آلہ وسبب کے بغیر ہو جائے مثلاً اگر لیکھرام کی گردن یا اس کے اعضا یونہی کسی آلہ و ہتھیار کے بغیر اپنے آپ کٹ کر علیحدہ ہو جاتے یا مثلاً وہ آسمان کی طرف سے کسی طبعی ذریعہ کے بغیر اٹھ جاتا اور پھر زمین پر دے مارا جاتا۔ اسی طرح کے کسی مافوق الفطری ذریعہ سے اس کی موت آجاتی تو اسے خرق عادت سے تعبیر کیا جاتا لیکن چھرے سے قتل کیا جانا تو بہر حال عادی امور میں سے ہے۔ اس لیے مرزا صاحب کی پیش گوئی بہر صورت غلط اور باطل ہے۔

مرزا صاحب کی ایک اور حیرت ناک شعبدہ بازی یہ بھی سنتے چلیے کہ لیکھرام اور مرزا صاحب میں جو مباہلہ ہوا تھا اس پر عذاب کی مدت تو صرف ایک سال تھی جو 1889 میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے بعد کسی پر کوئی مصیبت آئے تو اسے مباہلہ کا اثر ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا' لیکن اس مدت مباہلہ کے خاتمہ کے کوئی آٹھ برس بعد جب 1897 میں لیکھرام قتل ہوا تو مرزا صاحب بڑے فخر و مباہات کے ساتھ بول اٹھے کہ یہ مباہلہ کا اثر ہے کہ وہ میری زندگی ہی میں مر گیا۔

3- پیشین گوئیاں بہ سلسلہ نکاح آسمانی

ان پیشین گوئیوں کا پس منظر یہ ہے کہ ہوشیار پور (پنجاب) میں مرزا صاحب کے چچیرے بہنوئی احمد بیگ ہوا کرتے تھے جو مرزا صاحب کے ساتھ اور بھی کئی پیچ در پیچ رشتوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ احمد بیگ کی ایک لڑکی محمدی بیگم تھی جس کے بچپن سے جوانی تک کا پورا نشیب و فراز مرزا صاحب کی نگاہوں میں تھا اور اس کے ابھرتے ہوئے خدوخال دیکھ دیکھ

کر مرزا صاحب نے کئی مرتبہ اپنی شادی کے الہامات شائع کیے تھے جن میں صراحت کے ساتھ اگرچہ کوئی نام نہیں لیا گیا تھا لیکن بعد میں آپ نے خود ہی یہ وضاحت کر دی کہ ان الہامات میں محمدی بیگم سے نکاح کی جانب اشارہ تھا۔

اسے مرزا صاحب کی بدقسمتی کہیے یا خوش قسمتی کہ اس لڑکی نے جب حدود بلوغت میں قدم رکھے تو تحریک نکاح کے اسباب بھی فراہم ہو گئے۔ ہوا یہ کہ احمد بیگ کی ایک بہن مرزا صاحب کے چچیرے بھائی غلام حسین کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی۔ غلام حسین 25 سال سے مفقود الخبر تھا اس لیے سرکاری کاغذات میں اس کی جائیداد' اس کی بیوی یعنی احمد بیگ کی بہن کے نام درج کی جا چکی تھی۔ احمد بیگ نے اپنی بہن سے کہا کہ تم اپنی جائداد میرے لڑکے محمد بیگ کو ہبہ کر دو۔ بہن راضی ہو گئی اور اس نے ہبہ نامہ لکھ دیا' لیکن اس وقت کے رائج انتظامی قانون کی رو سے یہ ہبہ نامہ مرزا صاحب کی رضامندی اور تصدیق کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے احمد بیگ نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا۔ مرزا صاحب تو موقع کی تاک میں تھے ہی۔ آپ نے اس سنہرے موقع سے فائدے اٹھاتے ہوئے نہایت ہوشیاری کے ساتھ منزل مقصود کی طرف قدم بڑھایا یعنی احمد بیگ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پہلے استخارہ کر لیں تب کوئی فیصلہ کریں گے۔ اس کے بعد خاموشی سے احمد بیگ کے رد عمل اور حصول زمین کے سلسلہ میں اس کی خواہش و آرزو کا اندازہ کرنے لگے۔

احمد بیگ مرزا بیگ کے پس پردہ مقاصد سے قطعی بے خبر تھا' وہ مرزا صاحب کو بار بار ہبہ نامہ تصدیق کی طرف متوجہ کرتا رہا اور مرزا صاحب حسب دستور استخارہ پر ٹالتے رہے۔ جب انھوں نے احمد بیگ کے اصرار مسلسل سے یہ اندازہ قائم کر لیا کہ وہ بہر صورت جائیداد حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ایک خط لکھا اور اسے صیغہ راز میں رکھنے کی سخت تاکید کی۔

خط کا خلاصہ مضمون صرف اس قدر تھا کہ مرزا صاحب نے خدائی الہام کے حوالے سے برکت کے وعدوں اور آسمانی عذاب کی دھمکیوں کے درمیان احمد بیگ کو یہ اطلاع دی تھی کہ اگر تم محمدی بیگم کا نکاح میرے ساتھ کر دو تو ہبہ نامہ پر دستخط کروں گا ورنہ کوئی سلوک و مروت نہیں کی جائے گی۔

احمد بیگ شریف اور غیرت مند انسان تھا' ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس پر کیا گزری ہوگی' اس نے اپنے سالوں یعنی مرزا صاحب کے چچیرے بھائیوں' نظام الدین وغیرہ سے اس شرم ناک سودے بازی کا ماجرہ کہہ سنایا۔ وہ لوگ بھڑک اٹھے اور نظام الدین نے مرزا صاحب کا یہ پوشیدہ خط شائع کر کے انھیں بیچ چوراہے پر ننگا کر دیا۔ لیکن مرزا صاحب اور خاموشی ۔۔؟

ضد ان مفتر قان ای تفرق..!

آپ نے 10 رجولائی 1888ء کو ایک پرزور اشتہار شائع کیا اور اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش میں اپنی مجرمانہ سودے بازی کی ساری تفصیلات خود ہی الم نشرح کر ڈالیں۔ پھر اپنے روحانی تقدس کا سکہ جمانے اور اپنی سودے بازی کو کامیابی کی منزل سے ہم کنار کرنے کی دھن میں کئی ایک دھمکی آمیز پیش گویاں بھی داغ دیں۔ چنانچہ آپ اس مطالبہ نکاح کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اپنے استخارے کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس خدائے قادر حکیم نے مجھے فرمایا کہ اس شخص ۔۔ احمد بیگ ۔۔ کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمھارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار 20 رفروری 1886 میں درج ہے [1] لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام بہت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جاوے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک' اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔''

---

[1] اس اشتہار کا مختصر تذکرہ پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔ اس کی جن برکات کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ مرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ہیں۔۔۔ ''خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں ←

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اسی استخارے کے بنا پر احمد بیگ کے پاس مطالبہ نکاح کا خط لکھا تھا' لیکن ان کی اور ان کے متعلقین کی طرف سے نہایت سخت رد عمل کا اظہار ہوا اور انہی ایام میں آپ نے خدائے تعالیٰ سے استصواب کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"پھر ان دنوں جو زیادہ تصریح اور تفسیر کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے جو مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لاوے گا اور بے دینوں کو مسلمان بناوے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلاوے گا۔"

ان بیانات میں مرزا صاحب نے نہایت صاف اور دوٹوک طور پر احمد بیگ 'اس کے ہونے والے داماد اور احمد بیگ کی لڑکی کی بابت ایک ایک پیش گوئی ارشاد فرمادی جو کسی شرح و تفصیل کی محتاج نہیں۔ پھر اس اشتہار کے بعد بھی مرزا صاحب ان پیش گوئیوں کو اپنی تحریرات میں بکرات و مرات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ دسمبر 1891ء میں یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمدی بیگم کے ساتھ میرا نکاح خود پڑھا دیا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب اس کی بابت خدائی الہام کو حسب ذیل موکد الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"خدا کی قسم یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے نہیں روک سکتے۔ ہم نے (یعنی خدا نے) خود اس سے (اے مرزا) تیرا نکاح پڑھا دیا ہے' میری باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔" [1]

⟸ سے بعض کو اس کے بعد پائے گا' تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔۔۔ اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔۔۔ خدا تیری برکتیں ارد گرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا' تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ (مجموعہ اشتہارات مسیح موعود ج1 ص12)

[1] فیصلہ آسمانی ص40۔۔۔ اس دعویٰ (آسمان پر نکاح پڑھائے جانے) کا اعتراف مرزا صاحب نے ⟸

لیکن احمد بیگ اور اس کے اقرباچوں کہ مرزا صاحب کے ان روحانی ہتھ کنڈوں کو سراپا عیاری و مکاری سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے ان دھمکیوں کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی اور کچھ دنوں بعد محمدی بیگم کی نسبت پٹی ضلع لاہور کے رہنے والے ایک نوجوان سلطان محمد سے طے کر دی۔ مرزا صاحب کے لیے یہ خبر برق سوزاں سے کم نہ تھی۔ موصوف نے اس نسبت کو تڑوانے اور محمدی بیگم کو حاصل کرنے کی بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ سلطان محمد کو دھمکی اور لالچ سے اس رشتہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ احمد بیگ کو لمبے لمبے خطوط لکھے۔ خدا اور رسول کے واسطے دیئے۔ طرح طرح سے نشیب و فراز سمجھائے۔ بے پایاں دولت کا لالچ دیا۔ احمد بیگ کے جن اقربا کے ہاتھوں میں اس نکاح کی کلید تھی ان کو بھی رقم دے دے کر ہموار کرنا اور آلہ کار بنانا چاہا۔ اپنی بہو سے اپنی سمدھن کے پاس خط لکھوایا کہ تم اپنے بھائی احمد بیگ پر دباؤ ڈالو ورنہ مرزا صاحب اپنے لڑکے سے مجھے طلاق دلوا دیں گے۔ پھر خود مرزا صاحب نے اپنی سمدھن کے پاس خط لکھا جس میں نشیب و فراز سمجھانے اور مال و دولت کا لالچ دینے کے ساتھ ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم احمد بیگ پر دباؤ نہ ڈالو گی تو تمھاری لڑکی کو یقیناً طلاق دلوا دوں گا۔ غرض مرزا صاحب نے ع

کیا کیا نہ کیا عشق میں' کیا کیا نہ کریں گے

لیکن ایک نہ چلی۔ 7/ اگست 1892ء کو بڑے کروفر کے ساتھ مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ کو سلطان محمود بیاہ لے گیا۔ اور بے چارے مرزا صاحب بصد حسرت و یاس اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

پھر کیا ہوا؟ اسے معلوم کرنے سے پہلے پیش گوئی پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجیے۔

اسکے تین اجزا ہیں۔

⇐ بعد کی تحریروں میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ 1907 میں بابو الٰہی بخش کے اعتراضات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔ یہ درست ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 132)

1- خدائے تعالیٰ ہر مانع دور کر کے محمدی بیگم کو مرزا صاحب کے نکاح میں لائے گا۔ یہی جزو اس تمام پیش گوئی کا مرکزی اور بنیادی نقطہ اور اصل مقصود ہے۔

2- سلطان محمد (ناکح) کی موت ڈھائی سال میں ۔۔۔ یہ بنیادی مقصد کے لوازمات میں سے ہے۔

3- احمد بیگ کی موت تین سال میں ۔۔ یہ محض اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے مرزا صاحب کا ''الہامی پیغام نکاح'' منظور نہ کیا بلکہ انذار و تخویف کے باوجود مسترد کر دیا۔

داماد اور خسر (یعنی سلطان محمد اور احمد بیگ) کی موت کے درمیان چھ ماہ کا فاصلہ غالباً اس لیے رکھا گیا کہ داماد کی موت سے احمد بیگ عبرت پکڑے گا اور محمدی بیگم کا نکاح عدت گزرنے کے بعد مرزا صاحب کے ساتھ وہ خود کر دے گا۔ لیکن چونکہ اس سے پہلے وہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کے جرم کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اس لیے اس سعادت مندی کے باوجود اسے موت کے چنگل سے رہائی نہ مل سکے گی۔ یہ بات کہ احمد بیگ کی موت داماد کی موت کے بعد ہوگی خود مرزا صاحب نے ایک اور جگہ بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ پیغام نکاح بھیجتے ہوئے اور دوسری جگہ نکاح کی نابرکتی پر متنبہ کرتے ہوئے احمد بیگ سے کہوں:

''اور اگر تو (اے احمد بیگ) اس سے متنبہ نہ ہوا تو تجھ پر بہت مصیبتیں نازل ہوں گی جن میں سب سے آخری مصیبت تیری موت ہوگی۔'' [1]

اس عبارت سے یہ نتیجہ بالکل صاف اور دوٹوک طور پر نکلتا ہے کہ داماد کی موت اور لڑکی کی بیوگی کی مصیبت جھیل لینے کے بعد ہی احمد بیگ کی موت آئے گی۔ کیوں کہ موت کو سب سے آخری مصیبت قرار دیا گیا ہے۔

اب سنیے! کہ جو کچھ ہوا وہ یہ ہوا کہ محمدی بیگم کے نکاح کے صرف چھ ماہ بعد

---

[1] (آئینہ کمالات اسلام ص573)

30/ ستمبر 1892ء کو احمد بیگ انتقال کر گیا اور سلطان محمد زندہ رہا حالانکہ مرزا صاحب کی پیش گوئی کے مطابق سلطان محمد ہی کو انتقال کرنا تھا۔ اس طرح مرزا صاحب کی پیش گوئی اس نکاح کے صرف چھ ہی ماہ بعد غلط ہو گئی۔ لیکن مرزا صاحب نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے اپنی پیش گوئی کی صداقت سے تعبیر کیا اور پوری بے تابی کے ساتھ سلطان محمد کی موت کے دن گننے لگے۔ چنانچہ مرزا صاحب موصوف معرض امتحان میں پڑی ہوئی اپنی پیش گوئیوں کی مثال میں آتھم اور لیکھرام کی بابت پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے شہادۃ القرآن میں لکھتے ہیں:

> "اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی نسبت پیش گوئی۔۔۔ جس کی آج کی تاریخ سے جو 21/ ستمبر 1893ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئے ہیں۔" [1]

اس حساب سے 21/ اگست 1894ء کو اس دنیا میں سلطان محمد کے لیے رہنے کی اجازت نہ تھی مگر وہ مرزا صاحب کے الہامی خدا کو لڑائی میں شکست دے [2] کر پوری صحت و توانائی کے ساتھ مرزا صاحب کے سینے پر مونگ دلتا ہوا زندہ رہا۔

احمد بیگ کی موت پر مرزا صاحب جس قدر نازاں و فرحاں تھے اب اسی قدر سٹپٹائے اور سہمے ہوئے نظر آنے لگے۔ ہر طرف سے لعنت و ملامت کے تیر برسائے جا رہے تھے اور بڑی سخت رسوائی و تذلیل کی جا رہی تھی مگر وہ مرزا صاحب ہی کیا جو قمار عشق میں بازی نہ لے جانے پر اپنی رسوائی و ناکامی کا احساس کرتے۔

ما لجرح بمیت ایلام

آپ کا سفینہ آرزو اس قدر مضبوط تھا کہ طوفان رسوائی کے مسلسل تھپیڑے کھانے کے باوجود اب بھی بحر عشق میں رواں دواں تھا اور آپ اب بھی ساحل مراد سے ہمکنار

---

[1] (شہادۃ القرآن ص 80)

[2] (مرزا صاحب نے 15/ جولائی 1888 کے ایک اشتہار میں لکھا تھا کہ جو لوگ اس پیشگوئی کے مزاحم ہونا چاہیں گے خدا تعالیٰ ان سے لڑے گا۔)

ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ آس کیا معنی یقین کیے بیٹھے اور اس یقین کا اظہار وہ اپنی سابقہ پیش گوئی میں تھوڑی سی ترمیم کے ذریعہ فرمایا کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سلطان محمد اپنے خسر (احمد بیگ) کے انتقال سے خوف زدہ ہو گیا تھا [1] اس لیے اس کی موت کچھ دنوں کے لیے ٹل گئی ہے لیکن بہر حال وہ میری زندگی ہی میں مر جائے گا اور لڑکی بہر حال میرے نکاح میں آ کر رہے گی۔ مرزا صاحب نے یہ دونوں باتیں (سلطان محمد کی موت اور محمدی بیگم کے ساتھ جناب کا نکاح) اپنی آئندہ تحریروں میں بار بار دہرائی ہیں۔ سلطان محمد کی بابت آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:

> ''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی (داماد احمد بیگ یعنی سلطان محمد کی موت) تقدیر مبرم (قطعی اور اٹل) ہے اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہ ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔'' [2]

> ''یاد رکھو! اس پیش گوئی کا دوسرا جزو (یعنی سلطان محمد کی موت) پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افترا نہیں، نہ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار ہے۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔ وہی رب ذوالجلال جس کے ارادوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ [3]

> ''یاد رکھو خدا کے فرمودہ میں تخلف نہیں اور انجام وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ خدا کا وعدہ ہرگز نہیں ٹل سکتا۔'' [4]

اس طرح محمدی بیگم کی بابت بھی مرزا صاحب کے ارشادات صاف اور

---

[1] خوف زدہ ہونے کی بات بھی محض ڈھکوسلا ہے۔ اگر احمد بیگ کی موت سے سلطان محمد ڈر گیا تھا تو احمد بیگ کی موت کے سال بھر بعد مرزا صاحب نے یہ کیوں لکھا تھا کہ سلطان محمد پیش گوئی کی مقررہ میعاد کے مطابق مر جائے گا، جیسا کہ شہادۃ القرآن ص 80 سے ہم نقل کر چکے ہیں۔

[2] (ضمیمہ انجام آتھم ص 31 حاشیہ) [3] (ایضاً ص 54) [4] (ایضاً ص 13)

مفصل ہیں۔ چنانچہ 6/ اکتوبر 1894ء کے اشتہار میں آپ فرماتے ہیں:

"نفس پیش گوئی یعنی اس عورت (محمدی بیگم) کا اس عاجز (مرزا) کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیوں کہ اس کے لیے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے۔ **لا تبدیل لکلمات اللہ** یعنی میری یہ بات ہر گز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ میں اس عورت کو نکاح کے بعد واپس لاؤں گا اور تجھے (اے مرزا) دوں گا اور میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی اور میرے آگے کوئی بات ان ہونی نہیں۔ اور میں سب روکوں کو اٹھادوں گا' جو اس کے نفاذ سے مانع ہوں۔" [1]

اس کے بعد 1897ء کے اوائل میں ارشاد فرماتے ہیں:

"میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ یہ کام (یعنی محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح) ہو گیا۔ یہ کام ابھی باقی ہے۔ اس کو کوئی بھی کسی حیلہ سے رد نہیں کر سکتا۔ اور یہ تقدیر مبرم (قطعی اور اٹل) ہے۔ اس کا وقت آئے گا۔ قسم خدا کی جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے یہ بالکل سچ ہے۔ تم دیکھ لو گے اور میں اس جزو کو اپنے جھوٹے اور سچے ہونے کا معیار بناتا ہوں اور میں نے جو کہا ہے یہ خدا سے خبر پا کر کہا ہے۔" [2]

پھر 1901ء میں عدالت کے اندر ایک حلفیہ بیان دیتے ہوئے مرزا صاحب کا ارشاد ہے:

"احمد بیگ کی دختر کی نسبت جو پیش گوئی ہے وہ اشتہار میں درج ہے اور ایک مشہور امر ہے۔۔۔ وہ عورت میرے ساتھ بیاہی نہیں گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہو گا جیسا کہ پیش گوئی میں درج ہے۔۔۔ (یہ) عورت اب تک زندہ ہے۔ میرے نکاح میں ضرور آئے گی۔ امید کیسی؟ یقین کامل ہے۔ یہ خدا

---

[1] (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول ص 115)

[2] (انجام آتھم ص 223)

کی باتیں ہیں۔ ٹلتی نہیں، ہو کر رہیں گی۔" [1]

اس کے بعد 1905ء میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مرزا صاحب نے لکھا:

"الہام الٰہی کے یہ لفظ ہیں سیکفیکھم اللہ و یردھا الیک یعنی خدا تیرے ان مخالفوں کا مقابلہ کرے گا اور اس (محمدی بیگم) کو تیری طرف لائے گا۔۔۔ وعدہ یہ ہے کہ پھر وہ نکاح کے تعلق سے واپس آئے گی۔ سو ایسا ہی ہو گا۔" [2]

خلاصہ یہ کہ مرزا صاحب نے اپنی آسمانی منکوحہ کو سلطان محمد کے چنگل سے چھڑانے کے لیے بہت کچھ اگاڑی پچھاڑی تڑائی بلکہ فرط جلال میں یہاں تک لکھ مارا کہ

"چاہیے تھا کہ ہمارے ناداں مخالف اس پیش گوئی کے انجام کے منتظر رہتے اور پہلے ہی سے اپنی بدگوہری ظاہر نہ کرتے بھلا جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی تو کیا اس دن یہ احمق مخالف جیتے ہی رہیں گے اور کیا اس دن یہ تمام لڑنے والے سچائی کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائیں گے۔ ان بے وقوفوں کو کوئی بھاگنے کی جگہ نہ رہے گی اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان منحوس چہروں کو بندروں اور سوروں کی طرح کر دیں گے۔" [3]

بلکہ جوش جنوں میں یہاں تک بے جا حرکات کیں کہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بڑے لڑکے ڈپٹی سلطان احمد کو عاق کر دیا اور دوسرے لڑکے فضل احمد سے اس کی بیوی کو (جو احمد بیگ کی رشتہ دار تھی) طلاق دلوادی (یا حتی الامکان طلاق دینے پر مجبور کیا) اور پھر فضل احمد کو بھی عاق کر دیا۔ [4] غرض

---

[1] (الحکم قادیان 10/ اگست 1901ص 14 کالم 3)

[2] (الحکم قادیان 30/ جون 1905ص 2 کالم 2)

[3] (ضمیمہ انجام آتھم ص 53) [4] (دیکھیے سیرت المہدی ص 23,22)

دشمن کی طنز ' دوست کی پند ' آسماں کے جور
کیا کیا مصیبتیں نہ سہیں تیرے واسطے

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب 26 مئی 1908 کو بصد حسرت ویاس یہ کہتے ہوئے اس دنیا سے سدھار گئے کہ ؎

جدا ہوں یار سے ہم' اور نہ ہو رقیب جدا
ہے اپنا اپنا مقدر جدا' نصیب جدا

اور اس کے بر خلاف سلطان محمد اور محمدی بیگم مرزا صاحب کی تمام تر بد دعاؤں اور بد خواہیوں کے باوجود کمال حسن معاشرت اور کمال نعمت و صحت کے ساتھ اتنی طویل مدت تک مرزائیوں کے سینے کا داغ بن کر جیتے رہے کہ مرزا صاحب کے بعد ان کی اور ان کی امت کی پوری ایک نسل کا صفایا ہو گیا۔

ہمیں امید ہے کہ عالم آخرت میں سلطان محمد کے وارد ہونے کے بعد اگر خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب کو ملاقات کی مہلت اور اجازت دی ہو گی تو مرزا صاحب نے سلطان محمد سے پوچھا ہو گا کہ ؎

میرے مجنوں ! تیرا کیا حال ہوا میرے بعد ؟

اور سلطان محمد نے کہا ہو گا ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

مرزا صاحب نے اس پیش گوئی کی بابت اپنے سب سے پہلے اشتہار میں ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح میرے ساتھ کر دیا گیا تو یہ نکاح بہت ہی زیادہ موجب خیر و برکت ہو گا اور اگر اس نکاح سے انحراف کیا گیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا۔

لیکن مرزا صاحب کی پیش گوئی کا یہ حصہ بھی سو فیصدی جھوٹا ثابت ہوا۔ اگر مرزا صاحب کے ساتھ نکاح ہو جاتا تو محمدی بیگم کو کیا ملتا؟ ایک ایسے ناکارہ بوڑھے شوہر کی مصاحبت جو گوناگوں امراض خبیثہ کا مخزن تھا ایک ایسی سوکن کا جو ایام پیغام مسلسل سوکناپا رسانی ہی میں روزانہ بیس سیر آٹا پسوانے کی دھمکی دے رہی تھی۔ [1] اس کے علاوہ مرزا

---

[1] (تفصیل کے لیے دیکھیے رئیس قادیان ص 138)

صاحب کی صرف سڑسٹھ (67) روپے ماہوار آمدنی [1] میں سے مرزا صاحب کے پورے خاندان کے اخراجات کے بعد جو کچھ بچ رہتا اسی پر قناعت وصبر' پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد شوہر کا حادثہ وفات اور اس کے بعد اٹھاون برس سے زائد مدت تک مسلسل بیوگی کا صدمہ اور در در کی ٹھوکریں۔ یہ تھیں وہ برکتیں جن کا وعدہ مرزا صاحب کر رہے تھے۔

اس کے برخلاف سلطان محمد کے ساتھ محمدی بیگم نے مدت العمر وہ آسودگی اور فارغ البالی پائی جس کی نظیر بہت کم گھرانوں میں پائی جاتی ہے۔ سلطان محمد ایک توانا اور کڑیل فوجی جوان تھا۔ اس سے سید محمد شریف صاحب (ساکن گھڑیالہ، ضلع لاہور) نے 1930 میں حالات دریافت کیے تو اس نے جواب میں لکھا:

> ''السلام علیکم! میں تادم تحریر تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ خدا کے فضل سے (فوجی) ملازمت کے وقت بھی تندرست رہا ہوں۔ میں اس وقت بعہدہ رسائی داری پنشن پر ہوں۔ ایک سو پینتیس روپے ماہوار پنشن ملتی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے پانچ مربع اراضی عطا ہوئی ہے۔ قصبہ پٹی میں میری جدی زمین بھی میرے حصے میں قریباً سو بیگھہ آئی ہے۔ ضلع شیخوپورہ میں بھی تین مربع زمین ہے۔ میرے چھ لڑکے ہیں جن میں سے ایک لاہور میں پڑھتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کو پچیس روپے ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ دوسرا لڑکا پٹی میں انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے۔ میں خدا کے فضل سے اہل سنت والجماعت ہوں۔ میں احمدی (قادیانی) مذہب کو برا سمجھتا ہوں۔ اس کا پیرو نہیں ہوں۔ اس کا دین جھوٹا سمجھتا ہوں۔''

والسلام

تابعدار سلطان محمد بیگ پنشنر پٹی ضلع لاہور [2]

---

[1] مرزا صاحب نے محکمہ انکم ٹیکس کی تفتیش کے جواب میں بتلایا تھا کہ میری کل آمدنی صرف آٹھ سو روپے سالانہ ہے اور چندے کی رقم دینی کاموں پر خرچ کرتا ہوں۔ ذاتی ضروریات پر نہیں۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی آمدنی پورے سڑسٹھ روپے ماہانہ نہیں ہوتی۔

[2] (یہ خط انہی دنوں اہل حدیث امرتسر مورخہ 14/نومبر 1930 میں شائع ہو گیا تھا)

پھر آگے چل کر ان نعمتوں میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ چنانچہ 1926ء میں مولانا عبداللہ معمار امرتسری اپنی مشہور عالم تصنیف محمدیہ پاکٹ بک کے دوسرے ایڈیشن میں لکھتے ہیں:

”خدا نے اسے (یعنی سلطان محمد کو) اس (محمدی بیگم) کے بطن سے مرزا صاحب کی تحریر کے برخلاف ایک درجن کے قریب اولاد بخشی ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے محمدی بیگم کو قابل رشک تندرستی اور مال و دولت اور آل اولاد کی فراوانی و خوش حالی کے ساتھ ساتھ طول عمر کی جس نعمت سے نوازا تھا مرزا صاحب خدائی نمائندوں سے لڑ بھڑ کر اور زور و زبردستی کر کے بھی اس کی حدوں کو نہ چھو سکے۔ محمدی بیگم نے نوے برس سے زائد عمر پا کر 19 نومبر 1966ء یوم سنیچر کو لاہور میں انتقال کیا اور اپنے پیچھے بیٹے بیٹیوں، پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کا ایک انبوہ کثیر چھوڑا اس کے ایمان کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے وفات کے وقت آخری وصیت یہ کی کہ کوئی مرزائی میرے جنازے میں نہ آنے پائے۔ [2]

محمدی بیگم مرزا صاحب کے بعد اٹھاون برس سے زائد عرصہ تک جیتی رہی۔ اس نے مرزا صاحب کی عبرت ناک موت کا نظارہ تو کیا ہی تھا۔ ان کے بعد ان کے حواری اعظم حکیم نور الدین صاحب کی قہرناک موت اور ان کے خاندان کی عبرت انگیز، رسوا کن اور دردناک تباہی و بربادی کا نقشہ بھی دیکھا۔ پھر مرزا صاحب کے صاحب زادے مرزا محمود خلیفہ دوم کی عالمگیر ذلت و رسوائی کے قصے بھی سنے اور ان پر ایسا ہیبت ناک خدائی قہر بھی دیکھا جس کی وجہ سے میاں محمود جیتے جی **لا یموت فیھا و لا یحیٰی** کا عبرت ناک نمونہ بلکہ مرقع بنے ہوئے تھے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

4۔ پیشین گوئی بابت مولانا محمد حسین بٹالوی و مولوی ابوالحسن تبتی، وملا محمد بخش لاہوری

جیسا کہ معلوم ہے کہ مولانا ثناءاللہ امرتسری کے نمود و ظہور سے پہلے مرزا صاحب کے

---

[1] (دیکھیے محمدیہ پاکٹ بک ص 36 طبع ثانی)

[2] (الاعتصام لاہور 7/ اپریل 1967)

اولین اور سب سے بڑے اور کڑے حریف پنجہ فگن مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالویؒ تھے، جو جماعت اہل حدیث کے سر خیل اور میاں صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا بٹالوی کے قریب ترین رفقاء میں سے دو شخص ملا محمد بخش لاہوری مالک اخبار جعفر زٹلی اور مولانا ابو الحسن تبتی تھے۔ [1] یہ دونوں بزرگ اس کار خیر میں مولانا بٹالوی کے دست وبازو تھے اور یہ مثلث ہمہ وقت مرزا صاحب کا قافیہ تنگ کیے رکھتا تھا۔

جب لیکھرام قتل ہوا تو مرزا صاحب خوب چہکے۔ اور 15 مارچ 1897 کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اس واقعہ کو اپنی پیش گوئی اور دعوائے مسیحیت کی صداقت کا عظیم الشان خدائی نشان قرار دیتے ہوئے اپنے مخالفین خصوصاً مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی کو آڑے ہاتھوں لیا اور لکھا کہ:

> ''اگر جلسہ عام میں میرے روبرو مولوی محمد حسین صاحب قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ پیش گوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی اور نہ سچی نکلی اور اگر خدا کی طرف سے تھی اور فی الواقع پوری ہو گئی تو اے قادر مطلق ایک سال کے اندر میرے پر کوئی عذاب شدید نازل کر۔ پھر اگر مولوی صاحب موصوف اس عذاب شدید سے ایک سال تک کے لیے بچ گئے تو ہم اپنے تئیں جھوٹا سمجھیں گے اور مولوی صاحب کے ہاتھ پر توبہ کریں گے اور جس قدر ہمارے پاس اس بارے میں الہام ہوں گے جلادیں گے۔'' [2]

---

[1] یہ نسبت ملک تبت کی طرف نہیں ہے جو اس وقت عوامی جمہوریہ چین کا ایک صوبہ ہے بلکہ تبت خرد کی طرف ہے جو ''آزاد کشمیر'' کے علاقہ بلتستان کا ایک ٹکڑا ہے۔ مولوی ابو الحسن تبتی بڑے سرگرم مبلغ اور مجاہد قسم کے اہل حدیث عالم تھے۔ انھوں نے تبت خرد جیسے دور افتادہ علاقہ میں توحید و سنت کا علم بلند کرنے میں بڑی نمایاں خدمات انجام دیں اور سخت مشکلات اور مشقتیں جھیلیں۔ 11 / دسمبر 1940 (11 ذی قعدہ 1359ھ) کو وفات پائی۔

[2] (چودھویں صدی کا مسیح ص 381)

مولانا بٹالوی مرزا صاحب کے ہتھ کنڈوں کو خوب سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی اس کی خبر لی اور مرزا صاحب کی بھرپور تردید کرتے ہوئے لکھا

> "یہ خاکسار (مولانا بٹالوی) اپنی نیک نیتی اور سچائی کی نظر سے اور خدائے تعالیٰ کے ناصر و معاون حق ہونے کی امید و بھروسہ پر آپ کی دعوت قسم کے قبول کرنے کو بلا کسی معاوضہ یا تاوان کے حاضر ہے۔" [1]

ایک طرف تو یہ لے دے چل رہی تھی اور مولانا بٹالوی کی یہ آمادگی دیکھ کر مرزا صاحب کے پاؤں تلے کی زمین سرک رہی تھی دوسری طرف عام تاثر یہ تھا کہ لیکھرام کا قتل مرزا صاحب کی سازش کا نتیجہ ہے۔ پولیس سرچ وارنٹ کے تحت مرزا صاحب کی خانہ تلاشی کر چکی تھی اور اس قتل پر مرزا صاحب کے نام تہنیت کے بعض خطوط برآمد کر کے سازش کی کڑیاں ملا رہی تھی۔ ٹھیک انہی ایام میں عبداللہ آتھم کے ایک ساتھی ڈاکٹر ہنری کلارک نے مرزا صاحب کے خلاف یہ کیس دائر کر دیا کہ موصوف سے میری جان کو خطرہ ہے کیوں کہ انھوں نے میرے قتل کے لیے ایک آدمی بھیجا تھا اور آئندہ بھی بھیج سکتے ہیں۔ 23/ اگست 1897 کو اس کیس کا جو فیصلہ ہوا اس میں گورداس پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے نہایت سختی کے ساتھ مرزا صاحب کو باضابطہ تحریری نوٹس کے ذریعہ متنبہ کیا کہ اگر وہ اپنے مخالفین کے سلسلے میں میانہ روی اختیار نہ کریں گے تو قانون کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ اس نوٹس نے مرزا صاحب کا قافیہ اس قدر تنگ کیا کہ ان پر مخالفین کے بارے میں الہام کی آمد ہی بند ہو گئی۔ بے چارے مرزا صاحب کے چمنستان آرزو کی کلیاں مرجھانے لگیں اور مولانا بٹالوی کے اڑنگے میں پھنسی ہوئی ٹانگ نکلنے کی بجائے اور زیادہ پھنس کر بلکہ بے بس ہو کر رہ گئی، لیکن مرزا صاحب بہر حال مرزا صاحب ہی تھے۔ عیاری و مکاری کے پتلے، چلتر بازی و طراری کے پرکالے اور گانٹھ کے پورے آخر ایک بغلی گھونسا تلاش کر ہی لیا یعنی خود تو سامنے نہ آئے لیکن اپنے مریدوں کے ذریعہ چار شہروں لاہور لدھیانہ، پٹیالہ اور

---

[1] (ایضاً بحوالہ اشاعت السنۃ نمبر 2 ج 18 ص 51-52)

شملہ۔۔ سے ایک ایک اشتہار شائع کروائے جن کا مضمون گالیوں اور بد زبانیوں کو نکال دینے کے بعد صرف یہ تھا کہ

"مولوی محمد حسین بٹالہ ہی میں مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ کریں۔ اگر اس مباہلہ کا اثر ظاہر نہ ہوا' یعنی مولانا بٹالوی پر سال بھر میں کوئی عذاب شدید نازل نہ ہوا تو انھیں آٹھ سو پچیس روپے انعام دیا جائے گا۔"

اس کے جواب میں مولانا ابو الحسن تبتی نے لکھا کہ اگر مرزا صاحب خود مباہلہ کا اشتہار دیں یا ان شائع شدہ اشتہاروں کے بارے میں یہ ظاہر کر دیں کہ یہ ان کی مرضی سے لکھے گئے ہیں تو مولانا بٹالوی مباہلہ کے لیے بلا پس و پیش حاضر ہیں۔ مولانا تبتی کے اس اشتہار سے مرزا صاحب پر پھر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ مباہلہ کی ہمت تو نہ کر سکے۔ ہاں ایک اشتہار البتہ شائع کیا جس میں آپ نے رقم فرمایا:

"میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابو الحسن تبتی نے اس اشتہار میں جو 10/ نومبر 1897 کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو اے میرے مولا! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی 15/ دسمبر 1898 سے 15/ جنوری 1900 تک ذلت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر۔ اور اس روز روز کے جھگڑے کا فیصلہ فرما' لیکن اگر میرے آقا' میرے مولا' میرے منعم' میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو 15/ دسمبر 1898 سے 15 جنوری 1900ء تک شمار

کیے جائیں گے شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبتی مذکور کو جنھوں نے میرے ذلیل کرنے کے لیے یہ اشتہار لکھا ہے ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیز گار اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لیے یہ نشان ظاہر فرما کہ ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر۔ آمین ثم آمین۔!

یہ دعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا [1] ۔۔۔ یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے یعنی یہ خاکسار (مرزا) ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبتی دوسری طرف ۔ خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چوں کہ الہام کی بنا پر ہے اس لیے حق کے طالبوں کے لیے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔ [2]

یہ عبارت جس زور شور سے لکھی گئی اس سے اس عذاب کی خوفناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ان ہر سہ افراد پر اس دعا کے نتیجہ میں نازل ہونے والا تھا۔ اسی لیے مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کو بڑی سخت تاکید کر رکھی تھی کہ وہ اس خدائی فیصلہ کا صبر و دلجمعی کے ساتھ انتظار کریں۔ چنانچہ آپ اپنے رسالہ ''راز حقیقت'' میں لکھتے ہیں:

''میں اپنی جماعت کے لیے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجہ کے منتظر رہیں جو 21 نومبر 1898ء کو بطور مباہلہ شیخ محمد حسین

---

[1] مرزا صاحب اس مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ''ہاتھ کاٹے گا'' سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے۔ وہ افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔

[2] (اشتہار 21 نومبر 1898)

بٹالوی صاحب اشاعۃ السنۃ اور اس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے۔ جس کی میعاد 15 جنوری 1900 میں ختم ہو گئی۔" [1]

اب اس پیش گوئی کا حشر سنیے! جس وقت یہ اشتہار بازی شروع ہوئی تھی، لیکھرام کے قتل پر کوئی لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا اور قادیانیوں کے اندر ۔۔۔ اس واقعے کے نتیجے میں ۔۔۔ ایک عام فاتحانہ بلکہ مجنونانہ قسم کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ اس بپھری ہوئی فضا کے علاوہ جب یہ اشتہار بازی شروع ہوئی تو متعدد ذرائع سے مولانا بٹالوی کو پنڈت لیکھرام جیسے نتائج کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ [2] اس لیے جب مرزا صاحب کی یہ حتمی پیش گوئی شائع ہوئی تو مولانا بٹالوی نے بعض افسروں سے تذکرہ کیا کہ میری بابت مرزا نے پیش گوئی کر رکھی ہے مبادا میں بھی لیکھرام کی طرح مارا جاؤں اس لیے بطور حفاظت خود اختیاری مجھے ہتھیار ملنے چاہئیں۔ اس پر مرزا جی کی طلبی ہوئی کہ کیوں نہ ان سے حفظ امن کی ضمانت لی جائے۔ مقدمہ بڑے زور شور سے چلا۔ دوران مقدمہ مرزا صاحب نے پیش گوئی کی اہمیت کم کرنے کی سر توڑ کوشش کی، بلکہ بعض اوندھی سیدھی باتوں کا حوالہ دے کر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ یہ پیش گوئی واقع ہو چکی، لہٰذا اب حفظ امن کی ضمانت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مرزا صاحب سے حسب ذیل اقرار نامہ پر دستخط لیے:

1- میں (مرزا) ایسی پیش گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کیے جا سکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الٰہی ہو گا۔

2- میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد و درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہے۔ یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون

---

[1] (رسالہ راز حقیقت ص 1)

[2] (دیکھیے چودھویں صدی کا مسیح ص 375-376 بحوالہ اشاعۃ السنۃ نمبر 1 ج 18 ص 4)

سچا اور کون جھوٹا ہے۔

3- میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشا ہو یا ایسا منشار کھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو‘ خواہ ہندو ہو یا عیسائی) ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہو گا۔“

4- میں اس امر سے بھی باز رہوں گا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کے ساتھ مباحثہ کرنے میں دشنام آمیز فقرہ یا دل آزار لفظ استعمال کروں یا کوئی ایسی تحریر یا تصویر شائع کروں جس سے ان کو درد پہنچے‘ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان کی ذات کی نسبت یا ان کے کسی دوست یا پیرو کی نسبت کوئی لفظ مثل دجال‘ کافر‘ کاذب‘ بطالوی نہیں لکھوں گا۔ میں ان کی پرائیویٹ زندگی یا ان کے خاندانی تعلقات کی نسبت کچھ شائع نہیں کروں گا۔ جس سے ان کو تکلیف پہنچنے کا عقلاً احتمال ہو۔

5- میں اس بات سے بھی پرہیز کروں گا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو اس امر کے مقابلہ کے لیے بلاؤں کہ وہ خدا کے پاس مباہلہ کی درخواست کریں تا کہ وہ ظاہر کرے کہ فلاں مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ نہ میں ان کو یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو کسی شخص کی نسبت کوئی پیش گوئی کرنے کے لیے بلاؤں گا۔

6- جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے تمام اشخاص کو جن پر میرا کچھ اثر یا اختیار ہے ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اس طریق پر عمل کریں جس طریق پر کاربند ہونے کا میں نے دفعہ 1,2,3,4,5,6 میں اقرار کیا ہے۔ [1]

اس اقرار نامے کی روشنی میں مرزا صاحب کی مجبوری ولاچاری ملاحظہ فرمالیجیے۔

کہاں تو وہ شوراشوری‘ زور ازوری کہ گویا مولانا محمد حسین بٹالوی اوران کے رفقاء پر آسمان پھٹا چاہتا ہے اور کہاں یہ بے نمکی اور دون ہمتی کہ دوبدو کچھ کہنا اور بولنا تو درکنار خلوت وتنہائی میں

---

[1] (دیکھیے الہامات مرزاص 84-85 طبع ششم اور مباہلہ پاکٹ بک 132-133-134)

خدائے تعالیٰ سے دعااور اپیل کرنے تک کے بارے میں مرزا صاحب انگریزی عدالت کے کٹھرے میں باقرار صالح یہ عہد کرتے ہیں کہ وہ فلاں قسم کی دعا کریں گے اور فلاں قسم کی نہیں کریں گے۔ گویا ؎

اس نقش پا کے سجدے نے اتنا کیا ذلیل
ہم کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل چلے

پھر مرزا صاحب کی اس ذلت ورسوائی پر مہر توثیق اس فقرے نے ثبت کی جسے اس اقرار نامے کی منظوری کی بنیاد پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بصورت آرڈر جاری کیا تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ:

"ان اقرار نامہ جات کی نظر سے مناسب ہے کہ کارروائی حال مسدود کی جائے لہذا ہم مرزا قادیانی کو رہا کرتے ہیں۔" [1]

یہ آرڈر 24/ فروری 1899ء کو مفصلہ بالا اقرار نامے پر مرزا صاحب کے دستخط ہو جانے کے بعد جاری ہوا تھا۔ یعنی مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی اور ان کے رفقا پر ذلت ورسوائی کے نزول کے لیے 15/ دسمبر 1898ء سے 15/ جنوری 1900 تک کی جو تیرہ ماہ مدت مقرر کی تھی اس مدت کو شروع ہوئے ابھی پورے طور پر ڈھائی ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ خود مرزا صاحب پر ذلت ورسوائی کی یہ مار پڑ گئی جو خود ان کے اپنے الہام اور ان کی اپنی تشریح و تجویز کے مطابق ان کے ظالم وباطل ہونے کی روشن دلیل ہے۔ مرزا صاحب کے ان الفاظ پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لیجیے جو اس پیش گوئی کے ظہور پذیر ہونے کی شکل معین کرتے ہیں مرزا صاحب نے یہ بتلاتے ہوئے کہ بطور آسمانی نشان کے اس تیرہ ماہ کے عرصہ میں مولانا بٹالوی اور ان کے رفقا کے ذلیل کیے جانے کی جو دعا میں نے کی ہے۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ ہاتھ کاٹنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ:

"جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ

---

[1] (چودھویں صدی کا مسیح ص466)

اس کی حسرت کا موجب ہوں گے' وہ افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔''

اس مفہوم کو سامنے رکھ کر غور فرمایئے کہ مندرجہ بالا اقرار نامے کا ایک ایک پیراگراف ٹھیک ٹھیک اس کا مصداق ہے یا نہیں؟ یہ اقرار نامہ جس طرح مرزا صاحب کے حسرت و افسوس اور مجبوری و لاچاری کی آئینہ داری کرتا ہے وہ قطعاً محتاج توضیح نہیں۔ اس لیے آیئے آگے بڑھیں اور دیکھیں کہ مرزا صاحب کے اگلے اقدامات کی نوعیت کیا رہی؟ اور عدالت کے اس فیصلے نے ان کا قافیہ کس حد تک تنگ کیا؟ اس کا اندازہ مرزا صاحب کے ایک اشتہار کی ایک عبارت سے کیا جا سکتا ہے' جسے موصوف نے 5/نومبر 1899ء کو شائع کیا تھا۔ مرزا صاحب اس میں فرماتے ہیں:

''مجھے بارہا خدائے تعالیٰ مخاطب کر کے فرما چکا ہے کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔ سو میں نوح نبی کی طرح دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں ''رب انی مغلوب'' مگر بغیر '' فانتصر'' کے۔ میں اس وقت کسی دوسرے کو مقابلہ کے لیے نہیں بلاتا اور نہ کسی شخص کے ظلم اور جور کی جناب الٰہی میں اپیل کرتا ہوں۔'' [1]

یہ عبارت بآواز بلند صاف کہہ رہی ہے کہ مرزا جی پر اس مقدمہ سے ایسا رعب چھایا تھا کہ خدا سے دعا کرتے ہوئے فانتصر (میری مدد کر) بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ باوجود اس کے پھر بھی ڈرتے تھے کہ کہیں گورنمنٹ عہد کی خلاف ورزی پر باز پرس نہ کر بیٹھے۔ تو اس کے دفعیہ کے لیے یہ کہہ دیا کہ میں کسی کو مقابلہ پر نہیں بلاتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اس قدر بے بس ہوئے کہ ان کی ساری اندازی پیش گوئیاں چھن گئیں۔ نبوت کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور انھیں اپنے مقدس مشغلے۔۔ دشنام طرازی و یاوہ گوئی سے دامن کش و دست بردار ہوتے ہی بنی۔ اور پھر اس پر مسلسل عمل پیرا بھی رہنا پڑا۔ چنانچہ اس

---

[1] (الہامات مرزا ص 85)

اشتہار کے بعد آپ کی اربعین چھپی تو اس میں بھی آپ نے لکھا کہ:

"اور ہر پیش گوئی سے اجتناب ہوگا جو امن عامہ اور اغراض گورنمنٹ کے مخالف ہو یا کسی شخص کی ذلت یا موت پر مشتمل ہو۔" [1]

اس کے برخلاف اس تیرہ مہینے کی مدت میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو عوامی و سرکاری دونوں سطح پر نمایاں عزت حاصل ہوئی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری جو چوٹی کے عالم تھے اور عوام وخواص میں انتہائی عز و وقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔۔۔ اور حافظ محمد یوسف پنشنر امرتسری ۔۔ جو نہایت ہی معزز اور سربرآوردہ افراد میں سے تھے ۔۔ ان میں باہمی رنجش تھی ۔ یہ رنجش 15 / اکتوبر 1901 کو مولانا بٹالوی ہی کی کوشش سے دور ہوئی جو آپ کے غایت درجہ عزت ومقبولیت کی دلیل ہے اور سرکاری اعزاز یہ حاصل ہوا کہ اسی دوران مولانا بٹالوی کو حکومت کی طرف سے زمین کا عطیہ ملا۔

باقی رہے مولانا بٹالوی کے دونوں رفقا تو وہ نہ صرف یہ کہ ہر طرح سے سلامت رہے بلکہ مرزا صاحب کے برعکس ان کی زبان وقلم کو پوری آزادی حاصل رہی ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مرزا صاحب نے لکھا تھا "ان (دونوں) کی عزت وذلت دونوں طفیلی ہیں" [2] چلیے چھٹی ہوئی۔

مرزا صاحب کا عام دستور تھا کہ جب ان کا کوئی حریف مبتلا مصیبت ہو جاتا یا مر جاتا تو بے دھڑک لکھ دیتے کہ وہ کاذب تھا اس لیے دکھ میں پڑا یا صادق کی زندگی میں یعنی میری زندگی میں مر گیا اور اگر خدانخواستہ کسی حریف کے ساتھ مباہلہ کی تحریک ہوتی رہتی اگرچہ مباہلہ نہ ہوا ہوتا یا مباہلہ ہونے کے بعد اس کے اثر کی مقررہ مدت گزرے ہوئے عرصہ ہو چکا ہوتا تب تو مرزا صاحب بڑے زور شور کے ساتھ لکھتے کہ یہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کا اثر ہے کہ وہ دکھ میں پڑا یا میری زندگی میں مر گیا ۔ مرزا صاحب کے اس دستور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بار ان کے دعائیہ الفاظ اور اس کے پس منظر پر پھر نگاہ ڈالیے ۔ معاملہ

---

[1] (اربعین نمبر 1 ص 1 حاشیہ) [2] (اشتہار مرزا 17 دسمبر 1899)

صاف ہے کہ یہ اشتہار بطور مباہلہ شائع کیا گیا تھا۔ اب سنیے کہ مرزا صاحب کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آخر عمر تک اس قدر ناکارہ رہا کہ اس ہاتھ سے پانی اٹھا کر نہ پیا جا سکتا تھا۔ [1] دانت خراب ہو گیا تھا اور اس میں کیڑا لگا ہوا تھا۔ [2] آنکھیں اس قدر خراب تھیں کہ کھولنے میں تکلیف ہوتی تھی۔۔ [3] اور گونا گوں امراض خبیثہ کے حملے کا جو عالم تھا بلکہ ان امراض نے جس طرح مرزا صاحب کے جسم مقدس میں گھونسلے بنا رکھے تھے اس کا حال پچھلے صفحات میں آ ہی چکا ہے اور پھر ان مصائب کی تابڑ توڑ ضربیں سہتے سہتے آخر کار مرزا صاحب اپنے اشد ترین دشمنوں کے سامنے مر بھی گئے' لیکن ان کے یہ تینوں حریف مولانا بٹالوی' ملا محمد بخش لاہوری' اور مولانا ابوالحسن تبتی۔۔ نہ صرف یہ کہ صحت مند رہے بلکہ مرزا صاحب کی موت کے بعد خاصے طویل عرصے تک زندہ بھی رہے۔ کیا مرزا صاحب کے دستور کے مطابق یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مرزا صاحب کاذب اور یہ حضرات صادق تھے۔

یہاں ایک دلچسپ بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کی بابت بڑے زور شور سے ایک پیش گوئی یہ بھی کر رکھی تھی کہ وہ۔۔۔ یعنی مولانا بٹالوی۔۔۔ بالآخر مرزا صاحب پر ایمان لائیں گے' ان کے دعاوی کی تصدیق کریں گے اور قادیانی مذہب اختیار کریں گے۔ مرزا صاحب کو اس پیش گوئی پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ بڑے فخر و ناز کے ساتھ اسے بار بار دہراتے تھے لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ مولانا بٹالوی آخری دم تک مرزا صاحب اور ان کے بعد ان کی قادیانی امت پر عذاب الٰہی کا کوڑا بن کر برستے رہے اور پوری قادیانی امت ان سے زچ رہی۔ یاد رہے کہ مولانا بٹالوی کا انتقال مرزا صاحب کی وفات کے ساڑھے گیارہ برس بعد 29 جنوری 1920ء میں ہوا۔

5- پیشین گوئی متعلقہ آسمانی نشان

مرزا صاحب اپنے مریدین کو اپنے دام ارادت کے اندر پھنسائے رکھنے میں عجیب

---

[1] (سیرۃ المہدی ج 1 ص 198) [2] (ایضاً ج 2 ص 135) [3] (ایضاً ج 2 ص 77)

مہارت اور کمال رکھتے تھے۔ آپ کا وطیرہ تھا کہ ایک مخصوص مدت کے لیے ایک پیش گوئی جڑ دیتے اور مخالفین و موافقین کو ان کی اپنی اپنی جگہ اس کے ظہور کے انتظار میں چھوڑ کر اپنا کام کرتے رہتے۔ پھر ابھی اس پیش گوئی کی مدت ختم نہ ہو پاتی کہ کسی تازہ پیش گوئی کا شوشہ چھوڑ کر لوگوں کو نئی صورت انتظار عطا فرما دیتے اور پچھلی پیش گوئی کو کسی نہ کسی طرح ہضم کر جاتے۔ چنانچہ مولانا بٹالوی اور ان کے رفقاء کی بابت مرزا صاحب نے جو پیش گوئی کی تھی ابھی اس کی مدت کے اختتام میں تقریباً ڈھائی مہینے کی کسر باقی ہی تھی کہ آپ نے ایک نیا شگوفہ چھوڑ دیا۔ 5ر نومبر 1899ء کے جس اشتہار سے ہم مرزا صاحب کی بے بسی کا نمونہ دکھلا آئے ہیں اسی میں آپ رقم فرماتے ہیں:

”اے میرے مولا! قادر خدا! اب مجھے راہ بتلا (آمین) اگر میں تیری جناب میں مستجاب الدعوات ہوں تو ایسا کر کہ جنوری 1900ء سے اخیر دسمبر ر 1902ء تک میرے لیے کوئی اور نشان دکھلا اور اپنے بندے کے لیے گواہی دے جس کو زبان سے کچلا گیا ہے۔ دیکھ میں تیری جناب میں عاجزانہ ہاتھ اٹھاتا ہوں تو ایسا ہی کر' اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں اور جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ کافر و کاذب نہیں ہوں تو ان تین سال جو اخیر دسمبر 1902 تک ختم ہو جائیں گے۔ کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو۔“

گو یہ الفاظ دعائیہ ہیں مگر مرزا صاحب نے اسے خود ہی پیش گوئی قرار دیا ہے۔[1] علاوہ ازیں مرزا جی نے اسے جس انداز سے اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہے اس نے اس دعا کو آپ کی عام پیش گوئیوں سے بھی زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ چنانچہ مرزا جی اسی اشتہار میں لکھتے ہیں:

” مجھے (اے خدا) تیری عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے تیرا فیصلہ منظور ہے۔ پس اگر تو تین برس کے اندر جو جنوری 1900ء سے شروع ہو کر دسمبر

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ اعجاز احمدی ص 88

1902 تک پورے ہو جائیں گے میری تائید میں اور میری تصدیق میں کوئی آسمانی نشان نہ دکھلا دے اور اپنے اس بندہ (مرزا) کو ان لوگوں کی طرح رد کر دے جو تیری نظر میں شریر اور پلید اور بے دین اور کذاب اور دجال اور خائن اور مفسد ہیں تو میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں اپنے تئیں صادق نہیں سمجھوں گا اور ان تمام تہمتوں اور الزاموں اور بہتانوں کا اپنے تئیں مصداق سمجھوں گا جو میرے پر لگائے جاتے ہیں۔۔۔ میں نے اپنے لیے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری یہ دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور کافر و بے دین اور خائن ہوں جیسا کہ مجھے سمجھا گیا ہے۔"

چوں کہ مرزا جی مولانا بٹالوی والے مقدمے کے فیصلہ سے اس بری طرح زچ تھے اور ان کا قافیہ اس طرح تنگ تھا کہ وہ اپنے کسی حریف اور مخالف کا نام زبان پر لانے کی ہمت و جرأت نہیں کر رہے تھے اس لیے مطلوبہ نشان آسمانی کی کوئی نوعیت درج نہیں فرمائی لیکن آپ کا مقصود بہر حال یہی تھا کہ آپ کے مخالفین میں سے کوئی شخص موت فوت یا کسی اہم افتاد سے دوچار ہو گا۔ چنانچہ چلتے چلتے مبہم الفاظ میں آپ اس کی طرف اسی اشتہار میں اشارہ کر گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"میں کسی مخالف کو اس اشتہار میں مخاطب نہیں کرتا اور نہ ان کو کسی مقابلے کے لیے بلاتا ہوں۔ یہ میری دعا (اے خدا) تیری ہی جناب میں ہے کیوں کہ تیری نظر سے کوئی صادق یا کاذب غائب نہیں ہے۔"

جب مرزا صاحب کا یہ دعائیہ اشتہار منظر عام پر آیا تو اس کے مطابق سارا ملک تین سال تک آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے موصوف کے مطلوبہ نشان کے نزول کا انتظار کرتا رہا، لیکن نتیجہ وہی رہا کہ ؎

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال
اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

ہاں! اس دوران چند ایسے واقعات ضرور پیش آئے جنھوں نے مرزا صاحب کے

مطلوبہ نشان کے نازل نہ ہونے کی کسر پوری کردی۔

(الف)۔۔۔ پیر مہر علی شاہ سجادہ نشین گولڑہ ضلع راولپنڈی سے مرزا صاحب کی پرانی چھیڑ چھاڑ چل رہی تھی۔ 20/ جولائی 1900ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر صاحب کو للکارا کہ:

> "میرے مقابل سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ مؤید من اللہ سمجھا جاوے گا لیکن اس مقابلہ کے لیے پیر (مہر علی شاہ صاحب) موصوف کی شمولیت یاان کی طرف سے چالیس علما کا پیش کردہ مجمع ضروری ہے۔ اس سے کم ہوں گے تو مقابلہ نہ ہوگا۔" [1]

اس دعوت کے مطابق پیر صاحب وقت مقررہ پر بہ نفس نفیس مقابلہ کے لیے لاہور پہنچ گئے مگر مرزا صاحب کو قادیان سے باہر نکلنے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن دیدہ دلیری دیکھیے کہ وہیں سے ایک اشتہار بھیج دیا کہ پیر صاحب گولڑہ مقابلہ سے بھاگ گئے۔ مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

عجیب نظارہ

جس روز پیر صاحب گولڑہ لاہور میں آئے تو بغرض تماشہ بینی ارد گرد سے علما اور غیر علما بھی وارد ہوئے تھے۔۔۔ قرار پایا تھا کہ جامع مسجد لاہور میں صبح کے وقت جلسہ ہوگا۔ پیر صاحب مع شائقین مسجد موصوف کو جارہے تھے۔ راستے میں بڑے بڑے موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں تھے جن کی سرخی یوں تھی۔

پیر مہر علی کا فرار

جو لوگ پیر صاحب کو لاہور میں دیکھ کر یہ اشتہار پڑھتے وہ بزبان حال کہتے ہیں:

انچہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب [2]

---

[1] (مندرجہ تبلیغ رسالت ص 77,73 ج9) [2] (تاریخ مرزا طبع اول ص 45)

(ب)۔۔۔ درحقیقت پیر صاحب کے ساتھ مقابلہ تفسیر نویسی کے مذکورہ واقعہ ہی نے مرزا صاحب کا مطلوبہ نشان آسمانی پورا کر دیا تھا کیوں کہ ہر شخص کو معلوم ہو گیا تھا کہ مرزا صاحب اور ان کے مخالفین میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا تاہم ابھی قدرت مرزا صاحب کو کچھ مزید عبرتناک نظارہ دکھلانا چاہتی تھی جس کی تفصیل یہ ہے۔

ضلع امرتسر کے ایک مقام موضع مد میں مرزا صاحب کے شاطر ایجنٹوں نے سیدھے سادے دیہاتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی اور حالات بہت نازک ہو گئے کچھ حساس لوگوں نے مناظرہ کا بندوبست کیا۔ مولانا امرتسری بلائے گئے۔ 29-30 اکتوبر 1902 کو مرزا صاحب کے صدق و کذب کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ مولانا امرتسری نے مرزا صاحب کے مسلمہ معیاروں پر ان کا کذب اس طرح ثابت کیا کہ قادیانی ایجنٹوں کے لیے فرار کے علاوہ کوئی راہ باقی نہ رہی۔ اس مناظرے میں دیہات کا دیہات اُمڈ پڑا تھا۔ اور اس جم غفیر میں دو دن کے مباحثہ کے دوران مرزا صاحب کی مسیحیت ہر ہر زاویے سے اس طرح بیچ چوراہے پر ننگی ہو گئی تھی کہ غالباً عوامی سطح پر اس وقت تک ان کا جھوٹ اس طرح نمایاں ہو کر سامنے نہیں آیا تھا۔

(ج)۔۔۔ اسی شکست سے زچ ہو کر مرزا صاحب نے مولانا امرتسری کی بابت تین پیش گوئیاں کیں جن میں سے ہر ایک پیش گوئی اپنے اپنے وقت پر سراپا جھوٹ ثابت ہو کر مرزا صاحب کی ذلت و رسوائی کا باعث اور ان کے کذب کا نشان بنی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ)

(د)۔۔۔ اسی سہ سالہ میعاد کے اندر مولانا ثناء اللہ امرتسری کی معرکۃ الآراء تصنیف 'الہامات مرزا' منظر عام پر آئی جس میں مرزا صاحب کے پیش کیے ہوئے سب سے بڑے معیارِ صدق و کذب پر خود ان کو اور ان کے الہامات کو پرکھ کر ان کا جھوٹ اس طرح عیاں کیا گیا ہے کہ آج تک کسی قادیانی سے کچھ بنائے' نہ بن سکی۔ اس رسالہ کا جواب دینے کی صورت میں مرزا صاحب کے لیے پہلے ایڈیشن پر پانچ سو روپے انعام مقرر کیا گیا تھا۔ جسے دوسرے ایڈیشن پر ایک ہزار اور تیسرے ایڈیشن پر دو ہزار کر دیا گیا' مگر مرزا صاحب اور ان

کے حواریوں سے اس رسالہ کا جواب نہ بن سکتا تھا نہ بنا۔ اور یہ کتاب ان کی پیشانی پر ان کے کذب کا داغ بنی رہی۔

ان چار واقعات کے علاوہ اس سہ سالہ مدت میں مرزا صاحب پر مزید جو کچھ بیتی تھی، ہم اس کا ذکر قصداً ترک کر رہے ہیں کیوں کہ مرزا صاحب کی اس دعائیہ پیش گوئی کا خاص منشا یہ تھا کہ آپ کے صدق کا کوئی نشان ظاہر ہو اور لوگ صادق اور کاذب کو پہچان لیں سو آپ کا یہ منشا جس طرح پورا ہوا وہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے۔

6- پیشین گوئی بابت حفاظت قادیان

مرزا صاحب نے ایک الہام شائع کر رکھا تھا "انه اوی القریة" اور اس کے بارے میں ایک طویل عرصہ تک یہی ارشاد فرماتے رہے کہ اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ 1902ء میں ہندوستان کے متعدد صوبوں میں طاعون کی بیماری بلکہ وبا کا آغاز ہوا۔ یہ وبا رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ بہت سے قریے اور شہر اس کی لپیٹ میں آئے اور لوگوں نے اسے خدائی تنبیہ سمجھ کر توبہ واستغفار شروع کیا۔ مگر ہنوز ہزاروں آبادیاں اس سے محفوظ بھی تھیں۔ ابتداً قادیان میں بھی اس کا کوئی حملہ نہ ہوا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب اور ان کے مریدوں نے بڑھ بڑھ کر پروپیگنڈہ شروع کیا کہ چوں کہ مرزا صاحب کی تکذیب کی جارہی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ عذاب بھیجا ہے اور قادیان چونکہ مرزا صاحب کا مسکن ہے۔ اس لیے وہاں عذاب نہیں آیا اور نہ آئے گا بلکہ جو کوئی آدمی باہر کا قادیان میں آجاتا ہے وہ بھی اچھا ہو جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں۔ "انه اوی القریة" کے۔

پھر بات اس سے بھی چند قدم آگے بڑھی اور یہاں تک ارشاد فرمایا جانے لگا کہ جہاں جہاں اور جن جن بستیوں میں مرزا صاحب کے مرید ہیں۔ وہ سارے مقامات اور وہ تمام بستیاں طاعون سے محفوظ رہیں گی۔

اس پروپیگنڈائی انداز سے مرزا صاحب نے ڈرے اور سہمے ہوئے سادہ لوح عوام کو اپنی طرف کھینچنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ نے ایک کتاب تالیف فرمائی اور اس کا نام

"کشتی نوح" تجویز کیا۔ جس سے یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ موجودہ طاعون طوفان نوح کی طرح میرے مکذبین کا صفایا کرے گا اور جو لوگ میری بیعت میں داخل ہوں گے وہ گویا کشتی نوح میں سوار ہو کر اس عذاب سے بچ رہیں گے۔

اس سلسلے میں قادیانیوں کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی تھوڑی سی آزمائشی مہلت اور ڈھیل (استدراج) کی وجہ سے ان کا غرور آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ چنانچہ الحکم 10 / اپریل 1902ء کے شمارے میں مرزا صاحب کے امام و خطیب مولوی عبدالکریم کا ایک آرٹیکل شائع ہوا جس میں موصوف نے بڑے کروفر کے ساتھ لکھا۔

" انه اوی القریة "کا مفہوم صاف لفظوں میں تقاضا کرتا ہے کہ اس (قادیان) میں اور اس کے غیر میں تمیز ہو۔۔۔ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے اپنی راستی اور شفاعت کبریٰ کا یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ قادیان کی نسبت تحدی کر دی ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا اور اپنی جماعت کے علاوہ اس جگہ کے تمام ان لوگوں کو جو اکثر دہریہ طبع، کفار، مشرک، دین حق سے تمسخر کرنیوالے ہیں۔ خدا کے مصالح اور حکمتوں کی وجہ سے اپنے سایہ شفاعت میں لے لیا ہے۔

حضرت ممدوح (مرزا صاحب) نے لکھا ہے اور باربار فرماتے ہیں کہ جہاں ایک بھی راست باز (یعنی قادیانی) ہو گا۔ اس جگہ کو خدائے تعالیٰ اس غضب سے بچالے گا۔۔۔ (اے مخالفو!) تم لوگ بھی مل کر ایسی پیش گوئی کرو جس سے قادیان کے پیغمبر کا دعویٰ باطل ہو جائے اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ لاہور اور امرتسر طاعون کے حملہ سے محفوظ رہیں۔ یا یہ کہ قادیان طاعون میں مبتلا ہو جائے۔ خدا نے اس اکیلے صادق (مرزا) کے طفیل قادیان کو جس میں اقسام اقسام کے لوگ تھے، اپنی خاص حفاظت میں لے لیا۔" [1]

---

[1] (دیکھیے الہامات مرزا ص 113,112,109)

اقتباس مذکور سے تین باتیں بہت صاف طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

1- قادیان طاعون سے بکلی محفوظ رہے گا۔ حتیٰ کہ وہاں کا کوئی کافر و مشرک اور مرزا صاحب کا مخالف بھی اس وبا سے دوچار نہ ہو گا۔

2- جہاں ایک بھی قادیانی ہو گا وہ جگہ طاعون سے محفوظ رہے گی۔

3- قادیان میں طاعون کا پہنچ جانا مرزا صاحب کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہو گی۔

معلوم ہوتا ہے قادیان میں طاعون مؤخر ہی اس لیے ہو رہا تھا کہ مرزا صاحب کھل کر کوئی پیش گوئی فرما دیں۔ اس کے بعد قدرت لگے ہاتھوں ان کی تکذیب کا سامان فراہم کر دے۔ چنانچہ جب قادیانیوں کے پر غرور بیانات کھل کر سامنے آ چکے تو خدائی مار کا آغاز ہو گیا۔ یعنی طاعون کی وبا نے قادیان پر نہ صرف یہ کہ حملہ کیا بلکہ اور جگہوں کے بالمقابل وہاں زیادہ زور واثر دکھلایا۔ ابتداءً تو قادیانیوں نے طاعونی واردات کو چھپانے کی کوشش کی مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے۔ آخر خود ان کے اپنے بیانات نے ان کے پیغمبر کی صداقت کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوڑ دیا اور انھیں اپنے مقررہ اجتماعات روک دینے پڑے۔ چنانچہ دسمبر 1902ء میں مرزا صاحب کو اعلان کرنا پڑا کہ:

"دسمبر کی تعطیلوں میں جیسا کہ پہلے اکثر اصحاب جمع ہو جایا کرتے تھے اب کی دفعہ اس اجتماع کو بلحاظ مذکورہ بالا ضرورت کے (یعنی قادیان میں طاعون کی وبا ہونے کے سبب) موقوف رکھیں۔" [1]

اور مرزائی آرگن البدر نے 16 اپریل 1904ء کے شمارے میں خود ہی یہ لکھا کہ:

"قادیان میں طاعون نے صفائی شروع کر دی" [2]

پھر ایک ماہ بعد مئی 1904ء میں مرزا صاحب کو اپنا قادیانی سکول طاعون کے سبب بند کر دینا پڑا۔ طاعون کی شدت کا یہ حال تھا کہ سب لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے تھے

---

[1] (البدر قادیان 19 / دسمبر 1902' الہامات مرزا ص 110)

[2] (الہامات مرزا ص 113)

اور تمام قصبہ قادیان ویران سنسان نظر آتا تھا۔ ❶ طاعون کے زور و شدت کا اعتراف مرزا صاحب کی بعد کی تحریروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی میں لکھے ہیں:

"طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا۔" ❷

غرض وبائے طاعون سے قادیان کے محفوظ رہنے کی بابت بھی مرزا صاحب کی پیش گوئی دو دوچار کی طرح غلط اور جھوٹ نکلی اور مرزا صاحب کے کذب پر مہر توثیق ثبت کر گئی۔

7۔ پیشین گوئی بابت پسر خامس: ماہ جنوری 1903 میں مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ امید سے تھیں۔ اس مناسبت سے مرزا صاحب نے ایک پیشین گوئی ارشاد فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"**الحمدالله الذی وھب لی علی الکبر اربعة من البنین و بشرنی بخامس**" سب تعریف خدا کو ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں چار لڑکے دیئے اور پانچویں کی بشارت دی۔" ❸

لیکن اس بشارت خداوندی کے خلاف مرزا صاحب کے گھر 28ر جنوری 1903 کو لڑکی پیدا ہوئی جو چند ماہ بعد فوت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے حسب دستور فرمایا کہ موجودہ حمل کی تخصیص نہ تھی۔ یعنی آئندہ کسی وقت پانچواں لڑکا پیدا ہو گا۔ مگر وائے ناکامی کہ 26 مئی 1908ء کو مرزا صاحب کا وقت موعود آ پہنچا مگر ان کے یہاں کوئی لڑکا نہ ہوا۔ اور بے چارے بڑی حسرت سے یہ فرماتے ہوئے اس دنیا سے تشریف لے گئے کہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

---

❶ (ایضاً ص 111) ❷ (حقیقۃ الوحی ص 84' نیز دیکھیے ص 253,232)

❸ (مواہب الرحمٰن ص 139)

8-اپنی عمر کے بارے میں پیشین گوئی

مرزا صاحب نے ایک پیشین گوئی اپنی عمر کی بابت فرمائی تھی جس کے مشرح الفاظ یہ ہیں:

"خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسی برس کی ہوگی اور یا یہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔۔۔اور جو ظاہری الفاظ وحی کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔" [1]

عمر کی مدت تو صاف معلوم ہوگئی کہ کم سے کم چوہتر سال ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب پیدا کب ہوئے اور فوت کب ہوئے۔ ان دونوں امروں کے متعلق ہمیں زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صاف صاف مطبوعہ تحریر موجود ہے:

مرزا صاحب کے معتمد خاص اور خلیفہ اول مولوی حکیم نورالدین صاحب اپنے رسالہ "نورالدین" میں مرزا صاحب کا سال پیدائش لکھ کر ایک نقشہ دیتے جاتے ہیں۔ سال پیدائش 1840 بتایا ہے۔ مرزا صاحب کا انتقال 1908 میں ہوا ہے۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی عمر 68 سال کی ہوتی ہے۔ [2]

اس پیش گوئی نے امت مرزائیہ کو حد درجہ پریشان کیا ہے کیوں کہ بات بالکل صاف اور معمولی سی ہے۔ مگر چوں کہ اڑسٹھ کو چوہتر بنانا مشکل نہیں، محال ہے، اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ع

لن یصلح العطار ما افسد الدھر

جس کو زمانے نے بگاڑا ہوا سے عطار کیوں کر سنوارے [3]

---

[1] (ضمیمہ جلد پنجم براہین احمدیہ ص 97)

[2] (ملاحظہ ہو رسالہ نورالدین ص 170)

[3] (عمر مرزا کی بابت یہ پوری بحث معمولی سے تغیر کے ساتھ الہامات مرزا طبع ششم ص 114 سے ماخوذ ہے)

یہ مرزا صاحب کی وہ چند پیش گوئیاں ہیں جو بڑی دھوم دھام کے ساتھ منظر عام پر آئیں اور جن کی بنیاد پر مرزا صاحب نے پہلے مجددیت پھر مسیحیت و مہدویت اور اسکے بعد نبوت ورسالت کا کاروبار چلایا اور ان پیش گوئیوں کے صدق و کذب پر اپنے صدق و کذب کی بنیاد رکھی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ تمام پیش گوئیاں اپنے اپنے وقت پر غلط اور باطل نکلیں۔ اس لیے مرزا صاحب اپنے تمام دعووں میں جھوٹے ثابت ہوئے اور اپنے اس ارشاد کا اولین مصداق خود آپ ہی ہوئے کہ

"کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے" [1]

مرزا صاحب نے بڑے طمطراق سے فرمایا تھا کہ

"ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محکم امتحان نہیں ہو سکتا۔" [2]

مگر جب اس معیار پر آپ کو پرکھا گیا تو محض کھوٹے نکلے اور آپ کی ہر ہر پیش گوئی اپنے تمام اجزاء سمیت آپ کے کذاب ودجال ہونے کی شاہد نکلی۔

آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا تھا:

"درماندہ انسان کی پیش گوئیاں کیا تھیں؟ یہی کہ زلزلے آئیں گے، قحط پڑیں گے، لڑائیاں ہوں گی، پس نادان اسرائیلی (یسوع مسیح) نے ان معمولی باتوں کا پیش گوئی کیوں نام رکھا۔"

لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ خود مرزا صاحب کی پیش گوئیاں کس نوعیت کی تھیں اور ان کے جو نتائج ظہور پذیر ہوئے وہ کیسے تھے۔ کیا اس "نادان اسرائیلی" کی پیش گوئیوں سے بھی زیادہ معمولی نوعیت کی پیش گوئی کرنے والا انسان "دانا" اور "کارآمد" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ یا اس سے یہ کہا جائے گا کہ

---

[1] (نزول مسیح ص 186) [2] (تبلیغ رسالت ج 1 ص 118)

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نوٹ: ہم نے محض طول سے بچنے کے لیے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیاں نقل نہیں کی ہیں۔ ورنہ آپ دیکھتے کہ ان کی بھی متعدد پیش گوئیاں زلزلے اور لڑائیوں وغیرہ سے متعلق ہیں جنھیں ہوا کا رخ دیکھ کر ارشاد فرمایا گیا تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ پیش گوئیوں کی طرح وہ بھی سب کی سب غلط اور باطل نکلیں۔ وللہ الحمد

مرزا صاحب کے خلفاء اور جانشین

خلفیہ اول حکیم نورالدین صاحب

مرزا صاحب جب اپنی تمام تر جلوہ طرازیوں کے بعد 26 مئی 1908 کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو ان کی امت نے ان کے استاد ازل "حکیم نورالدین" صاحب کو ان کا جانشین منتخب کیا اور حکیم صاحب خلیفۃ المسیح کے نام سے قادیانی امت کے خلیفہ بے ملک قرار پا گئے۔ قادیانی امت نے حکیم صاحب کی تعظیم و توقیر میں بھی اپنے معلوم و معروف غلو و اغراق کے اندر کسی قسم کی کسر نہ رہنے دی۔ چنانچہ وہ حکیم صاحب کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہم پلہ و ہم پایہ قرار دیتے رہے۔

خود حکیم صاحب نے بھی مرزا جی کا حق جانشینی ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی و کاہلی سے کام نہیں لیا۔ مرزا صاحب کے جنون آمیز طرز استدلال' مالیخولیائی انداز تکلم' مراقیانہ نخوں اور مجنونانہ بڑ کا پورا پورا عکس حکیم صاحب کی ذات و صفات کے اندر جلوہ افروز تھا۔

حکیم صاحب اصلاً قصبہ بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ علوم عربیہ کی تحصیل ریاست رام پور میں کی تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر لکھنؤ گئے اور حکیم علی حسن صاحب کے پاس رہ کر طب کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ مکہ معظّمہ میں مولانا رحمت اللہ مہاجر کی خدمت میں اور مدینہ منورہ میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب نقشبندی مجددی رحمہ اللہ کے پاس رہے۔

1878ء کے قریب زمانہ میں مہاراجہ جموں کے ہاں شاہی طبیب مقرر ہوئے اور اپنی قابلیت کے سبب مہاراجہ کے نزدیک گہرا اثر و رسوخ حاصل کر لیا اور یہی اثر مخالفین کے حسد اور حکیم صاحب کی معزولی کا سبب بنا۔

حکیم صاحب کی معزولی 1894ء کے لگ بھگ عمل میں آئی تھی۔ مرزا صاحب کے ساتھ آپ کا یارانہ معزولی سے کافی پہلے ہی قائم ہو چکا تھا۔ اس لیے معزولی کے بعد کچھ

دنوں اپنے وطن رہ کر مستقل طور پر قادیان منتقل ہو گئے اور مرزا صاحب کی زندگی بھر ان کے کاروبار میسحیت و نبوت کے لیے دست وبازو بنے رہے۔

منشی الٰہی بخش صاحب نے اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں لکھاہے کہ:

"مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب بالکل ہم مذاق تھے۔ حکیم صاحب کی ملاقات سے پیشتر ہی باتباع سر سید احمد خاں بالقابہ حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے مارنے اور ان کی قبر کھودنے کا خبط موجود تھا' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزائیت کی ساری چھیڑ خانی انھوں نے ہی چھیڑی تھی اور مرزا صاحب نے ان کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر ان کی تکمیل کا بیڑا اٹھالیا تھا۔"

کند ہم جنس باہم جنس پرواز [1]

مرزا صاحب کے بعد حکیم صاحب نے چھ سال تک ان کی خلافت کی گدی سنبھالے رکھی۔ آخری ایام میں گھوڑے سے گر کر شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ کئی روز تک زبان بند رہی اور بالآخر 13 / مارچ 1914ء کو انتقال کر گئے۔

حکیم صاحب کے بعد ان کے ورثا پر بڑے مظالم ہوئے۔ خود مرزائیوں کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کے صاحب زادے میاں محمود۔۔ خلیفہ ثانی۔۔ نے حکیم صاحب کی اولاد کا خاتمہ کیا۔ حکیم صاحب کی بیٹی امۃ الحی کو۔۔ جو خود میاں محمود کی بیوی تھی ۔۔ قتل کروایا۔ حکیم صاحب کے بیٹے عبدالحی کو زہر دلوا کر مروایا۔ دوسرے بیٹے عبدالمنان کو منافق قرار دے کر جماعت سے نکال دیا اور اس کا سوشل بائیکاٹ کرتے ہوئے "ربوہ" میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ [2]

اخبار پیغام صلح کے نامہ نگار نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا نام "گنجینہ صداقت" رکھا تھا اس اشتہار کو مشہور مرزائی پرچے "الفضل" نے نقل کیا۔ نامہ نگار مذکور اس اشتہار میں لکھتا ہے:

---

[1] (عصائے موسیٰ ص 376) [2] (الاعتصام لاہور 14 جون 1968)

"کہاں مولوی نورالدین صاحب کا حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو نبی اللہ اور رسول اللہ اور اسمہ احمد کا مصداق یقین کرنا اور کہاں وہ حالت کہ وصیت کے وقت مسیح موعود کی رسالت کا اشارہ تک نہ کرنا۔۔۔ استقامت میں فرق آنا اور پھر بطور سزا کے گھوڑے سے گر کر بری طرح زخمی ہونا۔ آخر مرنے سے پہلے کئی دن تک بولنے سے بھی لاچار رہنا اور نہایت مفلسی میں مرنا اور آئندہ جہان میں بھی کچھ سزا اٹھانا اور اس کے بعد اس کے جوان فرزند عبدالحی کا عنفوان شباب میں مرنا اور اس کی بیوی کا تباہ کن طریق پر کسی اور جگہ نکاح کر لینا وغیرہ یہ باتیں کچھ کم عبرت انگیز نہیں۔" [1]

☆☆☆☆☆

خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود صاحب

انتخاب خلافت کی جنگ اور گروپ بندی

حکیم نورالدین صاحب کے بعد مرزا صاحب کے بڑے صاحب زادے میاں محمود قادیانی امت کے دوسرے خلیفہ بے ملک قرار پائے۔ ان کے انتخاب کی داستان خاصی دلچسپ بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ جو صرف قادیانی علم کلام ہی سے نہیں بلکہ قادیانی نفسیات سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے حکیم نورالدین صاحب کے خلیفہ منتخب ہوتے ہی لکھا تھا:

"خلیفہ صاحب برا نہ مانیں تو ابھی سے اپنے قائم مقام کا انتخاب شائع کر دیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ان کے بعد خلافت میں جھگڑا نہ ہو۔" [2]

مولانا کا یہ اندازہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ حکیم نورالدین صاحب کے وفات پاتے ہی

---

[1] (الفضل 22 فروری 1922) [2] (مرقع قادیانی ص 3 بابت جولائی، اگست 1908)

ان کے جانشین کے انتخاب کے مسئلہ پر قادیانی امت میں سخت اختلاف برپا ہو گیا۔ مرزا صاحب کے صاحب زادے میاں محمود پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے انھوں نے چالا کی یہ کی تھی کہ ''انصار اللہ'' کے نام سے اپنے جان نثاروں اور حمایتیوں کی ایک جماعت پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھی جس نے عین وقت پر ان کی بھر پور حمایت کی۔ ادھر پرانے اور پختہ قادیانی حکیم صاحب کے بعد مرزا صاحب کے دوسرے دست راست مولوی محمد احسن امروہوی کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ آخر بڑی بحث و تمحیص کے بعد کثرت رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ ہوا کہ مولوی محمد احسن ہی کو جانشین بنایا جائے۔ مولوی محمد احسن میاں محمود کی قوت اور ان کی تیاریوں سے واقف بھی تھے اور خائف بھی۔ اس لیے جب بیعت لینے کھڑے ہوئے تو اچانک میاں محمود کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھے منتخب کیا ہے اور میں اس صاحب زادے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ انصار اللہ والی جماعت تو میاں محمود صاحب کو خلیفہ بنانے پر تلی بیٹھی ہی تھی۔ اب دوسرے لوگوں نے بھی مولوی محمد احسن کی تقلید کی اور اس طرح خلافت کے لیے میاں محمود کا انتخاب عمل میں آ گیا لیکن ایک اچھی خاصی جماعت نے میاں محمود کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔ ان لوگوں پر میاں میاں محمود اور ان کے حامیوں نے قادیان کی زمین اس طرح تنگ کی کہ بالآخر انھیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ ان لوگوں نے مولوی محمد علی (ایم اے) کو اپنا امیر جماعت منتخب کر کے اپنی تنظیم علیحدہ کر لی اور شہر لاہور کو اپنا مستقر بنا لیا۔ یہی گروہ لاہوری پارٹی کے نام سے معروف ہوا۔ قادیانیوں کی بڑی جماعت جو میاں محمود کے ساتھ رہی چوں کہ اس کا مستقر قادیان تھا اس لیے وہ قادیانی کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد جب اس گروہ نے اپنے مستقر کے طور پر ربوہ کی تعمیر کی تو یہی گروہ ربوی کہلانے لگا۔ اس طرح لاہوریوں کے سرکاری آرگن کا نام چوں کہ پیغام صلح تھا اس لیے انھیں پیغامی بھی کہا جاتا تھا جب کہ میاں محمود کی پارٹی خود ان کی طرف منسوب ہو کر محمودی بھی کہلاتی تھی۔ [1]

اختلافات کی وسعت اور پختگی

یہ تو کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں پارٹیوں کا اختلاف محض اقتدار کے لیے تھا

---

[1] (تفصیل کے لیے دیکھیے کاویہ ج 1 ص 93-94 'المنبر لائل پور 9 مارچ 1968 ص 28)

لیکن کچھ عرصہ بعد دونوں پارٹیوں نے اپنے آپ کو برحق اور مخالف گروپ کو غلط ثابت کرنے کے لیے کچھ بنیادی مسائل اور معتقدات کو نشانہ بنایا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مسئلہ مرزا صاحب کی نبوت کی حیثیت کا کھڑا ہوا۔ قادیانی پارٹی مصر تھی کہ مرزا صاحب مستقل نبی، حقیقی نبی، شرعی معنی اور اصطلاح کی رو سے نبی، مطاع الانبیا اور افضل المرسلین تھے۔ جب کہ لاہوری پارٹی ان معنوں میں مرزا صاحب کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ مرزا صاحب صرف مجدد اور مسیح موعود تھے۔ آپ حقیقی اور شرعی معنوں میں نبی نہ تھے۔ البتہ آپ بروزی، مجازی، اور غیر شرعی اور لغوی نبی تھے۔ جسے دوسرے لفظ میں محدث کہا جاتا ہے۔ [1]

اسی طرح عامۃ المسلمین کی تکفیر میں بھی دونوں پارٹیوں کے درمیان اختلاف ہوا۔ مرزا محمود اور ان کی پارٹی کے عوام و خواص مرزا صاحب پر ایمان نہ لانے اور ان کی بیعت میں داخل نہ ہونے والے ہر مسلمان کو کھلے اور دو ٹوک لفظوں میں کافر کہتے تھے۔ جب کہ لاہوری پارٹی کے بوڑھے اور دور اندیش گرگے ایسے مسلمانوں کو صراحۃ کافر کہنے کی بجائے صرف فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دینے پر اکتفا کرتے تھے۔ [2]

پھر دونوں پارٹیوں کے ان اختلافات نے اتنی شدت اختیار کی کہ ہر ایک نے دوسرے پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی جنھوں نے حاصل شدہ خلافت صاحب زادے میاں محمود کی طرف اس لیے منتقل کر دی تھی کہ ان کا بھرم قائم رہے گا اور ان کی شخصیت قادیانی امت کے نزدیک اختلاف سے بالاتر اور قابل احترام رہے گی وہ نہ صرف یہ کہ ان اختلافات کی زد میں آئے بلکہ میاں محمود کے تمرد و استکبار اور ان کی بے نیازیوں سے تنگ آکر بصد حسرت و یاس قادیان سے رخصت ہو گئے اور لاہوری پارٹی سے وابستگی اختیار کر لی۔

تنظیمی مساعی اور قادیانی تنظیمات

میاں محمود 1914 سے 1965 تک (پچاس سال سے زائد عرصہ) گدی نشین

---

[1] (کادیہ ج 1 ص 94-96) [2] (ایضاً ص 97)

رہے۔ ان کی اخیر عمر کا ایک طویل عرصہ تو قطعی ناکارگی میں گذرا' لیکن اس سے پہلے انھوں نے قادیانیوں کی تنظیم وتشکیل اور استحکام وترقی کے لیے متعدد تنظیمی ادارے قائم کیے اور پہلے سے قائم شدہ اداروں کو زیادہ منظم اور فعال بنایا۔ ذیل میں ان تنظیمات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جو قادیانیوں کی اجتماعی سرگرمیاں سمجھنے میں بڑی حد تک معاون ہوگا۔ تنظیمات یہ ہیں۔

1- صدر انجمن احمدیہ (قادیان۔ربوہ)

یہ انجمن مرزا غلام احمد قادیانی کی قائم کردہ ہے اس کا صدر دفتر قادیان تھا لیکن تقسیم ملک کے بعد ربوہ منتقل ہو گیا۔ اس انجمن کے تحت دس نظارتیں قائم ہیں جو حسب ذیل ہیں:

i) نظارت علیا

ii) نظارت دیوان

iii) نظارت بیت المال

iv) نظارت امور عامہ

v) نظارت امور خارجہ

vi) نظارت اصلاح وارشاد

vii) نظارت تعلیم

viii) نظارت زراعت

ix) نظارت تجارت

x) نظارت خدمت درویشاں

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قادیانیوں کے مرکز ربوہ (پاکستان) کی طرف سے قادیان (ہندوستان) میں 313 درویش معین ہیں جو ربوہ کے خرچ پر پلتے ہیں۔ یہ ہر سال ربوہ پہنچتے ہیں اور وہاں سے مخصوص ہدایات اور ذمہ داریاں لے کر قادیان آتے ہیں۔ صدر

انجمن احمدیہ کی دسویں نظارت۔۔۔ نظارت خدمت درویشاں۔۔ اسی مقصد کے لیے قائم ہے۔

2- تحریک جدید

یہ تنظیم مجلس احرار کی قادیانیت شکن سرگرمیوں کے پیش نظر 1934ء میں قائم ہوئی۔ مرزا محمود نے اس تنظیم کے پچیس مقاصد بتلائے تھے مگر اصل مقاصد حسب ذیل تھے یا ہیں۔

(i) بیرونی ممالک میں قادیانیت کی تبلیغ

(ii) رخصت کے ایام میں تبلیغ دین (یعنی تبلیغ قادیانیت)

(iii) نوجوان زندگیاں وقف کریں۔

(iv) جائدادیں وقف کریں

(v) صاحب پوزیشن جلسوں میں 1/4 دیں۔

(vi) مخالفانہ لٹریچر کا جواب دیا جائے۔

(vii) بیکار افراد دنیا میں پھیل جائیں' کمائیں بھی اور قادیانیت کی تبلیغ بھی کریں۔

(viii) مرکز (قادیان) میں مکانات بنائے جائیں تاکہ مرکز وسیع ہو اور قادیانیوں کو غالب اکثریت حاصل ہو۔

(ix) "حلف الفضول" قسم کا معاہدہ کیا جائے۔

اس تنظیم کا مرکز بھی پہلے قادیان تھا' پھر ربوہ منتقل ہو گیا۔

3-وقف جدید

اس کا قیام اصلاً 1944ء میں اس وقت ہوا تھا جب پاکستان بننے کے امکانات روشن نظر آنے لگے تھے اور قادیانیوں نے قادیانی حکومت کے قیام کی جو ہوائی توقع باندھ رکھی تھی اسے خود قادیانی عقلا ایک موہوم توقع بلکہ ایک خبط سمجھنے لگے تھے۔ اس تنظیم کا اصل مقصد ہنگامی ضروریات کی پیش بندی کرنا تھا' لیکن قیام پاکستان کے بعد اس کا مقصد یہ قرار پایا کہ ایسے لوگ تیار کیے جائیں جو ملک کے کسی حصہ میں بیٹھ کر ایک نظام کے تحت بظاہر

اصلاح اور ارشاد کا کام کریں، لیکن در پردہ ایسے انقلاب کی راہ ہموار کریں جو قادیانی اقتدار پر منتج ہو۔

4-انصار اللہ

اس تنظیم کا ذکر میاں محمود کی خلافت کے قیام کے سلسلے میں آچکا ہے اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(i) تعلیم کی توسیع

(ii) تبلیغ اور وعظ و نصیحت

(iii) افراد جماعت کی تربیت۔۔اور۔۔

(iv) ان کی دنیوی ترقی کی تدابیر کرنا اور انھیں زیر عمل لانا۔

یہ تنظیم کئی قیادتوں پر مشتمل ہے اور اس کے قائدین کی نوعیتیں حسب ذیل ہیں:

(i) قائد عمومی

(ii) قائد مال

(iii) قائد تعلیم

(iv) قائد تربیت

(v) قائد خدمت خلق

(vi) قائد ذہانت و صحت جسمانی

مجلس انصار اللہ میں صرف وہی قادیانی شامل کیے جاتے ہیں جن کی عمر 40 سال یا اس سے زیادہ ہو اور اس کا اہم ترین بلکہ بنیادی مقصد در حقیقت یہ تھا اور ہے کہ یہ مجلس "خلافت کی حفاظت" کرے۔

5-خدام الاحمدیہ

اس تنظیم کا مقصد قادیانی نوجوانوں کی تربیت اور غیر قادیانیوں سے رابطے قائم کرنا ہے۔ یہ تنظیم قادیانی امت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تنظیم کے بازو قصر

خلافت سے لے کر پاکستانی فوج تک اور پاکستان کے دیہاتوں اور شہروں سے لے کر دور دراز ممالک تک وسیع ہیں اور یہی تنظیم دوسری تمام تنظیموں کی نگران بھی ہے۔ اس تنظیم کے شعبے حسب ذیل ہیں:

i) مال
ii) وقار عمل
iii) تربیت واصلاح
iv) تعلیم وذہانت
v) صحت جسمانی
vi) اصلاح وارشاد
vii) اطفال
viii) اشاعت
ix) صنعت وتجارت
x) حفاظت خلیفہ
xi) خدمت خلق
xii) جیش الفرقان

"حفاظت خلیفہ" کے لیے ایک باقاعدہ نیم فوجی تنظیم قائم ہے۔ اسے قادیانی کوڈ ورڈ (Code Word) میں "تجنید" کہا جاتا ہے۔ "تجنید" عربی لفظ ہے جس کے معنی فوجی بنانا"۔

"خدمت خلق" کا مفہوم یہ ہے کہ غیر قادیانیوں کے ساتھ اس عنوان سے رابطہ قائم کر کے انھیں کچھ "خاص" حکمت عملی کے ذریعہ قادیانی بنایا جائے۔

"جیش الفرقان" پاکستانی فوج کے اندر قادیانیوں کی ایک منظّم بٹالین کا نام تھا۔ "خدام الاحمدیہ" سیاسی اور مذہبی دنیا کی وہ واحد تنظیم ہے جسے دنیا کے واحد ملک پاکستان میں اس امر کی اجازت عطا کی گئی کہ اس کی زیر نگرانی ایک منظّم فوجی یونٹ فوج میں بھرتی ہو اور وہ

اپنے مستقل اور علیحدہ وجود کو دوسروں سے منوائے۔ ایسا اس لیے ممکن ہوا کہ خود پاکستانی فوج کے اندر قادیانیوں نے اپنی مخصوص حکمت عملی کے ذریعہ بیشتر اہم اور کلیدی مقامات و مناصب پر قبضے جمار کھے تھے۔ معلوم نہیں قادیانیوں کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دیے جانے کے بعد پاکستانی فوج کو ان آستین کے سانپوں سے رہائی ملی یا نہیں۔ اس قادیانی بٹالین نے ستمبر 1965 اور دسمبر 1971 کی پاک بھارت جنگوں کے دوران پاکستان کی ایسی "خدمت" انجام دی تھی کہ وہاں کے رہنے والے بلبلا اٹھے تھے اور یہ ان اسباب و عوامل میں سے ایک اہم عامل تھا جس نے قادیانیوں کے سلسلے میں غفلت سے سرشار پاکستانیوں کی آنکھیں کھولیں اور انھیں بیدار کیا۔

6-لجنة اماء الله

اس تنظیم کا مقصد قادیانی عورتوں اور بچیوں کی اصلاح و تربیت، تعلیم و ارشاد اور انھیں دستکاری سکھلانا اور ان کے مالی امور کی نگہداشت کرنا بتلایا گیا ہے۔

لیکن اس تنظیم کے بارے میں بہت ثقہ ترین قادیانیوں کی آرا بے حد سنگین ہیں۔ اور یہ آرا ان کے ذاتی مشاہدات اور تجربات پر قائم ہیں۔ منجملہ دوسرے قادیانیوں کے ایک انتہائی ثقہ، راسخ العقیدہ اور ذی علم قادیانی شیخ عبدالرحمن مصری کا ایک عدالتی بیان عام طور پر شائع ہو چکا ہے (جس کی طرف مختصر سا اشارہ آگے آرہا ہے) اسی طرح دوسرے بیانات بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن میں قادیانی خواتین کی تنظیموں کو غیر اخلاقی اعمال و افعال کے مراکز بتایا گیا ہے اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ تنظیمیں آوارہ گرد نوجوانوں کو قادیانیت کے دام میں پھانسنے اور پھر اس پھندے میں جکڑے رکھنے کے لیے اس طرح کی حکمت عملی کا ایک حصہ ہیں۔ جیسی حکمت عملی عیسائیوں نے اپنی نسوانی تنظیمات کے ذریعہ دیگر خیالات و مکاتب فکر کے نوجوانوں کو عیسائیت کے دام میں پھنسانے کے لیے اختیار کر رکھی ہیں۔

7-8اطفال واحمد و ناصرات الاحمدیہ

یہ دونوں تنظیمیں قادنیوں کے چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لیے ہیں۔ ان کا کام ہے

قادیانیوں کی آئندہ نسل کو عقیدے اور عمل دونوں میں راسخ بنانا اور انھیں اپنے مشن کے لیے تیار کرنا۔

یہ تنظیمات اب بھی علی حالہ قائم ہیں اور ان کے سرسری جائزے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ قادیانی امت کس بے پناہ جدوجہد اور پیہم عمل و سعی کے ذریعہ نہ صرف اپنی بقاو تحفظ کے لیے کوشاں ہے بلکہ اپنے آپ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے' اپنے وجود کو پائداری اور دوام بخشنے اور زیادہ سے زیادہ وسعت و پھیلاؤ اختیار کرنے میں مصروف ہے۔

یہ چھوٹی سی امت اپنی ان تنظیمات پر ہر سال دو کروڑ روپے سے زائد رقم صرف کرتی ہے' لیکن دیدہ عبرت ہو تو آج اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ٹھیک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون یقیناً جنھوں نے کفر کیا ہے وہ اپنے اموال' لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کریں گے (لیکن) یہ لوگ یہ اموال خرچ کریں گے۔ پھر یہی ان کے لیے باعث حسرت ہوں گے۔ اور آخرکار یہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔

ادوار و مراحل

میاں محمود کے دور خلافت کے خاص خاص مراحل' مختلف واقعات و حادثات اور نشیب و فراز کے لحاظ سے یہ ہیں۔

1--- 1914ء سے 1944ء تک تیس سالہ عرصے میں میاں محمود اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح ثانی اور مثیل عمر فاروق اور فضل عمر کہلانے پر اکتفا کرتے رہے۔ اس دور میں انھوں نے اہل قبلہ کی تکفیر اور باپ کی نبوت میں رہی سہی کسر کی تکمیل کرنے کے ساتھ ساتھ قادیان کے سالانہ جلسہ کو ظلی حج اور قادیان کی سرزمین کے متعلق مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ہم رتبہ ہونے کا پروپیگنڈہ بڑے زور و شور سے کیا۔ ان مسائل کو خصوصی اہمیت کا حامل بنایا اور ان پر خاص توجہ مبذول کی۔ نیز مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ممکن طریق سے عداوت' دشمنی کو پختہ اور مستحکم کرنے کی مہم جاری رکھی اور اپنے مخالف قادیانی گروپ سے

بھی پوری طرح نبرد آزمار ہے اور مختلف داخلی فتنوں سے بھی دوچار ہوئے جس کے نتیجے میں میاں محمود کے حامیوں نے اپنے مخالفین کو قتل وغارت گری تک کا نشانہ بنایا۔

2--- جنوری 1944ء میں میاں محمود نے یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی مصلح موعود ہوں جس کی بابت مرزا صاحب نے 20/ فروری 1886ء کے اشتہار میں پیش گوئی کی تھی۔ پھر تحریر و تقریر دونوں ذریعوں سے اس دعویٰ کی ہر ممکن تشہیر کی۔

3--- مزید ڈھائی سال بعد 1946ء میں محدث ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس سلسلے میں یہ ڈینگ ماری کہ جو مرتبہ خدا تعالیٰ نے مجھے دیا، جس قدر غیب کی خبریں مجھے بتائیں اور جس قدر باتیں مجھ سے کیں وہ سینکڑوں محدثین کی نسبت بھی زیادہ ہیں اور ان کی نسبت بہت بڑا کام میرے سپرد کیا ہے۔ [1]

4--- 1947ء میں تقسیم ہند کے نتیجے میں جب پنجاب کے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی تو قادیان دارالامان میں بھگدڑ مچ گئی اس موقع پر میاں محمود نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر ساری جماعت بھی قادیان سے چلی گئی، تو میں اس مقام کو نہ چھوڑوں گا لیکن چند ہی دن بعد آباواجداد کی اس اسٹیٹ (قادیان دارالامان جنت نشان) کو چھوڑ کر بڑی حرماں نصیبی، ناکامی و نامرادی اور حسرت ویاس کے ساتھ نکلنا پڑا اور اس شان سے نکلنا پڑا کہ بے چارے میاں محمود جو ساری دنیائے قادیانیت کے پیشوا اور خلیفہ تھے۔ سادھوؤں کا بھیس اختیار کیے ہوئے تھے [2] اور بالآخر جو امان ملی تو کہاں ملی ؟ اسی شہر خرابات لاہور میں جہاں میاں صاحب کے ستم رسیدگان نے 1914ء سے ڈیرہ جمار کھا تھا اور جہاں کے زندہ دلوں نے میاں صاحب کے والد، مرزا صاحب کی وفات پر غلاظتوں کے انبار سے ان کے جنازے کا استقبال کیا تھا۔

5--- میاں محمود اور ان کے رفقائے کار جس کیریکٹر کے انسان تھے اور اب

---

[1] (المنبر 9/ مارچ 1968ص 34 بحوالہ قادیانی جریدہ فرمان جولائی 1946)

[2] (دیکھیے المنبر ایضاً ص35)

پاکستان میں اپنے اولیائے نعمت ۔۔ سامراج ۔۔۔ کا آلہ کار بن کر جس قسم کی خفیہ، زیرزمین اور شکست و ریخت کی ایک نئی تحریک کا منصوبہ بنا رہے تھے اس کے لیے لاہور جیسا مردم خیز اور غیرت مند اسلامی تحریکوں کا مرکزی شہر کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے سال ڈیڑھ سال بعد چنیوٹ (ضلع جھنگ پاکستان) سے چار میل کے فاصلے پر دریا کے دوسری طرف پہاڑیوں کے درمیان 10,34 /ایکڑ کا ایک خطہ اراضی منتخب کیا جو زیرزمین تحریکوں اور جنگی مصالح کے مرکز کی حیثیت سے نہایت ہی موزوں تھا اور حکومت کی مشینری میں قادیانیوں کے غیرمعمولی اثرات اور عمل دخل کے سبب اس خطہ اراضی کو برائے نام قیمت پر خرید کر ''ربوہ'' [1] کے نام سے ایک خالص قادیانی شہر آباد کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر کے قادیانیوں کا مرکز اور قبلہ ہدایت بن گیا۔

اس شہر کے قیام کے باوجود 1955ء تک اسی شہر۔۔۔ ربوہ۔۔۔ کے ہر سالانہ جلسے میں میاں محمود اپنی جماعت کو خدائی الہام کے حوالے سے یہ بشارت سناتے رہے کہ ہمیں عنقریب قادیان واپس ملنے والا ہے۔ اور اگلے سال تک ہم قادیان واپس چلے جائیں گے لیکن ان کا یہ خدائی الہام تشنہ تکمیل ہی رہ گیا۔

6--- حکومت پاکستان کے کلیدی مناصب پر قادیانیوں نے جس چابک دستی سے قبضہ جمایا اور اس کے طفیل میں مسلمانوں کے خلاف ان کی چیرہ دستیاں جس قدر بڑھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1953ء میں پاکستان کے اندر قادیانی مسلم فساد پھوٹ پڑا اور حکومت پاکستان کو مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ گرفتاریاں ہوئیں اور تحقیقات کے لیے عدالتی ٹریبونل قائم کیا گیا۔ ان تحقیقات کے دوران قادیانیوں نے جھوٹے اور من گھڑت واقعات اور پرفریب

---

[1] ''ربوہ'' اس لیے نام رکھا گیا تا کہ حضرت مسیح ابن مریم اور ان کی ماں کی بابت جو یہ صفت وارد ہے کہ و آوینھما الی ربوة ذات قرار و معین وہ مرزا صاحب پر بھی چسپاں ہو جائے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اس ''ربوہ'' سے مرزا صاحب اور ان کی ماں کا گزر بھی نہیں ہوا تھا کیوں کہ اس شہر کے وجود میں آنے سے چالیسیوں برس پہلے ہی مرزا صاحب فوت ہو چکے تھے۔

شہادتوں کا ایسا طومار باندھا اور اپنے کلیدی مناصب کا ناجائز استعمال اس طرح کیا کہ قادیانی مجرمین آزادی کے ساتھ گھومتے رہے۔ اور بے قصور بلکہ مظلوم مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں کو قید وبند کی سزا دینے اور تختہ دار پر لٹکانے کا فیصلہ کیا گیا۔ [1]

اس موقع پر میاں محمود نے اپنے عدالتی بیان میں ان تمام معتقدات وخیالات سے اپنی براءت اور علیحدگی کا اظہار کیا جن پر قادیانی مذہب کا دارومدار ہے اور جو سراسر اسلام کے خلاف ہیں۔ میاں صاحب کا اپنے عقائد سے یہ ظاہری انکار وانحراف ان کی ابن الوقتی اور بزدلی کا بھرپور اور مکمل آئینہ دار ہے۔

7---عدالت میں میاں محمود کی کذب بیانی اور اصل قادیانی عقائد سے صریح انحراف پر پرجوش اور نوجوان قادیانیوں میں اضطراب پھیل گیا۔ چنانچہ 1953ء کے فسادات کے متعلق حکومت پاکستان کے انکوئری کمیشن کی رپورٹ شائع ہونے کے بعد حفاظت کے تمام سامان کے باوجود ربوہ کی مسجد میں میاں محمود پر ایک قادیانی نوجوان نے چاقو سے حملہ کر دیا جو میاں صاحب کی شہ رگ پر لگا، لیکن ابھی خدائے تعالیٰ میاں صاحب کو بہت کچھ دکھلانا چاہتا تھا اس لیے زندہ رکھا۔

8---میاں صاحب اپنے باپ کی طرح ابتدا ہی سے مراق ونسیان جیسے امراض کا شکار تھے لیکن ابھی انھیں بڑے بڑے مصائب جھیلنے تھے بلکہ مرقع عبرت بننا تھا۔ چنانچہ 26 فروری 1955ء کو ان کے دائیں پہلو پر فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کی حرکت اور قوت گویائی معطل ہو گئی اور دماغ بھی ناکارہ ہو گیا۔ دو سال تک وقفے وقفے سے یہ مرض گھٹتا بڑھتا رہا۔ مگر 1957ء سے اس نے ایسی مزمن شکل اختیار کر لی کہ میاں صاحب لا یموت فیھا ولا یحییٰ کی تصویر بنے رہے۔ تقریباً 8 برس تک اس عذاب الیم کی اس کیفیت میں مبتلا رہ کر 1965ء میں انتقال کیا۔ اس دوران ان کے ہوش وحواس بجا نہیں تھے۔ الٹی سیدھی

---

[1] (مولانا مودودی کو پھانسی دینے کا فیصلہ اسی سلسلے میں کیا گیا تھا۔ جسے عالم اسلام کے سخت احتجاج کی بنا پر عمر قید سے بدل دیا گیا تھا۔)

باتیں کرتے کرتے اکثر رونے لگ جاتے تھے۔ تکلیف و کرب سے چلاتے تھے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ تختے کی مانند کبھی کبھی اسٹیج پر لائے جاتے تھے' ٹانگوں میں کھچاوٹ اور اکڑاؤ ہو گیا تھا اور چلانے کی کوئی ممکن کوشش کامیاب نہیں ہوتی تھی۔ [1]

یاد رہے کہ مرزا صاحب نے فالج کو "دکھ کی مار" کہا تھا [2] اور اپنے دشمنوں کے سلسلے میں مجنون اور مفلوج ہونے کی بد دعا بھی کی تھی۔ ڈاکٹر ڈوئی آف امریکہ پر فالج کا حملہ ہوا تو مرزا صاحب نے اسے عذاب الٰہی قرار دے کر اس کی کیفیت کا نقشہ اس طرح کھینچا تھا۔

"آخر کار اس پر فالج گرا اور ایک تختہ کی مانند اس کو اٹھا کر مجلسوں میں لے جاتے رہے اور پھر بہت غموں کے باعث پاگل ہو گیا اور حواس بجا نہ رہے۔" [3]

ٹھیک یہی نقشہ مرزا صاحب کے صاحب زادے کا ہوا۔ ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله و هو اعلم بالمهتدين.

میاں محمود اپنے کردار کے آئینہ میں

آیئے! ایک نظر میاں محمود کے کردار پر بھی ڈالتے چلیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مرزا صاحب نے کس قسم کی جماعت تیار کی تھی اور قادیانی امت کس قماش کے لوگوں کا مجموعہ ہے۔

میاں محمود کے چال چلن پر آغاز جوانی ہی سے سنگین قسم کے الزامات لگتے رہے ہیں:

(الف)۔۔۔ ان کے طالب علمی اور نوجوانی کے ایام میں خود مرزا قادیانی کے حین حیات بدکاری اور زناکاری کے الزامات لگے اور اس معاملے نے اتنی سنگینی اختیار کی کہ خود مرزا صاحب کو اس کی تحقیق کے لیے کمیشن مقرر کرنا پڑا۔ لیکن پورے چار گواہ نہ مل سکنے کی وجہ سے ثبوت ناقص سمجھا گیا۔

(ب)۔۔۔ 1927ء میں میاں محمود کے مرید خاص مولوی عبدالکریم اور ان

---

[1] (المنبر جنوری 1968) [2] (انجام آتھم ص 61)

[3] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 72)

کے رفقاء نے میاں محمود پر علانیہ زناکاری کا الزام لگایا اور ثبوت مہیا کیے اور میاں محمود کو مباہلہ کا چیلنج کیا' لیکن میاں محمود کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور انھوں نے مباہلہ کا معاملہ کسی نہ کسی طرح ٹال دیا۔ البتہ اپنے خصوصی مددگاروں کی مدد سے مولوی عبدالکریم اور ان کے ایک ساتھی پر قاتلانہ حملہ کرادیا جس سے مولوی عبدالکریم تو جانبر ہو گئے لیکن ان کا ساتھی مر گیا۔ پھر مولوی عبدالکریم پر اس طرح عرصہ حیات تنگ کیا کہ بالآخر انھیں قادیان سے ہجرت کرتے ہی بنی۔ [1]

(ج)۔۔۔ یکم مارچ 1934 کو لاہور کے سسل ہوٹل میں پانچ بجے سے ساڑھے نو بجے رات تک "ناچ اور وسٹ ڈراؤ" ہونے والا تھا۔ ہوٹل کی منتظمہ ایک اطالوی حسینہ تھی۔ عین وقت پر معینہ پروگرام کے برعکس "وسٹ ڈراؤ" کے بجائے ناچ کا بینڈ بجنا شروع ہوا۔ مجمع نے پروگرام کی اس اچانک تبدیلی کی بابت استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ "وسٹ ڈراؤ" کا سارا سامان منتظمہ کے کمرے میں بند ہے اور منتظمہ کو مرزا بشیر الدین محمود صاحب اپنے ساتھ موٹر کار میں بٹھا کر کہیں لے گئے ہیں۔ اس پر اخباری اور عوامی حلقوں میں خاصا شور برپا ہوا جو دو ڈھائی ہفتے تک جاری رہا۔ آخر میاں محمود نے الفضل 18/ مارچ 1934 کے شمارے میں اطالوی حسینہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا اعتراف کیا مگر اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں اس لیڈی کو اپنی بیویوں اور لڑکیوں کی انگریزی تعلیم کے لیے لایا تھا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ایک اطالوی عورت اور وہ بھی ہوٹل کی خادمہ انگریزی کیا پڑھا سکتی ہے' جب کہ اطالوی لوگ انگریزی کا صحیح تلفظ بھی نہیں کر پاتے۔ [2]

(د)۔۔۔ شیخ عبدالرحمٰن مصری میاں محمود کے خاص الخاص لوگوں میں سے تھے۔ بڑے ثقہ اور راسخ العقیدہ قادیانی تھے۔ اور مدرسہ احمدیہ قادیان کے پرنسپل بھی تھے۔ انھوں نے 1937ء میں مجبور ہو کر میاں محمود کو تین خطوط لکھے اور انھیں متنبہ کیا کہ وہ اپنی

---

[1] (المنبر جنوری 1968ء نیز قتل وغارت کے واقعات کے سلسلے میں دیکھیے اخبار اہل حدیث امرتسر متعلقہ کی متعدد فائلیں) [2] (دیکھیے اہل حدیث امرتسر 16/ اپریل 1934!)

ناپاک حرکتوں سے توبہ کریں اور اپنا چال چلن درست کریں ورنہ ان کا معاملہ ایک تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ مگر اس کے جواب میں میاں محمود نے مصری صاحب اور ان کے رفقاء پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ بعض پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ بالآخر مصری صاحب نے بیعت توڑ دی اور اس کے اسباب اس طرح بیان کیے۔

"موجودہ خلیفہ (میاں محمود احمد) سخت بد چلن ہے۔ یہ تقدس کے پردہ میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لیے اس نے مردوں اور عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ سے یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔" [1]

شیخ عبدالرحمٰن مصری کے ساتھ جن لوگوں نے خلیفہ محمود کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تھی انھیں میں ایک صاحب فخر الدین ملتانی تھے جن پر علیحدگی کے بعد قادیانیوں نے چاقو سے حملہ کیا اور ایسا کاری زخم لگایا کہ بالآخر انھیں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ انھیں ملتانی صاحب کا ایک بیان خود میاں محمود کے ایک مرید نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میں خدا کی قسم کھا کر یہ بھی کہتا ہوں کہ اس (فخر الدین ملتانی) نے ایک دن اپنے مکان کے پاس کھڑے ہو کر کہا تھا کہ تحریک جدید کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ پہلے تو لڑکوں کو تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اب جمع شدہ مل جاتے ہیں۔ اس جگہ اس کا مفہوم نہایت گندہ اور حضور پر کمینہ حملہ تھا۔" [2]

(ہ)۔۔۔ 1956 میں قادیانیوں کی ایک جماعت میاں محمود کے دائرہ خلافت سے علیحدہ ہو گئی۔ اس نے اپنا نام حقیقت پسند پارٹی رکھا۔ اس پارٹی نے میاں محمود کی جابرانہ'

---

[1] (دیکھیے المنبر جنوری 1968 ص 18۔۔ قادیانی خواتین کی یہی سوسائٹی ہے جسے لجنۃ اماء اللہ کے نام سے منظم کیا گیا ہے۔)

[2] (دیکھیے اہل حدیث امر تسر 27/ اگست 1937 حوالہ فاروق قادیان 6/ اگست 1937)

متمردانہ اور متکبرانہ روش کے ساتھ ساتھ ان کی بھیانک بدکرداریوں کے ڈھول کا پول بھی کھولا ہے اور ان کو بار بار چیلنج بھی دیا ہے۔اس سلسلے میں میاں محمود کے ایک قریبی مرید محمد یوسف ناز کے شائع کردہ ایک اشتہار کے یہ الفاظ عبرت کے لیے کافی ہیں کہ:

''میں موکد بعذاب حلف اٹھاتا ہوں کہ میں اپنے علم' مشاہدہ اور رؤیت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بنا پر خدا کو حاضر ناظر جان کر اس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ربوہ نے خود اپنے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد سے زنا کروایا۔اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔اس بات پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ بالمقابل حلف اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔'' [1]

(و)۔۔۔میاں محمود کا دستور تھا کہ وہ مردوں میں درس قرآن نہیں دیتے تھے۔ قادیان میں مرد درس قرآن کو ترس گئے' لیکن وہ ہر جمعرات کو بڑی باقاعدگی کے ساتھ مستورات کو اپنے قصر خلافت میں اپنے درس سے سرفراز کرتے تھے۔اور یہ سلسلہ غالباً آغاز علالت تک جاری رہا۔ [2]

میاں محمود کے ان افعال و کردار کی حیثیت اگر محض ذاتی کردار کی ہوتی تو ہم انھیں ہرگز نقل نہ کرتے لیکن ان واقعات سے جو تلخ ترین حقیقت سامنے آتی ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ان واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قادیانی امت نہ صرف یہ کہ ایک آبرو باختہ اور بدعمل امت ہے بلکہ اس امت میں نفس کی پاکیزگی اور اخلاق و کردار کی صفائی کا احساس و شعور رکھنے والوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں اور اس کا دائرہ شرفا اور راست باز لوگوں کے لیے تنگ ہے۔

---

[1] (المنبر لائل پور اپریل 1968ص 13)

[2] (ایضاً بابت فروری 1967ء ص 17)

خلیفہ ثالث مرزا ناصر احمد

میاں محمود جب جیتے جی ناکارہ اور عملاً معزول ہو گئے تو قادیانیوں نے ایک نگران بورڈ قائم کیا۔ کیوں کہ ان کے نزدیک خلیفہ کا عزل کسی بھی صورت میں جائز نہ تھا۔ اس بورڈ کی نگرانی میں مرزائی انجمنوں اور اداروں کے جملہ انتظام وانصرام دے دیے گئے اور اس کا صدر میاں محمود کے بڑے صاحب زادے مرزا ناصر احمد کو بنادیا گیا۔ اور دیگر محکموں کے افسران اعلیٰ خاندان خلافت کے ممبران کو مقرر کیا گیا اور مرزا ناصر احمد کی خلافت کے لیے اسی ڈھنگ سے تیاری شروع ہو گئی جس ڈھنگ سے میاں محمود نے انصار اللہ کی جماعت تیار کر کے 1914ء میں خود خلافت حاصل کی تھی۔ چنانچہ میاں محمود کے مرتے ہی 1965ء میں مرزا ناصر کو قادیانی امت کا خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ جن کا دور خلافت ابھی جاری ہے۔

مرزا ناصر صاحب نے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے 1966 میں ربوہ کے اندر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد اقصیٰ قرار دیا۔ اس مسجد کے شمال مشرقی گوشے پر ایک سو پچاس فٹ بلند ایک منار کی تعمیر کا منصوبہ بھی اسی وقت سے منظور شدہ ہے۔ اس منارے کا بالائی حصہ پورے کا پورا شیشہ کا ہوگا۔ [1]

مرزا ناصر نے زمام خلافت سنبھالنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد 1967 میں یورپ کا ایک تفریحی دورہ کیا۔ برطانیہ بھی پہنچے اور اپنے اولیائے نعمت سے مل کر جب پاکستان واپس آئے تو بیان فرمایا کہ سفر یورپ سے پہلے مجھے بھی وحی ہوئی تھی۔ [2] گویا باپ اور دادا کے بعد پوتے صاحب بھی سات سواروں میں شامل ہو گئے۔

مرزا ناصر کے دور خلافت میں قادیانیوں نے اپنی سازشی حرکت تیز سے تیز تر کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں پاکستان پر قادیانی حکومت قائم ہو جانے کے خواب دیکھنے لگے

---

[1] (ایضاً ہفت روزہ المنبر 6/ جنوری 1967)

[2] (الاعتصام لاہور 6/ اکتوبر 1967)

اور اپنی باریک ترین حکمت عملی کے ذریعہ دسمبر 1971 میں پاکستان کی تقسیم کا باعث بنے اور بالآخر انھوں نے اپنے کلیدی عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مکمل قادیانی اقتدار کے لیے بڑی تیزی کے ساتھ پے در پے ایسے اقدامات کیے جن کے نتیجہ میں اچانک پورے پاکستان میں زبردست ہیجان برپا ہو گیا اور ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طویل اور صبر آزما بحث و تمحیص اور تحقیق و تفتیش کے بعد قادیانیوں کو امت مسلمہ سے علیحدہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ (کسی قدر تفصیل آگے آ رہی ہے)

قادیانیت ایک مستقل مذہب

اور

قادیانی ایک متوازی امت

پچھلے ابواب میں ہم نے مرزا صاحب کے عقائد اور دعاوی کی جو تصویر پیش کی ہے اس سے اسلامی عقائد و مسائل اور حقائق کا شعور رکھنے والا ہر انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قادیانیت دین اسلام سے قطعی جداگانہ مذہب و دین ہے اور امت قادیانیہ' امت مسلمہ سے الگ تھلگ ایک نئی اور مستقل امت ہے۔ یہ مرزا صاحب کے پیش کردہ دعاوی اور عقائد کا منطقی نتیجہ تو تھا ہی لیکن خود مرزا صاحب اور ان کی امت نے بڑی صفائی کے ساتھ اس کے لوازمات کی خانہ پری کر دی ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت ان امور کی نشاندہی کر دیں جن کے ذریعہ مرزا صاحب نے اپنی امت کو امت مسلمہ سے علیحدہ کیا اور جن کے نتیجے میں منطقی طور پر اسے علیحدہ ہونا ہی چاہیے تھا۔

1۔۔۔ علیحدگی کی سب سے پہلی بنیاد مرزا صاحب کا دعوائے نبوت ہے یہ ایک کھلا ہوا اور مسلمہ اصول ہے کہ ایک شخص کو نبی ماننے والے اور اسے نبی نہ ماننے والے قطعی طور پر الگ الگ دو امت ہو جاتے ہیں۔ انھیں ایک امت کے دو فرقوں سے کسی طرح تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

2۔۔۔ دعوائے نبوت کا لازمی تقاضا ہے کہ جو لوگ اس نبوت پر ایمان نہ لائیں انھیں کافر قرار دیا جائے۔ چنانچہ قادیانیوں نے یہی کیا بھی ہے کہ مرزا صاحب کا دعوائے نبوت تسلیم نہ کرنے والوں کو دوٹوک الفاظ میں کھلم کھلا کافر قرار دیا ہے اور قادیانی امت کے مقابل میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی ٹھیک وہی حیثیت قرار دی ہے جو امت محمدیہ کے مقابل میں یہود اور نصاریٰ کی ہے۔ ظاہر ہے جب امت محمدیہ اور یہود و نصاریٰ ایک امت نہیں ہیں بلکہ الگ الگ تین امتیں ہیں۔ تو قادیانی امت اور امت محمدیہ

کیوں کر ایک امت ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں مرزا صاحب اور دیگر ذمہ دار قادیانیوں کے بیانات حسب ذیل ہیں۔

(الف) مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"کفر دو قسم پر ہے: (اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا۔ اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کا منکر کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" [1]

"جو مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اگر وہ مومن ہے تو میں بوجہ افترا کرنے کے کافر ٹھہرا۔ کیوں کہ ان کی نظر میں میں مفتری ہوں۔" [2]

"خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔" [3]

مرزا صاحب کا ایک "الہامی" شعر اس طرح ہے۔

چو دور خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

اس شعر کی تشریح مرزا صاحب کے منجھلے صاحب زادے میاں بشیر احمد نے

---

[1] (حقیقۃ الوحی ص 179)

[2] (ایضاً حقیقۃ الوحی ص 163)

[3] (مرزا جی کا خط مندرجہ الذکر الحکیم نمبر 4 ص 43 مورخہ 24/ مئی 1906)

اس طرح کی ہے:

"اس الہامی شعر میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ کفر و اسلام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے غیر احمدیوں (یعنی غیر قادیانیوں) کو مسلمان بھی کہا ہے اور پھر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے۔ مسلمان تو اس لیے کہا ہے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور جب تک یہ (نام) استعمال نہ کیا جائے لوگوں کو پتا نہیں چلتا کہ کون مراد ہے۔ مگر ان کے اسلام کا اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ وہ اب خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پھر نئے سرے سے مسلمان کیا جائے۔" [1]

میاں بشیر احمد مزید لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی اس تحریر سے بہت سی باتیں حل ہو جاتی ہیں اول یہ کہ حضرت (مرزا) صاحب کو اللہ نے الہام کے ذریعہ اطلاع دی کہ تیرا انکار کرنے والا مسلمان نہیں اور نہ صرف یہ اطلاع دی بلکہ یہ حکم دیا کہ تو اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھ۔ دوسرے یہ کہ حضرت (مرزا) صاحب نے عبدالحکیم خان کو جماعت سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ مسیح موعود (مرزا صاحب) کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے۔ چوتھے یہ کہ جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے لیے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔۔۔ چھٹے یہ کہ جو مسیح موعود (مرزا صاحب) کے منکروں کو راست باز قرار دیتا ہے اس کا دل شیطان کے پنجے میں گرفتار ہے۔" [2]

(ب) مرزا صاحب کے خلیفہ اول اور دست راست حکیم نورالدین صاحب کا ارشاد ہے:

---

[1] (کلمۃ الفضل مندرجہ ریویو جلد 14 نمبر 3 ص 143)

[2] (ایضا ریویو ص 125)

"ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ اب بتلاؤ یہ اختلاف فروعی کیوں کر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے: لا نفرق بین احد من رسله لیکن حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے انکار میں تو یہ تفرقہ ہوتا ہے۔" [1]

(ج) مرزا صاحب کے خلیفہ دوم اور ان کے فرزند دلبند گرامی ارجمند میاں محمود فرماتے ہیں:

"آپ (یعنی مرزا غلام احمد) نے اس شخص کو بھی جو آپ کو سچا جانتا ہے، مگر مزید اطمینان کے لیے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھہرایا ہے بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن ابھی بیعت میں اسے توقف ہے کافر ٹھہرایا ہے۔" [2]

"جو مسلمان حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔" [3]

انھی مرزا محمود صاحب نے 1922 میں گورداس پور کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا:

"ہم چوں کہ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور غیر احمدی آپ کو نبی نہیں مانتے اس لیے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کہ کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔ غیر احمدی کافر ہیں۔" [4]

---

[1] (الحکم 21-28/ فروری 1911)

[2] (تشحیذ الاذہان جلد 6 نمبر 4 ص 141 اپریل 1911)

[3] (آئینہ صداقت ص 35)

[4] (الفضل قادیان 26-28 جون 1922)

(د) مرزا صاحب کے منجھلے صاحب زادے میاں بشیر احمد کا ارشاد ہے:

''ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے' مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا ہے یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو تو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا جی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' [1]

''مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے۔ جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے لیے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔'' [2]

(ہ) ایک سر برآوردہ قادیانی محمد فضل لکھتا ہے:

''یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلاف ہے کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے اور مخالف مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ اختلاف فروعی کیوں کر ہوا؟'' [3]

(و) ایک اور سر برآوردہ قادیانی قاضی یوسف رقم طراز ہے

''جری اللہ فی حلل الانبیا '' [4] سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت احمد (مرزا غلام احمد) علیہ السلام ایک عظیم الشان نبی اللہ اور رسول اللہ ہیں اور ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے۔'' [5]

(ز) عالمی شہرت کے حامل قادیانی ڈپلومیٹ چودھری سر ظفر اللہ کی بابت اخبار الفضل رقم طراز ہے۔

''چودھری (سر ظفر اللہ) صاحب کی بحث تو صرف یہ تھی کہ ہم احمدی

---

[1] (کلمۃ الفضل مندرجہ ریویو آف ریلیجنز ج 14 نمبر 3 ص 110)

[2] (ایضاً ایضاً ص 125) [3] (نہج المصلی ص 274)

[4] یہ مرزا صاحب کی ایک ''الہامی'' عبارت ہے جس کے ساتھ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو متصف گردانا ہے اور آپ کی امت آپ کے لیے اس جملہ کو بطور لقب استعمال کرتی ہے۔

[5] (النبوۃ فی الاسلام الاعتصام 17 رمئی 1968)

مسلمان ہیں، ہم کو کافر قرار دینا غلطی ہے۔ باقی غیر احمدی کافر ہیں یا نہیں؟ اس کے متعلق عدالت ماتحت میں بھی احمدیوں کا یہی جواب تھا کہ ہم ان کو کافر کہتے ہیں۔" اور ہائی کورٹ میں بھی چودھری صاحب نے اس کی تائید کی۔" [1]

اس موضوع پر (یعنی قادیانیوں کی طرف سے امت مسلمہ کو کافر قرار دیئے جانے کے موضوع پر) قادیانی نصوص اس کثرت سے ہیں کہ ان کا استقصاء مشکل ہے۔

3- قادیانی اسلام اور محمدی اسلام الگ الگ

مسلمانوں کی تکفیر کا یہ منطقی نتیجہ ہوا کہ قادیانی حضرات نے اپنے "اسلام" کو اس اسلام سے قطعی علیحدہ اور جداگانہ قرار دیا جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جس کی پیروی امت مسلمہ کرتی ہے۔ چنانچہ خلیفہ ثانی مرزا محمود کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں کہ:

"یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جزو میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" [2]

اسی طرح

"خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔" [3]

اور خود خلیفہ ثانی کا ارشاد ہے کہ:

"ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور۔ اور ان کا خدا اور ہے اور

---

[1] (الفضل 14/ اکتوبر 1922) [2] (ایضاً 30 جولائی 1931)

[3] (ایضاً 31/ دسمبر 1914)

ہمارا اور۔ ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور اور اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔" [1]

یعنی قادیانیوں کا خدا الگ' رسول الگ کتاب الگ اور پوری شریعت الگ۔ خلاصہ یہ کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی بھی وجہ اشتراک موجود نہیں۔

4---پھر ان بنیادی اختلافات کا عملی طور پر جو نتیجہ ظہور پذیر ہو سکتا تھا اسے خود قادیانیوں ہی نے آخری مرحلے تک پہنچا دیا۔ انھوں نے مسلمانوں پر کفار سے متعلق تمام فقہی احکام جاری کیے اور تمام مظاہر حیات میں اپنے آپ کو ان سے علیحدہ کر لیا۔ خود قادیانیوں ہی کے فرمودات کی روشنی میں اس کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے جو یہ ہے:

(الف) قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں مرزا صاحب ایک "الہام" کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"اس کلام الٰہی سے ظاہر ہے کہ (میری) تکفیر کرنے والے اور تکفیر کی راہ اختیار کرنے والے ایک ہلاک شدہ قوم ہے۔ اس لیے وہ اس لائق نہیں ہے کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ پس یاد رکھو' جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمھارے پر حرام ہے' تمھارے پر حرام ہے۔ اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔" [2]

"صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمھاری نصرت اور فتح عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔" [3]

---

[1] (ایضا 21/اگست 1917)

[2] (اربعین نمبر 3 ص 34 حاشیہ تحفہ گولڑیہ ص 18)

[3] (الحکم قادیان 10/اگست 1902)

مرزا محمود کا ارشاد ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ باہر سے لوگ اس کے متعلق بار بار پوچھتے ہیں، میں کہتا ہوں تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی دفعہ ہی میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں، جائز نہیں، جائز نہیں۔" [1]

"ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیوں کہ ہمارے نزدیک وہ خدائے تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا) کے منکر ہیں۔" [2]

(ب) قادیانیوں کے نزدیک کسی مسلمان کی نماز جنازہ جائز نہیں۔ چنانچہ اخبار الفضل 15/ دسمبر 1921ء راوی ہے:

"حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھے۔"

مرزا محمود کا ارشاد ہے:

"غیر احمدی کے جنازہ کے متعلق ہم نے محکمات کو دیکھنا ہے، محکم کیا ہے؟ حضرت مسیح موعود (مرزا جی) نبی ہیں۔۔۔ نبی کا منکر اولئك هم الكفرون حقا کے فتوے کے نیچے ہے۔ محکم کیا ہے؟ کافر کا جنازہ جائز نہیں۔" [3]

"اگر یہ کہا جائے کہ ایسی جگہ جہاں تبلیغ نہیں پہنچی کوئی مرا ہو اور اس کے مر چکنے کے بعد کوئی احمدی پہنچے تو وہ جنازہ کے متعلق کیا کرے؟ اس کے متعلق

---

[1] (انوار خلافت ص89)

[2] (ایضاً ص90)

[3] (الفضل 4 و6/ اپریل 1915)

یہ ہے کہ ہم تو ظاہر ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ چوں کہ وہ ایسی حالت میں مرا ہے کہ خدا تعالیٰ کے رسول اور نبی (مرزا جی) کی پہچان اسے نصیب نہیں ہوئی۔ اس لیے ہم اس کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔'' ❶

یہی نہیں بلکہ قادیانی حضرات کسی غیر قادیانی کے بچے کی بھی نماز جنازہ جائز نہیں سمجھتے۔ چنانچہ میاں محمود اس سوال کا کہ غیر قادیانی کا بچہ مسیح موعود (مرزا جی) کا منکر نہیں اس لیے اس کی نماز جنازہ کیوں نہ پڑھی جائے؟'' یہ جواب دیتے ہوئے کہ ''اگر یہ جائز ہو تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کی نماز جنازہ کیوں نہ پڑھی جائے؟ لکھتے ہیں:

غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا۔ اس لیے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔'' ❷

''جس طرح عیسائی کے بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح کسی غیر احمدی بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔'' ❸

بلکہ مرزا صاحب کے منجھلے صاحب زادے میاں بشیر احمد نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا:

''میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں' کیوں کہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہیں۔'' ❹

''الفضل'' 17 اکتوبر 1921ء کے شمارے میں ایک باضابطہ اعلان شائع ہوا کہ

''قانون یہ ہے کہ جو شخص حضرت مرزا صاحب کا انکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کے لیے دعا اور استغفار جائز نہیں۔''

اور یہی سبب تھا کہ سر ظفر اللہ خاں نے بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی حالاں کہ ظفر اللہ خاں اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔

---

❶ (ایضاً 6 مئی 1915ء) ❷ (انوار خلافت ص 93)

❸ (الفضل جلد 9 نمبر 72) ❹ (ایضاً جلد 10 نمبر 32)

(ج) شادی اور بیاہ کے سلسلے میں بھی قادیانیوں نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ہم پلہ قرار دیا ہے یعنی جس طرح ایک مسلمان مرد کے لیے یہودی یا عیسائی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن مسلمان لڑکی کو کسی یہودی یا عیسائی مرد کے نکاح میں دینا جائز نہیں۔ بعینہٖ یہی موقف مسلمانوں کے بارے میں قادیانیوں کا ہے کہ ایک قادیانی مرد تو مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن اپنی (قادیانی) لڑکی کو کسی مسلمان کے نکاح میں نہیں دے سکتا۔ چنانچہ میاں محمود کا ارشاد ہے:

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے۔ اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔" [1]

"غیر احمدیوں کو لڑکی دینے سے بڑا نقصان پہنچتا ہے اور علاوہ اس کے وہ نکاح جائز ہی نہیں۔" [2]

"جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعود (مرزا جی) کو نہیں سمجھتا اور نہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دے دے؟ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔" [3]

اسی طرح میاں محمود صاحب یہ بیان کرتے ہوئے کہ ایک قادیانی نے اپنی لڑکی کو کسی غیر قادیانی کے نکاح میں دینا چاہا تو اس پر مرزا صاحب نے سخت ناراضی کا اظہار کیا۔" فرماتے ہیں:

"آپ (مرزا) سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش

---

[1] (برکات خلافت (مجموعہ تقاریر مرزا محمود) ص 75)

[2] (ایضاً ص 73) [3] (ملائکۃ اللہ ص 46 (ماخوذ از تصویر مرزا ص 180))

کیا مگر آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے لڑکی غیر احمدیوں کو دے دی تو حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا۔ اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی۔ باجود یہ کہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔" [1]

اس معاملہ کی نوعیت صاف کرتے ہوئے یا یوں کہہ لیجیے کہ اس مسئلہ کو "مدلل" کرتے ہوئے قادیانی اخبار "الحکم" لکھتا ہے:

"غیر احمدیوں کی ہمارے مقابلے میں وہی حیثیت ہے جو قرآن حکیم ایک مومن کے مقابلے میں اہل کتاب کی قرار دے کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن اہل کتاب عورت کو بیاہ لا سکتا ہے مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا۔ اسی طرح ایک احمدی، غیر احمدی عورت کو اپنے حبالہ عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعت اسلام (مراد قادیانی شریعت ہے۔ن) کے مطابق غیر احمدی مرد کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔ حضور (مرزا صاحب) فرماتے ہیں غیر احمدی کی لڑکی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہیں دینی چاہیے۔ اگر ملے تو بے شک لو، لینے میں حرج نہیں، دینے میں گناہ ہے۔" [2]

اسی طرح دوسرا قادیانی ترجمان "اخبار الفضل" اپنے 17/ اکتوبر 1920 کے شمارے میں لکھتا ہے:

جس طرح اہل کتاب عورت کا وہ درجہ نہیں جو ایک مومنہ اور مسلمہ کا ہے بلکہ یہودیہ اور نصرانیہ عورت پر مومنہ عورت کو ترجیح ہے اسی طرح ایک

---

[1] (انوار خلافت ص 93-94) [2] (الحکم 14/ اپریل 1908ء)

احمدی عورت کو غیر احمدی عورت پر فضیلت حاصل ہے۔“

اہل اسلام اور قادیانیوں کے درمیان جن اختلافات کا ذکر اس باب کے آغاز سے اب تک ہم نے کیا ہے ان کا تجربہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کے منجھلے صاحب زادے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں:

”حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں' ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی اور دوسرا دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔ اور دنیوی تعلقات کا ذریعہ رشتہ وناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے ہیں۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی بھی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔“ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی امت' امت مسلمہ کے ساتھ اپنے ان اختلافات کی وجہ سے ایک قطعی علیحدہ اور مستقل امت بن گئی ہے اور تعلق کی تھوڑی سی جو اجازت (مسلمہ عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت کی صورت میں) باقی رہ گئی ہے۔ اس سے ان دونوں کے دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ امت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح کہ اتنا سا تعلق رکھتے ہوئے بھی مسلمان اور عیسائی دو الگ الگ امتیں ہیں۔

5--- قادیانی اکابر نے اپنی امت کو اسلام کے متبرک مقامات اور روحانی مراکز' مذہبی شعار اور مقدس ہستیوں اور شخصیتوں کے مقابل میں نئے متبرک مقامات' نئے روحانی

---

[1] (کلمۃ الفصل شائع شدہ ریویو آف ریلیجنز ص 169)

مراکز' نئے مذہبی شعار اور نئی شخصیتیں عطا کیں اور اس طرح ان کی عقیدت و محبت کے مراکز کو بدل کر رکھ دیا۔ انھوں نے مرزا صاحب کے رفقاء کو صحابہ کرام کا ہم پلا قرار دیا۔ (یاد رہے کہ مرزا صاحب خود بھی انھیں یہی درجہ دیتے تھے) چنانچہ ایک ذمہ دار قادیانی لکھتا ہے:

"ان دونوں گروہوں (صحابہ کرام اور مرزا غلام احمد کے رفقاء) میں تفریق کرنی یا ایک دوسرے سے مجموعی رنگ میں افضل قرار دینا ٹھیک نہیں۔ یہ دونوں فرقے در حقیقت ایک ہی جماعت میں ہیں۔ صرف زمانے کا فرق ہے۔ وہ بعثت اولیٰ کے تربیت یافتہ ہیں اور یہ بعثت ثانیہ کے۔" [1]

اسی طرح قادیانی حضرات مرزا صاحب کے مدفن کو مرقد رسول اور گنبد خضرا کا مماثل و شبیہ بتاتے اور قادیان کے جلسہ میں شرکت کو حج اکبر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قادیان کا شعبہ تربیت اپنے شرکائے اجلاس کی دینی بے حسی کی شکایت کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

"کیا حال ہے اس شخص کا جو قادیان دارالامان میں آئے اور دو قدم چل کر مقبرہ بہشتی میں حاضر نہ ہو۔ اس میں وہ روضہ مطہرہ ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ (مرزا) کا جسم مبارک مدفون ہے۔ جسے افضل الرسل نے اپنا سلام بھیجا اور جس کی نسبت حضرت خاتم النبیین نے فرمایا یدفن معی فی قبری اس اعتبار سے مدینہ منورہ کے گنبد خضراء کے انوار کا پورا پر تو اس گنبد بیضا پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا اس برکات سے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور سے مخصوص ہیں۔ کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم رہے۔" [2]

حج اکبر' قادیان کے سالانہ جلسے کو کہا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ قادیان ارض حرم کے ہم پلہ ہے اور وہاں کی مسجد' مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے برابر ہے۔ اور وہاں کے نشیب و فراز منیٰ' مزدلفہ اور عرفات کا درجہ رکھتے ہیں۔

---

[1] (الفضل 28 مئی 1918) [2] (ایضاج 10 نمبر 48)

یہ محض ہمارا تخیل نہیں ہے بلکہ قادیانی حضرات واقعۃً اسی کے قائل ہیں۔ خود مرزا صاحب کا ارشاد ہے:

زمین قادیان اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے
عرب نازاں ہے گر ارض حرم پر
تو ارض قادیان فخر عجم ہے [1]

”قادیان یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔“ [2]

”میں تمھیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے۔ یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔“ [3]

”اس معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر فرما ہوئے وہ مسجد اقصیٰ یہی ہے جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے۔“ [4]

نوٹ: یاد رہے قادیان میں مرزا صاحب کی ایک مسجد تھی جسے وہ مسجد اقصیٰ قرار دیتے تھے محولہ بالا عبارت میں مرزا صاحب اسی مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو اس مسجد اقصیٰ کی طرف معراج نہیں ہوئی تھی جو بیت المقدس میں واقع ہے بلکہ اس مسجد اقصیٰ کی طرف ہوئی تھی جو واقعہ معراج کے ہزاروں سال بعد قادیان میں تعمیر ہوئی تھی۔ سبحان اللہ قربان جایئے اس پیغمبرانہ انکشاف پر۔!

---

[1] (در ثمین ص 52) [2] (دافع البلاء ص 10)

[3] (الفضل 11/دسمبر 1932)

[4] (دیباچہ خطبہ الہامیہ)

مرزا محمود خلیفہ دوم آف قادیان کا ارشاد ہے:

"قادیان کی زمین حرم کا نام پائے گی۔۔۔ پس ہمارا جلسہ شعائر اللہ ہے بلکہ آنے والا شعائر اللہ ہے۔" ❶

"قادیان وہ مقام ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے تمام دنیا کے لیے ناف کے طور پر بنایا ہے اور اس کو جہان کے لیے ام قرار دیا ہے کہ ہر ایک فیض دنیا کو اس مقدس مقام سے حاصل ہو سکتا ہے۔" ❷

"قادیان تمام بستیوں کی ام (ماں) ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا' تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں کا دودھ سوکھ بھی جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔" ❸

"(میں) ان لوگوں سے متفق نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی حرمین پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ مدینہ پر بھی چڑھائی ہو سکتی ہے۔" ❹

"۔۔۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مکہ معظّمہ کا حج موقوف ہو گیا اور اس کے بجائے قادیان آنا حج کا درجہ رکھتا ہے۔" ❺

"جیسے احمدیت کے بغیر پہلا۔۔ یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر۔۔ جو اسلام باقی رہ جاتا ہے وہ خشک اسلام ہے اسی طرح اس ظلی حج (جلسہ قادیان) کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک رہ جاتا ہے۔" ❻

اسی طرح قادیانیوں نے قادیان کے بہشتی مقبرہ کو جنت البقیع سے زیادہ اہمیت دے رکھی ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جو شخص اس مقبرہ میں مدفون ہو گا وہ لازماً مستحق جنت ہو گا

---

❶ (الفضل 25 دسمبر 1925) ❷ (حقیقۃ الرویا ص 46)

❸ (ایضاً' ایضاً) ❹ (الفضل 12 ستمبر 1935)

❺ (الفضل 11 دسمبر 1932) ❻ (پیغام صلح جلد 21 نمبر 22)

اسی لیے وہ اپنے مال کا 1/10 حصہ خرچ کر کے اس میں دفن ہونا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

6--- قادیانیوں نے اپنی تقویم بھی اسلامی تقویم سے علیحدہ کر لی۔ انھوں نے تاریخ قادیانیت کے مخصوص واقعات کی بنیاد پر بارہ مہینوں کے نئے نئے نام تجویز کیے اور شمسی طریقہ تقویم کے مطابق ہر ماہ کے ایام کی تعداد مقرر کر کے 1888 سے سنہ مرزائیہ کا آغاز کیا کیوں کہ اسی سال مرزا صاحب نے پہلی بار لوگوں سے بیعت لی تھی۔ ان کے بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں:

مانع ---- سلام--- عجل ---- مبارک---الرحیل---فوق

برکات---تحت--- خیر ---- بشارت ----قبول--- فلک

یہ مہینے جنوری سے دسمبر تک کے متقابل ہیں۔ [1] بعد میں ان ناموں میں تبدیلی کر کے دوسرے بارہ نام منتخب کر لیے گئے۔

7--- قادیانی امت اور اہل اسلام کے درمیان اختلاف و مغائرت کے جتنے وجوہ اب تک پیش کیے گئے ہیں ان کا تعلق تو اسی دنیائے فانی کے اندر نمود و ظہور اختیار کرنے والے اعمال و افعال اور خیالات و معتقدات سے تھا، لیکن اہل اسلام سے قادیانیوں کی علیحدگی اتنی مستحکم ہے کہ انھیں آخرت میں بھی مسلمانوں کی ہم نشینی ورفاقت منظور نہیں۔ چنانچہ وہ مرزا صاحب کی اطاعت کے صلے میں جس خیالی جنت کے سہانے خواب دیکھتے رہتے ہیں وہاں کسی مسلمان کو پھٹکنے دینا انھیں قطعاً گوارا نہیں۔ خود اس امت کے باوا آدم (مرزا صاحب) لکھتے ہیں:

"مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا۔ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔" [2]

"اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے

---

[1] (دیکھیے کاویہ ج2 ص347) [2] (معیار الاخیار ص8)

جانتا ہے وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے۔" ❶

"اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لیے مدار نجات ٹھہرایا۔" ❷

"انھیں دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لیے کرنا بجائے گا اور اس کرنا کی آواز سے ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھینچا جائے گا۔ بجز ان لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں جو دوزخ کے بھرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں" ❸ (واضح رہے کہ اس فرقہ سے مرزا صاحب نے اپنی امت قادیانیہ مراد لی ہے)

ایک مستند قادیانی مرزا صاحب پر ایمان نہ لانے والوں کی بابت راوی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب کو فرمایا:

"ان کافروں کے واسطے ہمارے پاس جہنم موجود ہے جو قید خانہ کا کام دے گا۔" ❹

خلاصہ: یہ کہ قادیانی امت 'امت مسلمہ سے ہر چیز میں الگ ہے' ان کا خدا الگ' رسول الگ' کتاب الگ' شریعت الگ' عبادت الگ' قانون مناکحت الگ' دین اور شعائر دین الگ۔ مقامات مقدسہ الگ' تاریخی شخصیتیں الگ' تقویم اور کیلنڈر الگ' سزا و جزا کا معیار الگ' دوزخ الگ' جنت الگ' غرض وہ تمام عوامل واسباب جو ایک قوم کو دوسری قوم سے اور ایک امت کو دوسری امت سے علیحدہ اور ممتاز کرتے ہیں وہ سب کے سب یہاں موجود اور کارفرما ہیں۔ اس لیے یقیناً قادیانی امت بھی امت مسلمہ سے ایک جداگانہ اور علیحدہ امت ہے۔

---

❶ (تحفۃ الندوہ ص 4) ❷ اربعین نمبر 4 ص 6)

❸ (براہین احمدیہ ج پنجم ص 82-83) ❹ (النبوۃ فی الالہام ص 40 مولفۃ قاضی محمد یوسف قادیانی)

قادیانی تحریک کا سیاسی اور اجتماعی کردار

پس منظر

چوں کہ یہ مبحث قادیانی تحریک کے مکروہ اور خوفناک چہرے سے بہت سے دبیز پردے ہٹاتا ہے اور اس کے حقیقی خدوخال سے آشنا کرتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں اصل حقائق پیش کرنے سے پہلے ان کے پس منظر اور اسباب وعوامل کا جائزہ لے لیا جائے۔

مرزا صاحب کے سوانح نگاروں نے ان کے حالات کی جو تفصیلات قلم بند کی ہیں ان سے یہ تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ موصوف پر حرص و آزاد طمع ولالچ کا غلبہ تھا اور اس کے لیے وہ کسی بھی قسم کا ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہوئے کوئی حجاب نہیں محسوس کرتے تھے لیکن خود ان کی اپنی تحریروں سے بہت صاف طریقے پر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ایک اور بھی ہوس کا شکار تھے۔

آپ نے اپنی تصنیفات میں یہ بات بار بار دہرائی ہے کہ آپ کا خاندان ایک ذیلی ریاست کے حکمران کی حیثیت سے قادیان میں آباد ہوا تھا اور آپ کے دادا گل محمد پنجاب کے ملوک الطّوائف میں ایک اہم حیثیت کے مستقل اور خودمختار حکمران تھے۔ بعد کے انقلابات کے نتیجے میں یہ ریاست آپ کے خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

آپ کی تحریریں صاف بتلاتی ہیں کہ آپ اپنی اس کھوئی ہوئی آبائی ریاست کی واپسی کا زبردست داعیہ اپنے اندر رکھتے تھے اور ابتدائی ایام میں اسی ریاست کی واپسی کے لیے آپ نے لاہور چیف کورٹ (Chief Court) کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جس میں ناکام ہوجانا پڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ اس کی واپسی کی کوئی سبیل نہیں رہ گئی تھی۔ اس لیے صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی تھی کہ حکمران طبقے۔۔یعنی انگریزوں۔۔۔کی حمایت میں مرزا صاحب ایسے زبردست کارنامے انجام دیں اور اپنی بے لوث وفاداری کے

ذریعہ ان کا اعتماد اس طرح حاصل کریں کہ اس کے صلہ کے طور پر یہ ریاست واپس مل سکے۔ غالبا اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ مرزا صاحب انگریزوں کے بے دام غلام بنے ہوئے تھے اور ان کے اشارہ چشم وابرو پر گردش کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

دوسری طرف اس وقت ملکی اور عالمی پیمانے پر سیاسی حالات ایسی کروٹیں لے رہے تھے کہ انگریزوں کو ہندوستان میں مرزا صاحب جیسے مخلص دوستوں کی نہایت ہی سخت ضرورت تھی۔ ان حالات کا کسی قدر تفصیل سے تجزیہ کرنے کے بعد ان کا تقابل مرزا صاحب کے دعاوی اور اقدامات سے کیا جائے تو دونوں میں حیرت ناک قسم کے تعلقات کی نشان دہی ہوتی ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ قادیانی تحریک جہاں اپنی ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے ایک خالص مذہبی تحریک نظر آتی تھی وہیں حقیقت اور امر واقع کے لحاظ سے ایک خالص انگریزی سامراج کی آلہ کار اور سیاسی تحریک تھی اور یہ کہ مرزا صاحب کا مقصود، مسلم معاشرے میں تفریق وانتشار بدعقیدگی و بے عملی اور اضطراب وانارکی پیدا کر کے استعماری مقاصد کی راہ ہموار کرنا اور پنجہ استعمار کو مستحکم کرنا تھا۔

ملکی اور عالمی حالات جس سے مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے انگریزی استعمار کو انیسویں صدی کے اواخر میں سابقہ درپیش تھا اور ان کے جو تقاضے تھے ان کا خاکہ مختصراً یہ ہے

1---1857 میں انگریزی استعمار کو تقریباً ہندوستان گیر پیمانے پر ایک زبردست جھٹکا لگ چکا تھا۔ انگریزوں نے اپنے نظم وضبط اور ملکی باشندوں کی بدنظمی و بے ربطی کے سبب اگرچہ ''بغاوت'' کی اس آگ پر قابو پا لیا تھا لیکن اب وہ یہاں کے باشندوں سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے اور کسی بھی ممکنہ بغاوت سے نمٹنے کے لیے انھیں ہمہ وقت کیل کانٹے سے لیس رہنا ضروری ہو گیا تھا۔

2---1857 کی تحریک آزادی میں اگرچہ ہندو مسلم دونوں طبقوں نے بھرپور حصہ لیا تھا تاہم اس تحریک کی اصل قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے انگریز ہندوستان کے ان دونوں اہم عناصر۔۔۔ ہندو مسلم۔۔۔ میں تفریق تو ضروری سمجھتے ہی تھے لیکن مسلمانوں کا اتحاد بھی ان کے نزدیک زبردست خطرے کی علامت تھا۔ اس لیے سامراجی

نقطہ نظر سے ان کے درمیان بھی تفریق ضروری تھی۔

3---اس وقت ہندوستانی مسلمانوں میں تین اہم اور قابل لحاظ گروہ پائے جاتے تھے 'بریلوی' دیوبندی اور اہل حدیث۔۔ بریلوی حضرات مسلمان کہلانے والوں کے سواد اعظم پر مشتمل تھے اور بقیہ دونوں طبقوں یعنی اہل حدیثوں اور دیوبندیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اور انھیں زک پہنچانے کے لیے انگریزوں کی سرگرم حمایت اور دوستی کو اپنا جزو ایمان سمجھتے تھے۔ اس بارے میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ایک شہادت کافی ہو گی۔ موصوف لکھتے ہیں:

> ''سب جانتے ہیں کہ بریلی' مرحوم مولانا احمد رضا خاں کا گڑھ تھا اور وہ وہاں کے گویا بے تاج بادشاہ تھے اور ان ہی کا حکم چلتا تھا اور وہ خلافت تحریک اور ہر اس تحریک کے جانی دشمن تھے جو انگریزی راج کے خلاف ہو۔'' [1]

دیوبندی طبقے کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے جن رہنماؤں نے 1857ء کے ایک آدھ مقامی اور وقتی ہنگاموں میں حصہ لے کر انقلابی قائد کی حیثیت اختیار کر لی تھی وہ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد یا تو ملک سے ہجرت کر گئے تھے یا خانقاہ عبادت و ریاضت کے کسی گوشے میں دبک کر بیٹھ گئے تھے۔ اس دوران ان حضرات نے دیوبند میں اپنا معروف تعلیمی مرکز تعمیر کیا اور پھر ان کی دلچسپیاں تمام تر اسی ادارہ سے وابستہ ہو کر رہ گئیں۔

دیوبند کا محاذ انگریزوں کے وفادار اور غیر وفادار طبقوں اور قائدین میں تقسیم تھا۔ غیر وفادار قیادت کی طرف سے انگریزوں کے خلاف ایک آدھ نعرے ضرور بلند ہوئے اور اس میں مشبہ نہیں کہ حریت آزادی کے صحیح جذبات کے ساتھ بلند ہوئے مگر اس قسم کے نعروں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جس طرح کی مدبرانہ اور باریک تنظیم' مسلسل تگ و دو' پیہم جانفشانی کی ضرورت تھی اس کا یہاں کلی طور پر یا بہت بڑی حد تک فقدان تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے پیچھے ایک مضبوط' منظم' فعال اور تربیت یافتہ جماعت تیار کیے بغیر محض ذہنی خاکے

---

[1] (ذکر آزاد ص 120)

کی بنا پر بیرونی دنیا سے ربط قائم کر لینا اور چند حکمرانوں کے سامنے ان کی صحیح پوزیشن کا جائزہ لیے بغیر اپنے مقاصد کے لیے دست سوال دراز کر دینا تدبر و عاقبت اندیشی کے کسی خانے میں شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس طریقہ عمل سے انگریزی استعمار کی بنیادیں ہلائی جاسکتی تھیں۔

تیسرا طبقہ یعنی اہل حدیث اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے زیادہ منظم، سرگرم، پرجوش اور فعال طبقہ تھا اور اس نے اپنے سر نہایت ہی اہم ذمہ داریاں لے رکھی تھیں۔ ان کی سرگرمیوں سے انگریز خائف و سراسیمہ رہتے تھے۔ اور ان کے مجاہدانہ اقدامات کے سبب انھیں تشویش و اضطراب لاحق رہتا تھا۔ اس کی کسی قدر توضیح یہ ہے۔

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے انیسویں صدی کے آغاز میں جو تحریک جہاد برپا کی تھی اس میں ابتداءً اہل حدیث اور غیر بدعتی احناف دونوں شریک تھے لیکن حادثہ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کے بعد حنفی طبقے کی طرف سے نہ صرف یہ کہ مجاہدین کی روانگی بند ہو گئی بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد سرحد پر بچے کھچے حنفی مجاہدین بھی ہندوستان واپس آگئے اور اس تحریک کا پورا پورا بار اہل حدیثوں کے سر آرہا۔

حادثہ بالاکوٹ کے بعد مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی کے دور (۱۲۶۱ھ [۱۸۴۵ء] تا ۱۲۷۴ھ [۱۸۵۸ء]) میں مجاہدانہ سرگرمیاں پھر زور پکڑ گئی تھیں اور یہ پہلا موقع تھا جب مجاہدین کا ٹکراؤ سکھوں کی بجائے براہ راست انگریزوں سے ہو رہا تھا۔ اس تحریک کی بابت انگریزوں کی گہری تشویش کا اندازہ ان کے ہمہ گیر و جارحانہ اقدامات سے لگایا جایا جاسکتا ہے جنھیں ان انگریزوں نے "وہابیوں" کے خلاف حکومت کی پوری مشینری کو متحرک کر کے اختیار کیا تھا اور جن کی بابت خود ان کی تحریرات موجود ہیں۔

خانوادہ صادق پور کے اس شمس و قمر (مولانا ولایت علی اور عنایت علی) کے غروب ہو جانے کے بعد فضا تاریک نظر آنے لگی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ تحریک رفتہ رفتہ مضمحل ہو کر دم توڑ دے گی لیکن کچھ عرصہ بعد اس تحریک کو پھر جوان عزم و جواں ہمت اور ایمانی جوش و ولولہ سے لبریز قائدین کی خدمات حاصل ہو گئیں اور ایک وقت ایسا آگیا کہ صرف مجاہدین ہی نہیں بلکہ وہاں کے مقامی باشندوں کے بھی خفتہ اور افسردہ جذبات

شعلہ زن ہو گئے۔ نگہ بلند قائدین نے پورے یاغستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک انگریزوں کے خلاف آگ لگا دی۔ ٹھیک ان ہی ایام میں ترکوں سے بڑے حوصلہ افزا روابط قائم ہوئے اور مملکت افغانستان سے بھی بہت سی توقعات قائم کرنے کے آثار پیدا ہوئے۔ اور یہ سب کچھ ٹھیک ایسے وقت میں پیش آیا جب کہ عالمی حالات میں سخت اتھل پتھل برپا تھی۔ انگریز سخت متفکر اور سراسیمہ تھے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر ان کے مشرقی اور مغربی مقبوضات میں بیک وقت جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور ترکی جیسی طاقت نے (جو اس وقت دنیا کی چند بڑی طاقتوں میں سے ایک تھی) ہندوستان کے ان مٹھی بھر مجاہدین کا ساتھ دے دیا اور یاغستانی و افغانی قوتیں بھی ان کی ہم نوائی پر اتر آئیں تو پھر ہندوستان کے محاذ کا سنبھالنا سخت مشکل ہو گا۔ اور اگر اس کو سنبھالنے کی ہمہ گیر جدوجہد کی گئی تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے دوسرے بہت سے محاذوں پر پٹ جانا پڑے گا۔

چوں کہ ہندوستانی محاذ پر صف آرائی کی ان کوششوں کی باگ ڈور اہل حدیث طبقہ سے تعلق رکھنے والے علما اور قائدین کے ہاتھ میں تھی اس لیے انگریز سب سے زیادہ اہل حدیث حضرات ہی سے اندیشہ محسوس کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس تنظیم میں ایسے رخنے پیدا کیے جائیں کہ ایک طرف تو ان کی فوجی تنظیم کی خفیہ کڑیاں معلوم ہو جائیں اور درون ملک ان کا پھیلا ہوا جال توڑ دیا جائے اور دوسری طرف ان کا شیرازہ اس طرح منتشر ہو جائے کہ ان کی ساری قوت عمل ٹھٹھر کر رہ جائے۔

4--- انگریزوں کے خلاف مجاہدین سرحد اور ان سے تعلق رکھنے والے اندرون ملک کے مسلمانوں کے عزائم و جذبات کو تقویت پہنچانے میں ظہور مہدی اور نزول مسیح کے اعتقاد کو اہم ترین عامل کی حیثیت حاصل تھی۔ انگریز اور عام یورپین اقوام کے بسط و نفوذ اور عالم اسلام کی زبوں حالی دیکھ کر عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ ظہور مہدی اور نزول مسیح کا وقت بالکل قریب آ لگا ہے۔ یعنی یہ کہ چودھویں صدی کے آغاز میں یہ دونوں شخصیتیں ظہور پذیر ہو جائیں گی۔ اس تصور نے مسلمانان ہند کو عموماً اور مجاہدین سرحد اور ان سے وابستہ مسلمانوں کو خصوصاً پیچ در پیچ توقعات سے وابستہ کر رکھا تھا۔ مجاہدین اس تصور کی وجہ سے اپنی

کامیابی و کامرانی کے یقین سے سرشار تھے اور ان کے اندر ایک خاص قسم کا جوش و خروش پایا جا رہا تھا۔

ظہور مہدی اور نزول مسیح کے زمانہ کے قرب کے اس تصور کے گونا گوں اور معقول اسباب و وجوہ تھے جن کی توضیح مختصراً یہ ہے کہ ظہور مہدی سے متعلق متعدد مضامین کی جو احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک روایت۔۔۔ جو عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی سے مرفوعاً مروی ہے۔۔۔ کے الفاظ یہ ہیں۔

یخرج ناس من اھل المشرق فیوطون للمھدی یعنی سلطانہ (ابن ماجہ)

(یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) اہل مشرق میں سے کچھ لوگ نمودار ہوں گے جو مہدی کے لیے حکمرانی کی راہ ہموار کریں گے۔

ایک اور مرفوع روایت میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

اذا رایتم الرایات السود و قد اقبلت من قبل خراسان فائتوھا و لو حبوا علی الثلج، فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی (مسند احمد)

جب تم کالی جھنڈیاں دیکھو کہ وہ خراسان کی طرف سے آ رہی ہیں تو تم اس میں شامل ہو جاؤ اگرچہ برف پر گھسٹتے ہوئے جانا پڑے کیوں کہ اس میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

اس روایت کی تشریح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ میرے اہل بیت کو آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ ملکوں اور شہروں سے نکالے اور بھگائے جائیں گے۔

حتی یاتی قوم من اھل المشرق معھم رایات سود یسألون الحق فلا یعطونہ، فیقاتلون فینصرون فیعطون ما سألوا فلا یقبلونہ حتی یدفعوھا(الی رجل من اھل بیتی فیملؤھا) قسطا کما ملئت جورا فمن ادرک ذلک منکم

فلیأتهم و لو حبوا علی الثلج (سنن ابن ماجة)

یہاں تک کہ اہل مشرق میں سے ایک قوم آئے گی ان کیساتھ کالے جھنڈے ہوں گے۔ وہ حق مانگیں گے مگر انھیں نہیں دیا جائے گا۔ اس پر وہ جنگ کریں گے اور غالب آئیں گے۔ پھر جو کچھ انھوں نے مانگا تھا انھیں دیا جائے گا لیکن وہ اسے قبول نہ کریں گے۔ یہاں تک کہ اسے میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی کے حوالے کر دیں گے وہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ تم میں سے جو شخص اسے پائے وہ ان لوگوں کے پاس ضرور آئے اگرچہ برف پر گھسٹتے ہوئے آنا پڑے۔

ان روایات سے اتنی بات منقح ہو جاتی ہے کہ کسی مشرقی ملک میں رہنے والا حق پرست مجاہدین کا ایک گروہ کسی وقت عرب میں وارد ہوگا اور تمام رکاوٹیں دور کر کے مہدی علیہ السلام کو منصب اقتدار پر فائز کرے گا اور یہ مشرقی ملک یا تو خود خراسان ہوگا یا خراسان کے اطراف وانواح میں ہوگا۔ یہ یاد رہے کہ پچھلے دور میں خراسان کا اطلاق جس سر زمین پر ہوتا تھا اس میں افغانستان کا بیشتر حصہ اور پاکستان کے صوبہ بلوچستان کا ایک جزو بھی شامل تھا۔

اب اس سلسلے میں دو باتیں قابل تنقیح رہ جاتی ہیں:

1- کیا کسی ذریعہ سے اس مشرقی ملک کی تعیین کی جا سکتی ہے ؟2- حق پرست مجاہدین کا جو گروہ مہدی علیہ السلام کو بر سر اقتدار لائے گا خود اپنے ملک سے اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی ؟ آیا وہ ہجرت کر کے عرب پہنچے گا یا اپنے ملک میں بھی بر سر اقتدار ہوگا ؟ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں جن سے بڑی حد تک یہ دونوں امور منقح ہو جاتے ہیں۔

ایک روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل ہوا ہے:

عصابتان من امتی احرزهما الله من النار عصابة تغزو الهند واعصابة مع عیسٰی بن مریم (نسائی . مسند احمد وغیره)

یعنی میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان پر چڑھائی کرے گا' اور دوسرا وہ گروہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا۔

دوسری روایت اس سے بھی واضح تر ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یغزوا الهند بکم جیش بفتح الله علیهم حتی یأتوا بملوکهم مغللین بالسلاسل یغفر الله ذنوبهم فینصرفون حین ینصرفون فیجدون ابن مریم بالشام

(مسند نعیم ابن حماد . حجج الکرامة ص 342)

تمھارے ساتھ ہندوستان پر ایک لشکر چڑھائی کرے گا جسے اللہ فتح عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ وہاں کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے۔ اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا۔ یہ لوگ جب پلٹ کر آئیں گے تو ابن مریم کو شام میں پائیں گے۔

ان دونوں روایتوں سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ حضرت مہدی کے ظہور کے وقت مجاہدین کا ایک گروہ ہندوستان کی غیر مسلم طاقتوں سے نبرد آزما ہوگا۔ چوں کہ اطراف مشرق میں کسی اور جگہ مجاہدین کے وجود کی کوئی پیش گوئی نہیں ملتی اس لیے بجا طور پر سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے کہ مہدی کے اقتدار کی راہ ہموار کرنے والے مجاہدین بھی یہی مجاہدین ہوں گے یا ان ہی مجاہدین کے کچھ دستے ہوں گے۔

ظہور مہدی اور ان کی تائید کرنے والی اہل مشرق کی فوج کی بابت مذکورہ بالا احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث کے اندر ہر سو سال کے سرے پر ایک مجدد کے ظہور کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور یہ معلوم ہے کہ مہدی علیہ السلام ایک مجدد ہوں گے۔ اس لیے مسلمانوں کی عالمگیر زبوں حالی و کس مپرسی کو مدنظر رکھتے ہوئے جوں جوں چودہویں صدی قریب آتی جارہی تھی مسلمانان ہند کا یہ تصور پختہ تر ہوتا جارہا تھا کہ اس صدی ہجری کے آغاز میں مہدی علیہ السلام ظاہر ہو جائیں گے۔ ادھر سرحدی مجاہدین اور ان سے وابستہ طبقہ اس توقع کی بنا پر کہ مہدی کی مددگار فوج ہم ہی لوگ ہوں گے۔ اپنے شوق شہادت اور جوش جہاد میں روز بروز فزوں تر ہوتا جارہا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی تحریک کا نام خراسانی تحریک رکھا تھا۔

ظہور مہدی کے اس تصور کی پختگی کے اور بھی متعدد عوامل تھے جن کے ذکر کی

چنداں ضرورت نہیں۔ ہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ ان عوامل کی اور اس طرح گذشتہ احادیث کی استنادی حیثیت فنی اعتبار سے جیسی کچھ بھی ہو عام مسلمانوں میں اسے بہر حال شہرت حاصل ہو چکی تھی اور عوام بہر حال اس کے اہل نہیں تھے کہ ان کے ردو قبول کا فیصلہ فنی تحقیق کی خراد پر چڑھانے کے بعد کریں۔

5--- ظہور مہدی اور نزول مسیح کا عقیدہ اگر ایک طرف مسلمانوں کے لیے عزم و حوصلے کی بنیاد بنا ہوا تھا تو دوسری طرف مسلمانوں کا یہی عقیدہ انگریزوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ افریقہ میں مہدی سوڈانی نے اپنے جاں نثاروں کی مدد سے انگریزوں کی زبردست طاقت کو جس طرح زیروزبر کر ڈالا تھا اس سے انگریزوں کو اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ اتباع مہدی کا تصور کس حد تک مسلمانوں کو جذبہ جہاد' جوش قتال اور شوق شہادت سے سرشار کر دیتا ہے۔ اس لیے انگریزی استعمار کو بڑی شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ مسلمانوں کے اس عقیدے میں کوئی ایسی لطیف تبدیلی کی جائے کہ بظاہر ان کا یہ عقیدہ بھی برقرار رہ جائے اور اندر ہی اندر اس کی مضرت کا بھی اس طرح خاتمہ ہو جائے کہ مسلمانوں کا شوق شہادت اور جوش جہاد تحلیل ہو کر رہ جائے۔

ہماری پیش کردہ ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں انگریزوں کو اپنے استعمار کے بقاو تحفظ کے لیے ایسے افراد کی سخت ضرورت تھی جو:

☆--- امت مسلمہ کے سامنے ایسے مباحث اور دینی نزاعات کا آغاز کریں کہ ان میں الجھ کر ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو کار جہاں بینی و جہاں بانی کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق ہی نہ مل سکے اور ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ مسلم معاشرے کا شیرازہ زیادہ سے زیادہ انتشار و پراگندگی کا شکار ہو۔

☆--- عام مسلمانوں کو انگریزی استعمار کی وفاداری اور غلامی کا درس دیں اور ان کا ذہن اسلام کے معروف تصور جہاد سے پھیرنے کی کوشش کریں۔

☆--- نزول مسیح اور خروج مہدی کے متوارث عقیدے کو ایسے معنی اور مفہوم کا جامہ پہنائیں کہ یہ عقیدہ انگریزوں کے حق میں خطرناک نہ رہ جائے۔

☆---ایک ایسی جماعت تیار کریں جو نہایت برخورداری کے ساتھ خطرناک عزائم رکھنے والے افراد اور ان کی سرگرمیوں کا سراغ لگائے اور انگریزی حکومت کو اس سے مطلع کرے۔

☆--- مجاہدین سرحد اور ان کے ہمنوا وہابیوں (یعنی اہل حدیثوں) پر کڑی نظر رکھیں اور حتی الامکان ان کی سرگرمیوں کو ڈائنامیٹ کرنے کی کوشش کریں اور ان کی قوت و شوکت کے سرچشموں اور مراکز کا پتا لگا کر انگریزی استعمار کو ان سے مطلع کریں تاکہ انھیں آسانی کے ساتھ "خشک" کیا جا سکے۔

☆---اور اسی کے ساتھ ممکن ہو تو ہندوستان سے باہر رہنے والے ہندوستانی نژاد مسلمانوں میں تبلیغ کے بہانے گھس کر ان کے حقیقی عزائم و مقاصد کا پتا لگائیں تاکہ استعماری مفادات کی وسیع پیمانے پر حفاظت ہو سکے۔ اور مسلمانوں کے درمیان عالمگیر پیمانے پر اگر کچھ خفیہ روابط قائم ہو رہے ہوں تو ان کا بھی سراغ لگ سکے۔

انگریزوں کی ان ضروریات کو سامنے رکھ کر مرزا صاحب اور ان کی امت کی سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہو سکے گا کہ درون پردہ انگریزوں میں اور مرزا صاحب میں کس قسم کے روابط تھے۔ مرزا صاحب اور ان کی امت کی ان سرگرمیوں کی ایک اجمالی روداد آئندہ سطور میں نذر قارئین کی جا رہی ہے۔

استعمار کی بے لوث وفاداری اور خدمت

1---مرزا صاحب نے اپنے دعوائے ماموریت و مجددیت کی بنیاد پر جس طرح مسلمانوں میں ایک متحارب جماعت سازی کا آغاز کیا اور اپنے دعوؤں کی ترقی کے ساتھ ساتھ جس طرح اس جماعت کی جنگ جویانہ' مفسدانہ اور انتشار پسندانہ صلاحیتوں کو ترقی دیتے گئے اور اپنی بد زبانی' بے لگامی اور بازاری دشنام بازی سے مسلم معاشرے میں اضطراب و تفرقہ کا جو ماحول پیدا کیا اس پر خود مرزا صاحب کے ان حالات اور فرمودات سے خاصی روشنی پڑتی ہے جنھیں ہم پچھلے صفحات میں مختلف عنوانات کے تحت پیش کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ

صفحات میں بھی اس کے نمونے قارئین کو ملیں گے۔

2---جماعت اہل حدیث پر مرزا صاحب کی خصوصی نظر تھی۔ان کا طرز عمل یہ تھا کہ ایک طرف انھوں نے اس جماعت میں اپنے خصوصی مریدوں کو پھیلا رکھا تھا جو اہلحدیث طریقے کے مطابق نماز پڑھ کر اور کتاب وسنت کا نام لے کر عوام کو یہ یقین دلاتے پھرتے تھے کہ اصل اہل حدیث ہم ہی لوگ ہیں۔اس لیے ہماری جماعت میں شامل ہونا چاہیے۔ دوسری طرف آپ نے اپنے دعوائے مسیحیت کے ساتھ نمودار ہوتے ہی کبار علمائے اہل حدیث کے ساتھ مقابلے اور مناظرے کے اعلانات اور چیلنج شائع کرنا شروع کر دیا تھا جس سے انھیں توقع تھی کہ ناخواندہ اور اصل حقیقت سے ناواقف عوام اہل حدیث کی ایک بہت بڑی تعداد کٹ کر ان کی آغوش میں آجائے گی اور اندرون ملک نہ صرف یہ کہ اس جماعت (اہل حدیث) کی قوت کا شیرازہ بکھر جائے گا بلکہ نہایت آسانی سے ان کی درپردہ مجاہدانہ سرگرمیوں کا سراغ بھی لگایا جاسکے گا اور حقیقت یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ افراد کو توڑ کر مرزا صاحب اس طرح کے کچھ "کار خیر" انجام دینے میں کامیاب بھی ہوئے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مرزا صاحب بذات خود تو حنفی المسلک تھے' لیکن جب سے انھوں نے اپنی تحریک کے لیے بطور تمہید کچھ بنیادی اقدامات شروع کیے تھے اس وقت سے انھوں نے اپنے تعلقات کبار علمائے اہل حدیث کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وسیع اور پختہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنی تگ و تاز کا اصل نشانہ مسلمانوں کی اسی جماعت کو بنانا چاہتے تھے جس کی سرگرمیوں کی بابت انگریزوں کو سب سے زیادہ اندیشے تھے۔

3---اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کی امت کی سرگرمیاں مجاہدین سرحد کے خلاف بھی درپردہ جاری تھیں۔پنڈت لیکھرام کے قتل کے بعد ایک عیسائی ڈاکٹر ہنری کلارک نے مرزا صاحب پر ایک مقدمہ دائر کیا تھا۔اس کے ایک گواہ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گواہ مرزا صاحب کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان کے مخالفین کے اندر دہشت انگیزی اور قتل جیسی وارداتوں پر مامور تھا۔اس گواہ نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ خود وہ اور اس کے خاندان کے دیگر افراد مجاہدین سرحد کے پاس بھی آتے

جاتے تھے۔ حالانکہ ان کے کردار کو سرحد کے مجاہدین سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بعد کے واقعات میں مولانا بشیر صاحب امیر المجاہدین کا خفیہ اور سفاکانہ قتل خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ ان کا قاتل ایک نوجوان تھا' جس نے مجاہدین کے مرکز میں بہت تھوڑے دنوں مقیم رہ کر مولانا کا اتنا زبردست اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اسے مولانا کے حفاظتی باڈی گارڈ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور اس نے اپنی اسی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر یہ سفاکانہ اقدام کیا تھا اور اس کے بعد اس طرح لاپتا ہوا کہ آج تک اس کا سراغ نہ لگ سکا۔

4--- افغانوں کے جذبہ حریت کو فنا کرنے اور افغانستان پر انگریزی اقتدار کی راہ ہموار کرنے کے لیے مرزا صاحب نے اور ان کے بعد ان کے خلفا نے اپنے کئی ایجنٹ مامور کر رکھے تھے جن کا پردہ بالآخر فاش ہو گیا اور اس سلسلے میں حکومت افغانستان نے مرزا صاحب کی زندگی میں ان کے دو خصوصی مریدوں اور آلہ کاروں۔۔ یعنی مولوی عبداللطیف اور مولوی عبدالرحمٰن ۔۔ کو سنگسار کیا' ان دونوں کی یادگار کے طور پر اکتوبر 1903 میں مرزا صاحب نے تذکرۃ الشہادتین لکھی۔ بعد میں اسی جرم میں 31/اگست 1924ء کو مولوی نعمت اللہ نامی ایک شخص سنگسار کیا گیا اور اس کے چند ہی ماہ بعد 5/فروری 1925ء کو مزید دو قادیانی سنگسار کیے گئے اور ان کے پچیس ساتھیوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ مولوی عبداللطیف سے لے کر بعد کے قادیانیوں کی سنگ ساری کے اسباب خود قادیانی ماخذ کے حوالے سے سنیے۔ خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود نے ایک اطالوی مصنف کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> "وہ اطالوی مصنف لکھتا ہے کہ صاحب زادہ عبداللطیف صاحب کو اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور پڑ جائے گا اور اس پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔" [1]

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا محمود لکھتے ہیں:

---

[1] (الفضل 6/اگست 1925)

"اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور وہ جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے جو انھیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا۔ اور وہ اسی ہمدردی کی وجہ سے مستحق سزا ہو گئے جو قادیان سے لے کر گئے تھے۔" (1)

دواور قادیانیوں کی سنگ ساری کی بابت قادیانی اخبار "الفضل" اور افغانی اخبار "امان افغان" کے حوالے سے راوی ہے کہ افغان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے:

"کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحلیم چہار آسیائی اور ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انھیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ جمہور نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنجشنبہ 11/رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔" (2)

5---مرزا صاحب نے دینی تبلیغ کے میدان میں قدم رکھتے ہی اور تجدید کا لبادہ اوڑھنے سے پہلے ہی انگریز گورنمنٹ کی وفاداری اور ترک جہاد کی تلقین شروع کر دی تھی۔ اس طرح کے بیانات براہین احمدیہ جلد سوم چہارم کے دیباچے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ پھر جب مرزا صاحب نے اپنی تحریک کا آغاز کیا تو منع جہاد کو اس تحریک کے بنیادی اصولوں میں

---

(1) (ایضاً ایضاً)

(2) (الفضل 3/مارچ 1925 نیز دیکھیے ہفتہ روزہ اہل حدیث امرتسر 20/مارچ 1925)

سے ایک اہم اصول کی حیثیت دی۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں:

"اور دوسرا اصول جس پر مجھے قائم کیا گیا ہے وہ جہاد کے اس غلط مسئلہ کی اصلاح ہے جو بعض نادان مسلمانوں میں مشہور ہے۔ سو خدائے تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ جن طریقوں کو آج کل جہاد سمجھا جاتا ہے وہ قرآنی تعلیم سے بالکل مخالف ہیں۔" [1]

مرزا صاحب اسلام کے معروف تصور جہاد کو نہایت ہی خطرناک اور مجنونانہ تصور قرار دیتے تھے بلکہ اسے زبردست گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور جب کسی ایسے واقعہ کا ذکر کرتے تھے تو قلم قابو سے باہر ہو جاتا تھا اور مسلمانوں کو بے نقط سنانے میں ذرا بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے تصور جہاد کی بابت لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں یہ دو مسئلے نہایت خطرناک اور سراسر غلط ہیں کہ دین کے لیے تلوار کے جہاد کو اپنے مذہب کا ایک رکن سمجھتے ہیں اور اس جنون سے ایک بے گناہ کو قتل کر کے ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا انھوں نے ایک بڑے ثواب کا کام کیا ہے۔" [2]

"غرض مسلمانوں کے جہاد کا عقیدہ مخلوق کے حق میں ایک بداندیشی ہے" [3]

انگریزوں کے گوناگوں' بے پناہ اور مسلسل و پیہم مظالم سے تنگ آ کر اہل ہند نے 1857ء میں تحریک آزادی و استقلال کا جو علم بلند کیا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"رعیت (یعنی اہل ہند) کا اس گورنمنٹ (یعنی انگریزوں) کے مقابل پر سر اٹھانا۔ سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم

---

[1] (تحفہ قیصریہ ص8)

[2] (ایضاً ایضاً) [3] (ایضاً ص9)

1857ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں۔۔۔ تو ہم بحر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا' نہ عقل تھی' نہ اخلاق' نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔۔۔ بلاشبہ ہم یہ داغ مسلمانوں خاص کر اپنے اکثر مولویوں کی پیشانی سے دھو نہیں سکتے کہ وہ 1857ء میں مذہب کے پردہ میں ایسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے جس کی ہم کسی قوم کی تواریخ میں نظیر نہیں دیکھتے۔" [1]

6۔۔۔ جس طرح مرزا صاحب نے شریعت کے معروف تصور جہاد کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی ہے اسی طرح ظہور مہدی اور نزول مسیح کا جو مقصد (جہاد اور غلبہ اسلام) احادیث میں بیان کیا گیا ہے اور جو عام طور پر مسلمانوں میں معلوم اور معروف ہے۔ اس کی بھی نہایت سختی سے تردید کی ہے اور خود مہدی معہود اور مسیح موعود بن کر اس منصب کا ایک بالکل ہی دوسرا مقصد قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مقام پر مسلمانوں کے "عیوب" شمار کرائے ہیں جن میں پہلا عیب مسلمانوں کے اس تصور جہاد کو قرار دیا ہے جس کی بابت آپ کے ارشادات ابھی پچھلے نمبر میں نقل کیے گئے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں:

"دوسرا عیب ہماری قوم مسلمانوں میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک ایسے خونی مسیح اور خونی مہدی کے منتظر ہیں جو ان کے زعم میں دنیا کو خون سے بھر دے گا۔ حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ ہماری معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کوئی لڑائی نہیں کرے گا اور نہ تلوار اٹھائے گا۔۔۔ مجھے خدا نے اس لیے بھیجا ہے کہ ان غلطیوں کو دور کر دوں۔" [2]

---

[1] ازالہ اوہام طبع پنجم (حاشیہ) ص 295-296

[2] (ستارہ قیصریہ ص 8-9)

7---پھر یہی نہیں کہ مرزا صاحب صرف اصولی طور پر ان عقائد میں مسلمانوں کے مخالف تھے بلکہ انھوں نے بے پایاں جدوجہد کر کے اسلام کے معروف تصور جہاد کو اور مہدی و مسیح کے ظہور کے معروف مقصد (جہاد) کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے کھرچنے کی کوشش کی اور جگہ جگہ بڑے فخر کے ساتھ اپنے اس کارنامے کو بیان بھی کیا۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے۔ اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔" [1]

"میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔۔۔ کہ اسلامی جوش کے لوگوں کو۔۔۔ ناجائز خیالات اور جوشوں سے ان کے جذبات کو روک دوں۔ یہ مسلمان لوگ ایک خونی مسیح کے منتظر تھے اور نیز ایک خونی مہدی کا بھی انتظار کرتے تھے۔ یہ عقیدے اس قدر خطرناک ہیں کہ ایک مفتری کاذب 'مہدی موعود کا دعوی کر کے ایک دنیا کو خون میں غرق کر سکتا ہے۔۔۔ پس خدا نے چاہا کہ یہ غلط خیالات دور ہوں۔ اس لیے اس نے مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود کا خطاب دے کر میرے پر ظاہر فرمایا کہ کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کا انتظار کرنا سراسر غلط خیال ہے۔۔۔ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ اس (حکومت انگریزی) کی دنیا اور آخرت کے لیے دعا کریں۔" [2]

---

[1] (تریاق القلوب ص15) [2] (تحفہ قیصریہ ص10)

"میں ابتدائی عمر [1] سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کر دوں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں" [2]

"میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ (انگریزی) کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔۔ 1857ء میں انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیے تھے۔۔۔ پھر میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا۔ اور جب تموں کی گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔ پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا تاہم سترہ برس [3] سے سرکار انگریزی کی امداد و تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں۔ اس سترہ برس کی مدت میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کی ان سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لیے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت موثر تقریریں لکھیں اور پھر میں نے قرین مصلحت سمجھ کر اسی امر ممانعت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لیے عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں جن کی چھپوائی اور اشاعت پر ہزارہا روپیہ خرچ ہوئے اور تمام کتابیں

---

[1] (یہ تحریر 1893 کے اخیر کی ہے۔) [2] (ضمیمہ شہادت القرآن ص 10)

[3] (یہ تحریر جنوری 1898 کی مطبوعہ تالیف (کتاب البریہ) کی ہے۔

عرب اور بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کی گئیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔۔۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے اور پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے۔" [1]

"میں نے بائیس [2] برس سے اپنے ذمہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسی کتابیں جن میں جہاد کی مخالفت ہو اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کروں" [3]

"افسوس کہ یہ عیب غلط کار مسلمانوں میں اب تک موجود ہے جس کی اصلاح کے لیے میں نے پچاس ہزار سے کچھ زیادہ اپنے رسالے اور مبسوط کتابیں اور اشتہارات اس ملک اور غیر ملکوں میں شائع کیے۔" [4]

اس سلسلے میں مرزا صاحب نے مسلمانوں کو جس انداز سے ترک جہاد اور انگریزی سامراج کی وفاداری کی تلقین کی ہے اس کے بھی ایک آدھ نمونے دیکھتے چلیے، لکھتے ہیں:

"بے شک ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس گورنمنٹ محسنہ کے لیے سچے دل سے خیر خواہ ہوں اور ضرورت کے وقت جان فدا کرنے کو بھی تیار ہوں، لیکن ہم اس طرح پر بھی غیر قوموں اور غیر ملکوں میں اپنی محسن گورنمنٹ کی نیک نامی پھیلانی چاہتے ہیں کہ کس طرح اس عادل گورنمنٹ نے دینی امور میں ہمیں پوری آزادی دی ہے۔ پس کیا آپ لوگ چاہتے نہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کا ان تمام تعریفوں کے ساتھ دنیا میں نام پھیلے؟ اور اس کی محبت دور تک دلوں میں جاگزیں ہو۔" [5]

---

[1] (کتاب البریہ ص 3-7) [2] (یہ 1901 کی تحریر ہے) [3] (تبلیغ رسالت ج 10 ص 26)
[4] (رسالہ ستارہ قیصرہ ص 10) [5] (البلاغ ص 33,32)

"یہ سچ ہے کہ ہم اس گورنمنٹ کی رعایا ہیں اور دن رات بے شمار احسانات دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ فرض ہونا چاہیے کہ سچے دل سے اس گورنمنٹ کی اطاعت کریں اور اس کے مقاصد کے مددگار ہوں اور اس کے مقابل پر ادب اور غربت اور فرمانبرداری کے ساتھ زندگی بسر کریں۔۔۔۔ ہم تو بار بار خود گواہی دیتے ہیں کہ نہایت ہی بد ذات وہ لوگ ہیں جو متواتر احسانات اس گورنمنٹ کے دیکھ کر اور اس کے زیر سایہ اپنے مال اور جان اور عزت کو محفوظ پا کر پھر بغاوت کے خیالات دل میں پوشیدہ رکھتے ہوں۔" [1]

1891ء میں (جب کہ مرزا صاحب کا دعوائے مسیحیت ابھی تازہ بتازہ منظر عام پر آیا تھا) روس اور برطانیہ میں جنگ کے امکانات کا ذکر کرتے ہوئے مرزا صاحب نے فرمایا:

"ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت انگریزوں کی فتح ہو کیوں کہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت ناداں اور سخت نالائق ہے وہ مسلمان جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں کیوں کہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں۔ وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے، ہرگز نہیں پا سکتے۔" [2]

ترک جہاد کی ترغیب و تحریص کے سلسلے میں مرزا صاحب کے بعض اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

---

[1] (ایضاً ص 55)

[2] (ازالہ اوہام طبع پنجم ص 211)

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد [1]

یہاں تک تو مرزا صاحب کی مسلسل اور پیہم تگ ودو کی کہانی ہوئی۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس تگ ودو کے اثرات ونتائج کیا رہے ؟ مرزا صاحب کو منع جہاد کے مشن میں کامیابی ہوئی یا نہیں ؟ اور اگر ہوئی تو کس حد تک ہوئی ؟ اس کا جواب بھی مرزا صاحب کی عبارتوں اور تحریروں میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"میں نے بیسیوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک (ہندوستان) پر بھی پڑا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل' اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت' اعلیٰ درجہ پر ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لیے۔۔۔ بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لیے دلی نثار۔" [2]

"مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں

---

[1] (اشتہار چندہ منارۃ المسیح)

[2] (عریضہ بعالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی منجانب مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت ج6 ص65

نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی' ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعاگو رہے۔ اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو' فارسی' عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں۔ اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکتا۔" [1]

"اس ملک برٹش انڈیا میں یہ عقیدہ (جہاد) اکثر مسلمانوں کا بہت کچھ اصلاح پذیر ہو گیا ہے اور ہزارہا مسلمانوں کے دل میری بائیس تئیس [2] سال کی کوششوں سے صاف ہو گئے ہیں۔" [3]

اوپر کے دونوں اقتباسات میں مرزا صاحب کی تگ ودو کے جو اثرات مذکور ہیں وہ قادیانیوں اور عام مسلمانوں دونوں ہی سے متعلق ہیں' لیکن قادیانیوں پر اس کے اثرات کی کیفیت اچھی طرح سمجھنے کے لیے۔۔۔ مرزا صاحب کے چند مزید اقتباسات ملاحظہ فرماتے چلیے' لکھتے ہیں:

---

[1] (ستارہ قیصرہ ص3-4)

[2] (یہ تحریر 1899 کی ہے۔)

[3] (ستارہ قیصرہ ص8)

''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیوں کہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔'' [1]

''خدائے تعالیٰ نے مجھے اس اصول پر قائم کیا ہے کہ محسن گورنمنٹ کی جیسا کہ یہ گورنمنٹ برطانیہ ہے سچی اطاعت کی جائے اور سچی شکر گزاری کی جائے۔ سو میں اور میری جماعت اس اصول کے پابند ہیں۔ چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر عمل درآمد کرانے کے لیے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کیں اور ان میں تفصیل سے لکھا کہ۔۔۔ اس مبارک اور امن بخش گورنمنٹ کی نسبت کوئی خیال بھی جہاد کا دل میں لانا کس قدر ظلم اور بغاوت ہے۔۔۔ اور میں جانتا ہوں کہ یقیناً ہزاروں مسلمانوں پر ان کتابوں کا اثر پڑا ہے۔ بالخصوص وہ جماعت جو میرے ساتھ تعلق بیعت و مریدی رکھتی ہے وہ ایک ایسی سچی اور مخلص اور خیر خواہ اس گورنمنٹ کی بن گئی ہے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی نظیر دوسرے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ وہ گورنمنٹ کے لیے ایک وفادار فوج ہے جن کا ظاہر و باطن گورنمنٹ برطانیہ کی خیر خواہی سے بھرا ہوا ہے۔'' [2]

مرزا صاحب کے یہ ارشادات پڑھ کر فطری طور پر یہ تجسس پیدا ہوتا ہے کہ جذبہ وفاداری سے اس طرح سرشار فوج اور اس کے کمانڈر کن کن محاذوں پر سرگرم عمل رہے ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ دراصل زیر پردہ ہی رکھنے کی چیز ہے۔ اس لیے اس وفادار فوج کی سرگرمیوں کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم مرزا صاحب کے بعض بیانات نے اس کی سرگرمیوں کے بعض گوشوں سے پردہ اٹھا دیا ہے اور ان کا ایک یہ کردار سامنے آ گیا ہے کہ وہ

---

[1] (درخواست مرزا صاحب بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب، مندرجہ تبلیغ رسالت ج7 ص17)

[2] (تحفہ قیصریہ ص9)

انگریزوں کے ایجنٹ اور وکیل بن کر مسلمانوں کے اندر جاسوسی کرتے تھے اور باغیانہ جذبات رکھنے والے افراد کی نشان دہی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مرزا صاحب نے اشاروں ہی اشاروں میں حکومت کو اطلاع دی کہ:

''افسوس کہ جس وقت میں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ خبر سنائی کہ کوئی خونی مہدی یا خونی مسیح آنے والا نہیں بلکہ (ایک شخص صلح کاری کے ساتھ آنے والا تھا جو میں ہوں' اس وقت سے یہ نادان مولوی مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھ کو کافر اور دین سے خارج ٹھہراتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہ بنی نوع انسان کی خوں ریزی سے خوش ہوتے ہیں۔'' [1]

پھر اس اشارے کو کافی نہ سمجھ کر مرزا صاحب نے ''بغاوت'' کے جذبات رکھنے والے مسلمانوں کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ درخواست دی۔

''قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کر دیئے جائیں جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں۔۔۔۔

ہم امید رکھتے ہیں ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ ایسے لوگوں کے نام مع پتا و نشان یہ ہیں:'' [2]

وفاداریوں کا صلہ

مرزا صاحب کو استعمار کی بے لوث خدمات اور وفاداریوں کا جو صلہ انگریزوں سے ملا اور ان وفاداریوں کے نتیجے میں مرزا صاحب اور انگریزوں کے درمیان تعلقات جس قدر گہرے ہوئے اس کا اندازہ کرنے کے لیے بھی مرزا صاحب کے اپنے بیانات موجود ہیں۔

---

[1] (تحفہ قیصریہ ص 11,10)

[2] (تحریر مرزا مندرجہ تبلیغ رسالت جلد پنجم ص 11)

موصوف لکھتے ہیں:

"مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ اس بابرکت گورنمنٹ (انگریزی) کے آنے سے ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے ایک لوہے کے جلتے ہوئے تنور سے نجات پائی ہے۔" ❶

"۔۔۔ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرہ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے۔ اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی" ❷

"ہمیں اس گورنمنٹ کے آنے سے وہ فائدہ پہنچا کہ سلطان روم کے کارناموں میں اس کی تلاش کرنا عبث ہے۔" ❸

"بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو یہ ہمارا مکہ میں گزر ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال دل میں رکھیں۔" ❹

"میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں، نہ روم میں، نہ شام میں، نہ ایران میں، نہ کابل میں، مگر اس گورنمنٹ (انگریزی) میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں" ❺

ان تفصیلات کو مد نظر رکھ کر بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ مرزا صاحب اور انگریزی استعمار میں کس قسم کے روابط تھے۔ یعنی مرزا صاحب اس استعمار کے کتنے زبردست آلہ کار تھے اور اس استعمار نے مرزا صاحب کی وفاداریوں کا صلہ کس طرح دل کھول کر دیا تھا۔ وثوق کے ساتھ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی تحریک کا آغاز انگریزوں کے ایما

---

❶ (ستارہ قیصرہ ص 4) ❷ (تحفہ قیصریہ ص 26,25) ❸ (اشتہار مرزا مندرجہ تبلیغ رسالت ج 8 ص 5) ❹ (ارشاد مرزا مندرجہ ملفوظات احمدیہ ج 1 ص 86)
❺ (اشتہار مرزا مندرجہ تبلیغ رسالت ج 8 ص 69)

اوران کی تجویز پر کیا تھا' لیکن اس بات کا سراغ لگتا ہے کہ مذہبی میدان میں مرزا صاحب کے قدم فرما ہونے سے پہلے ہی انگریزوں نے ان سے معنی خیز وعدے کر رکھے تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے والد کی وفات پر پنجاب کے فنانشل کمشنر نے مرزا صاحب کے بڑے بھائی غلام قادر کے پاس 29 جون 1876ء کو جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں تعزیت کے چند کلمات لکھنے کے بعد لکھا تھا:

> Gulam Murtaza who was a great well wisher and faithful Chief of Govt. In consideration of your family services, I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration wellfare of your family when a favourable opportunity occasion.

> ترجمہ: مرزا غلام مرتضی سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح پر عزت کریں گے' جس طرح تمھارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی۔ ہم کو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمھارے خاندان کی بہتری اور پابحالی کا خیال رہے گا۔" [1]

المرقوم 29/جون 1876ء

غلام قادر (جو خاندان کا بڑا فرد ہونے کی حیثیت سے مخاطب تھے) چند برس بعد انتقال کر گئے اور اس وعدہ کے عملی جامہ سے آراستہ ہونے کے لیے مرزا صاحب کی ذات باقی رہی۔

---

[1] (کتاب البریہ ص 6)

خود کاشتہ پودا

پھر اس وعدے کو انگریزوں نے جس طرح پورا کیا اس کا اندازہ پچھلے اقتباسات کے علاوہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا قرار دیتے تھے۔ چنانچہ گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک گزارش پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار ثابت کر چکی ہے۔ اس خود ساختہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہائے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔'' [1]

مرزا صاحب کی انھیں حرکتوں کے مدنظر حکیم امت شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے ''حکمت فرعونی'' کے عنوان کے تحت کیا ہی خوب کہا ہے:

شیخ اُو لرد فرنگی را مرید
گرچہ گوید از مقام بایزید
گفت دین را رونق از محکومی است
زندگانی از خودی محرومی است
دولت اغیار را رحمت شمرد
رقصہا گرد کلیسا کرد و مرد [2]

---

[1] (درخواست مرزا بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب مندرجہ تبلیغ رسالت ج7 ص20)

[2] (مثنوی پس چہ باید کرد)

اسی طرح مرزا صاحب کے ''الہام'' اور ان کی نبوت پر بھی بڑے جامع انداز میں تبصرہ فرمایا ہے' ارشاد ہے:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ گر اقوام ہے یہ صورتِ چنگیز
وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام [1]

اور مرزا صاحب اور بہاء اللہ ایرانی کے درمیان تقابل کرتے ہوئے دونوں کا کردار بڑے دلچسپ انداز سے واضح کیا ہے' لکھتے ہیں:

رفت ازوآں مستی و ذوق و سرور
دین او اندر کتاب و اوبگور
صحبتش باعصر حاضر درگرفت
حرف دیں را از ''دوپیغمبر'' گرفت
آں زاایراں بودوایں ہندی نژاد
آں زحج بیگانہ و ایں از جہاد
تاجہاد وحج نہ ماند از واجبات
رفت جاں از پیکر صوم و از صلوٰۃ
روح چوں رفت از صلوٰۃ وصیام
فرد ناہموار و ملت بے نظام
سینہ ہا از گرمی قرآں تہی
از چنیں مرداں چہ امید بہی [2]

---

[1] (ضرب کلیم) [2] (جاوید نامہ) خطاب بہ جاوید

مرزا صاحب کے بعد

مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی شکل میں انگریزوں نے اپنی وفادار فوج کا جو پودا لگایا تھا اس کے برگ وبار اور شاخہائے ثمر دار کا نمود و ظہور اگرچہ مرزا صاحب کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی اصل ہیئت میں مرزا صاحب کے کچھ عرصہ بعد جلوہ گر ہوا۔ مرزا صاحب کے خلیفہ اول حکیم نور الدین کا جس سال (1914) انتقال ہوا اسی سال ان کے انتقال کے چند ماہ بعد (4 اگست 1914ء سے) جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا۔ اس وقت مرزا صاحب کے صاحب زادے میاں بشیر الدین محمود خلافت کی گدی پر ابھی تازہ بتازہ جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اس جنگ میں برطانیہ اور اس کے خلفاء نے یہ طے کر لیا تھا کہ یورپ کے "مرد بیمار"۔۔۔ ترکی۔۔۔ کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا جائے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے پورے عالم اسلام کو زیر وزبر کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک طرف اس جنگ کی یہ نوعیت سامنے رکھیے اور دوسری طرف قادیانی تحریک کا کردار ملاحظہ فرمایئے کہ ابھی اس جنگ کے آغاز پر صرف تین ہی ماہ گزرے تھے کہ خلیفہ قادیان کو پنجاب کے انگریز گورنر کے سیکریٹری کی جانب سے ایک خط موصول ہوتا ہے جس میں سیکریٹری مذکور خلیفہ صاحب کو لکھتا ہے:

> "آپ نے جو خط ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب کے نام ارسال فرمایا اس کے متعلق مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے آپ کی تحریر کو بڑی توجہ سے ملاحظہ فرمایا ہے اور آپ کے اظہار وفاداری، نیز اس نازک موقع پر اپنے پیروؤں کو ملک معظم اور ملک کا ساتھ دینے کی گراں بہا نصیحت کو استحسان اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ احمدی جماعت گورنمنٹ کی حفاظت پر بھروسہ کر سکتی ہے اور گورنمنٹ عالیہ کو بھی احمدی جماعت اور اس کے امام کی طرف سے نہ صرف وفادارانہ امداد کی امید بلکہ یقین ہے۔" [1]

---

[1] (الفضل 29/ نومبر 1914، المنبر 21/ ربیع الاول 1387ھ)

گورنر کے سیکریٹری کے اس خط کے بین السطور سے اس خط کا مضمون سمجھا جا سکتا ہے' جو قادیانی خلیفہ نے جنگ عظیم چھڑتے ہی گورنر پنجاب کے پاس بھیجا تھا۔ یہ یاد رہے کہ قادیانیوں کا یہ اظہار وفاداری محض نمائشی نہ تھا بلکہ وہ واقعی دل و جان سے حکومت برطانیہ کے وفادار تھے۔ چنانچہ اس جنگ کے چھڑتے ہی انھوں نے فوج میں بھرتی ہونا شروع کر دیا اور جو قادیانی پہلے سے فوج میں موجود تھے یا جواب پہنچ رہے تھے انھوں نے عالم اسلام کے خلاف ریشہ دوانی میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کے تمام ''کارناموں'' سے تو پردہ نہیں اٹھ سکا تاہم چند ایسے معاملات منظر عام پر آ گئے جن سے پس پردہ حقائق کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

1---اسی 1914ء میں دو قادیانی فوجی' برطانوی افواج کے ہمراہ ماریشش پہنچے اور انھوں نے وہاں کے کچھ مفاد پرست اور ناپختہ مسلمانوں کو روپے پیسے کا لالچ اور مختلف قسم کا فریب دے کر۔ قادیانیت کی اصل حقیقت سے انھیں بے خبر رکھتے ہوئے۔ قادیانی بنا لیا۔ پھر کوئی سال بھر بعد 1915ء میں وہ دونوں قادیانی فوجی نیروبی چلے گئے اور ان دونوں کی جگہ قادیان سے ایک قادیانی مبلغ مولوی غلام محمد صاحب بی اے بھیجے گئے۔ 1916ء میں جنگ عظیم زوروں پر تھی تو یہ قادیانی حضرات ان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے تھے جو خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے دل و جان سے حاضر تھے۔ چنانچہ ان کی نشان دہی پر ماریشش کے دو مشہور مسلم رہنماؤں اور قومی کارکنوں۔۔۔ حافظ ابراہیم مال اور مولوی آیات اللہ۔۔۔ کو ملک بدر کر دیا گیا۔ [1]

2---1916ء میں جنگ اپنے شباب پر تھی اور 1917ء سے عالم اسلام کا سقوط شروع ہو گیا تھا۔ ان حالات میں قادیانیوں نے مسلم دشمنی اور کفر پرستی کا جو رول ادا کیا تھا اسے خود انھیں کے الفاظ میں سنیے۔ جب کابل پر برطانوی افواج کا حملہ ہوا تو مرزا محمود صاحب نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''اس وقت جو کابل نے گورنمنٹ انگریزی سے نادانی سے جنگ شروع کر

---

[1] (تفصیل کے لیے المنبر 12 اپریل 1968 ص 5 ملاحظہ فرمائیے۔

دی ہے۔ احمدیوں کا فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں کیوں کہ گورنمنٹ (برطانیہ) کی اطاعت ہمارا فرض ہے لیکن افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لیے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ کابل وہ جگہ ہے جہاں ہمارے نہایت قیمتی وجود (سنگسار کیے گئے)۔۔۔ پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اسلیے صداقت کے قیام کے لیے گورنمنٹ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لیے گورنمنٹ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔" [1]

اور اس کے بعد قادیانیوں نے جس طرح بڑھ چڑھ کر اس جنگ میں حصہ لینے کی کوشش کی اس کا اندازہ اس بیان سے کیجیے۔

"جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی ہے تب بھی ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی اور علاوہ اور کئی قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی جس کی بھرتی بوجہ جنگ کے بند ہو جانے کے رک گئی۔ ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لیے فارم لکھوا چکے تھے اور خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے صاحب زادے اور موجودہ امام کے چھوٹے بھائی نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔" [2]

3--- ٹھیک یہی روش قادیانیوں نے بغداد اور عراق کے سلسلے میں اختیار کی۔ چنانچہ سقوط عراق کے بعد مرزا محمود نے اپنے ایک خطبے میں بڑے فخر سے اعلان کیا۔

"عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے۔" [3]

---

[1] (خطبہ مرزا محمود مندرجہ الفضل 27/ مئی 1918' المنبر 21/ ربیع الاول 1387ھ)

[2] (قادیانی جماعت کا ایڈریس بحضور ہز ایکسی لنسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند' مندرجہ الفضل 14 جولائی 1921 (المنبر مذکور) [3] (خطبہ مرزا محمود مندرجہ الفضل 31/ اگست 1923۔ المنبر مذکور)

بلکہ "الفضل" 7ر دسمبر 1918ء کے شمارے میں اس سے بھی بڑی بات لکھی گئی کہ فرشتے فتح بغداد کے لیے اترے (یعنی فرشتوں نے انگریزی فوج کی مدد کی) چنانچہ ارشاد ہے:

"فتح بغداد کے وقت ہماری فوجیں (یعنی انگریزی فوجیں) مشرق سے داخل ہوئیں۔ دیکھیے کس زمانہ میں اس کی فتح کی خبر دی گئی۔ ہماری گورنمنٹ برطانیہ نے جو بصرہ کی طرف چڑھائی کی اور تمام اقوام سے لوگوں کو جمع کر کے اس کی طرف بھیجا دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ کے وہ فرشتے تھے جن کو اس گورنمنٹ کی مدد کے لیے اس نے اپنے وقت پر اتارا تاکہ وہ لوگوں کے دلوں کو اس طرف مائل کر کے ہر قسم کی مدد کے لیے تیار کریں۔"

اس فتح کے سلسلے میں قادیانیوں نے یہاں تک اپنی بدباطنی کا اظہار کیا کہ انھوں نے صاف صاف کہا:

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) فرماتے ہیں کہ میں وہ مہدی معہود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے، جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی اب غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم احمدیوں کو اس فتح بغداد سے کیوں خوشی نہ ہو، عراق عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔" [1]

4--- جنگ کے دوران اور جنگ کے خاتمے کے بعد قادیانیوں نے حسب استطاعت بڑی بڑی رقمیں بھی انگریزی گورنمنٹ کے جنگی فنڈ میں عطا کیں، جن کا ثبوت آگے آرہا ہے۔

5--- پھر جب 11ر نومبر 1918 کو (11 بج کر 11 منٹ پر) اس حالت میں جنگ عظیم کے خاتمے کا اعلان ہوا کہ پورا عالم اسلام خاک و خون میں تڑپ رہا تھا مسلمانوں کے خون ناحق سے زمین لالہ زار بنی ہوئی تھی۔ قبائے خلافت تار تار ہو چکی تھی۔ اسلامی

---

[1] (ایضاً المنبر مذکور)

عظمت کا علم سرنگوں ہو چکا تھا۔ دنیائے اسلام کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ بیت المقدس پر برطانوی انقلاب کی شکل میں صلیبی علم لہرا رہا تھا۔ عالم اسلام کے قلب میں صیہونی ریاست کا خنجر گھونپنے کی سازش مکمل ہو چکی تھی اور اس کا باقاعدہ اعلان کیا جا چکا تھا۔ کعبۃ اللہ اور حرم پاک کی آبرو باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس وقت قادیان میں غم و افسوس کے بجائے جشن مسرت منایا جا رہا تھا۔ ترکوں کو قابل مسخ (یعنی بندر اور سؤر بنائے جانے کے لائق قوم قرار دیا جا رہا تھا[1] اور حکومت برطانیہ کو قادیانیوں کی جانب سے نذرانے پیش کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ قادیانی اخبار ''الفضل'' 16 نومبر 1918 کا شمارہ رقم طراز ہے:

> ''13 تاریخ کو جس وقت جرمنی نے شرائط منظور کر لینے اور التوائے جنگ کے کاغذ پر دستخط ہو جانے کی اطلاع قادیان پہنچی تو خوشی و انبساط کی ایک لہر برقی سرعت کے ساتھ لوگوں کے قلب میں سرایت کر گئی اور جس نے اس خبر کو سنا نہایت شاداں و فرحاں ہوا بعد نماز عصر۔۔۔ مجمد سرور شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ برطانیہ کی فتح و نصرت پر دلی خوشی کا اظہار کیا اور اس فتح کو جماعت احمدیہ کے اغراض و مقاصد کے لیے فائدہ بخش بتایا۔''
>
> ''حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مرزا محمود) کی طرف سے مبارک باد کے تار بھیجے گئے اور حضور نے پانسو روپے اظہار مسرت کے طور پر ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر گورداس پور کی خدمت میں بھجوایا کہ آپ جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں پیشتر ازیں چند روز ہوئے ترکی۔۔۔ کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں حضور نے پانچ ہزار روپیہ جنگی اغراض کے لیے ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں بھجوایا تھا۔''[2]

پھر اس فوری جشن کو نا کافی سمجھ کر ایک دوسرے باقاعدہ جشن کا اہتمام کیا گیا۔

---

[1] (الفضل 10 اکتوبر 1917ء اہل حدیث 16 مارچ 1923ء)

[2] (تصویر مرزا ص 65)

چنانچہ 3/دسمبر 1918ء کا "الفضل" راوی ہے کہ۔

"27 نومبر 1918ء کو "انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ" کے زیر اہتمام حسب ہدایت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ (یعنی میاں محمود) گورنمنٹ برطانیہ کی شاندار اور عظیم الشان فتح کی خوشی میں ایک قابل یادگار جشن منایا گیا۔ دارالعلوم کے اندرونی حصہ میں روشنی اور چراغاں کیا گیا جو بہت خوبصورت اور دلکش تھا۔ منارۃ المسیح پر گیس کی روشنی کی گئی جس کا نظارہ بہت دل فریب تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (میاں محمود) اور خاندان مسیح موعود (مرزا صاحب) کے مکانات پر بھی چراغ روشن کیے گئے۔ اس کے علاوہ تمام احمدی اصحاب نے اپنے مکانات پر خوب روشنی کی۔ یہ پرلطف اور مسرت انگیز نظارہ بہت مؤثر اور خوشنما تھا اور اس سے احمدیہ پبلک کی اس عقیدت پر خوب روشنی پڑتی تھی جو اسے گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ہے کیوں کہ روشنی کے ذریعہ خوشی کا اظہار کرنے میں ایسے لوگوں نے بھی بخوشی حصہ لیا جو موجودہ گرانی اور قحط سالی کے موسم میں نہایت تنگدستی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔" [1]

قادیانیوں کا یہ کردار اور طرز عمل جس نقطہ نظر پر مبنی تھا اگرچہ اس کا تعارف بہت اچھی طرح پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے تاہم کچھ بے جا نہ ہوگا اگر اس وقت کے بعض ذمہ دار قادیانیوں کے بیانات بھی نقل کر دیے جائیں۔

دوران جنگ مرزا محمود نے اپنی جماعت کو اس کا فرض منصبی یاد دلاتے ہوئے فرمایا تھا:

"سلسلہ احمدیہ (قادیانی جماعت) کا گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے۔ ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے

---

[1] (دیکھیے المنبر لائل پور پاکستان، بابت 21/ربیع الاول 1387ھ)

ساتھ ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ہے اور اس کو خدانخواستہ اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمہ سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس لیے۔۔۔ خود اپنے فوائد کی حفاظت کے لیے۔۔۔ ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ ہر ممکن طریق سے گورنمنٹ کی مدد کرے۔" [1]

اور ان ہی میاں محمود نے اختتام جنگ کے بعد جنگ کے نتائج یعنی انگریزوں کی فتح اور عالم اسلام کی شکست و ریخت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"جماعت احمدیہ کے لیے نہایت خوشی کا مقام ہے کہ جنگ میں انگریزوں کی سلطنت فاتح ہوئی اور اس خوشی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں کی قوم ہماری محسن ہے اور اس کی فتح ہماری فتح ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے مسیح علیہ السلام (یعنی مرزا جی) کی دعا نہایت زبردست رنگ میں قبول ہوئی اور صحابہ کرام کی طرح **یومئذ یفرح المؤمنون** کا انعام ہمیں عطا ہوا۔" [2]

6---اور یہی وجہ تھی کہ قادیانی حضرات برصغیر (موجودہ ہندوستان و پاکستان) کے مسلمانوں کی کسی بھی ابھرتی ہوئی قوت کو پامال کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ جنگ عظیم اول کے خاتمہ کے بعد 1919ء میں جب ہندوستان گیر پیمانے پر تمام مسلم اور بڑی حد تک غیر مسلم قوتوں کے اتحاد و تعاون سے تحریک خلافت نمودار ہوئی تو صرف قادیانی حضرات تھے جنھوں نے اس تحریک کی مخالفت کی اور نہ صرف مخالفت کی بلکہ اسے کچلنے کے لیے انگریزوں کے حضور میں اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ دسمبر 1919 میں قادیانی امت کے نمائندوں نے سر ایڈورڈ میکلیگن لفٹنٹ گورنر پنجاب کے حضور ایک ایڈریس پیش کیا جس میں کہا گیا تھا:

"ہم خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہماری جماعت کو بھی اس

---

[1] (الفضل 27 / جولائی 1918)

[2] (ریویو آف ریلیجنز دسمبر 1918ء ص 240)

نازک وقت میں جب کہ برٹش گورنمنٹ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھری ہوئی تھی اور اس کے بعد جب کہ اسی جنگ کے نتائج کے طور پر اسے خود اندرون ملک اور سرحد پر بعض حضرات کا سامنا ہوا' اپنی طاقت اور اپنے ذرائع سے بڑھ کر خدمات کا موقع دیا۔۔۔ (ہم) امید کرتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کی قیام امن اور اشاعت و تہذیب کی کوششوں میں ہم آئندہ اور بھی زیادہ مدد کریں گے۔" [1]

(یادر ہے کہ "قیام امن کی کوششوں" سے اشارہ انگریزوں کے ان جابرانہ و قاہرانہ اقدامات کی جانب ہے جن کے ذریعہ وہ تحریک خلافت کو کچل دینا چاہتے تھے اور "اشاعت تہذیب" سے مراد انگریزوں کے وہ جارحانہ ثقافتی حملے ہیں جو انھوں نے فتح کے نشے میں سرشار ہو کر بڑے پیمانے پر اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت و طرز معاشرت کے بچے کھچے آثار کے خلاف جاری رکھے تھے۔ انگریزوں کے اسی سیاسی اور تہذیبی غلبہ و استیلاء کے لیے ان کی طرف سے کیے جانے والے ظالمانہ اور سفاکانہ حملوں کو قادیانیوں نے "قیام امن اور اشاعت تہذیب کی سعی" قرار دے کر مسلمانوں کے خلاف اپنی طاقت کے مطابق انگریزوں کا ہاتھ بٹایا تھا")

اس کے بعد جون 1921ء میں قادیانی جماعت کا ایک خاص وفد چودھری سر ظفر اللہ خاں کے زیر قیادت شملہ میں وائسرائے سے ملا اور اس کے حضور میں ایک ایڈریس پیش کیا جس میں اپنی جماعت کی وفادارانہ مساعی کا تعارف کرواتے ہوئے ہندوستان میں "قیام امن" کے لیے بعض باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قادیانیوں میں انگریزوں کی وفاداری کی جو روح پائی جاتی ہے:

"اسی روح کو لے کر ہم آج جناب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اسی روح کے ساتھ ہم جناب کو ہندوستان میں ملک معظم کا سب سے بڑا قائم مقام

---

[1] (الفضل قادیان 22 دسمبر 1919' المنبر 21 ربیع الاول 1387)

سمجھ کر یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہر ممکن اور جائز طریقے سے جناب کے ارادوں اور تجویزوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے اور ہندوستان میں قیام امن کی کوشش اور اس کی ترقی کے لیے سعی میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور مخالفوں کی مخالفت اور دشمنی ان شاء اللہ ہمیں اس مقصد سے پھیر نہ سکے گی۔'' [1]

مزید کچھ دنوں بعد 1922ء میں شہزادہ پرنس آف ویلز ہندوستان آیا تو قادیانی امت نے اس کے حضور جو ایڈریس پیش کیا اس میں کہا گیا:

''جب تک ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے ہم اپنی ہر ایک چیز برطانیہ پر نثار کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

اور اس کے جواب میں شہزادہ کے چیف سیکرٹری نے شہزادہ کی خوشنودی و مسرت کا پیغام پہنچاتے ہوئے اس خوشنودی کا یہ سبب قرار دیا کہ:

''جنگ عظیم کے دوران میں اور نیز اس کے بعد آنے والے سخت ایام میں جماعت احمدیہ نے تاج و تخت سلطنت برطانیہ کی وفاداری میں غیر متزلزل ثبات دکھایا ہے۔'' [2]

پھر تحریک خلافت کے ناکام ہو جانے کے بعد جب کانگریس اور مسلم لیگ کی شکل میں رفتہ رفتہ دو طاقتور ترین سیاسی قوتیں ابھر آئیں تو قادیانی حضرات نے انگریزوں کی بے لاگ حمایت کے تقاضے کے طور پر ان دونوں سے الگ تھلگ موقف اختیار کیا اور انگریزوں کی مدد سے اپنی محدود ''قادیانی ریاست' کے قیام کی جدوجہد میں مصروف رہے' [3] لیکن جب یہ راہ دشوار بلکہ بڑی حد تک ناممکن نظر آئی تو مسلم لیگ کی سرگرم مخالفت شروع کی اور

---

[1] (الفضل 4 رجولائی 1921۔ المنبر لائل پور مذکور)

[2] (دونوں اقتباس کے لیے دیکھیے الفضل 6 رمارچ 1922' المنبر 21 ربیع الاول 1387ھ)

[3] (منیر انکوائری رپورٹ ص 209' المنبر ربیع الثانی 1387ھ)

پنڈت نہرو پر ڈورے ڈال کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا۔ ان کی اصلی خواہش تو یہی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہی نہ ہوں لیکن اگر ہوں بھی تو اقتدار کا کوئی حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ آنے پائے اور یہی وجہ ہے کہ وہ قیام پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ [1] حتی کہ انھوں نے پنجاب میں پاکستان کا رقبہ کم کرانے کے لیے بونڈری کمیشن کے اندراجات میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوانا گوارا نہ کیا [2] لیکن جب ان کی تمام تر خواہشات کے علی الرغم پاکستان قائم ہی ہو گیا تو ان کے خلیفہ نے نہایت واضح اور دو ٹوک الفاظ میں فرمایا:

> "بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا مشورہ دیتے ہیں لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوریوں اور معذوریوں کے عالم میں اور صرف اس وقت جب کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اگر پھر یہ معلوم ہو جائے کہ اس عضو ماؤف کی جگہ نیا لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لیے کوشش نہیں کرے گا۔
>
> اسی طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم (یعنی قادیانی جماعت) رضا مند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوریوں سے۔۔۔ اور پھر کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔" [3]

یہ مرزا محمود کا کوئی وقتی اور ہنگامی بیان نہیں تھا بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے اور منظم پلان کے ایک خاکے کا اعلان تھا جس کے لیے قادیانی امت نے اگلے ادوار میں مسلسل اور انتھک تگ و دو کی، لیکن الحمد للہ کہ اس میں خائب و خاسر رہی۔

دہشت انگیزی اور اقتصادی بائیکاٹ

قادیانیوں کے سیاسی اور اجتماعی کردار کا جو ہلکا سا خاکہ پچھلے صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے ان کی فطری ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ اب قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے اندر ان کی

---

[1] (تفصیل کے لیے دیکھیے الفضل قادیان 8/ جون 1944)

[2] (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المنبر 8/ ذی الحجہ 1387ھ)

[3] (ملاحظہ ہو الفضل قادیان 16/ مئی 1947)

جو تصویر ابھری ہے اس کی ہلکی سی عکاسی کر دی جائے لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ہم تقسیم ملک سے پہلے کے دور میں قادیانیوں کے بعض ان اقدامات کی توضیح کر دینا چاہتے ہیں جو قیام امن اور اشاعت تہذیب کی سامراجی کوششوں میں معاونت کے طور پر انھوں نے کیے تھے۔ ان اقدامات میں سے جو منظر عام پر آ سکے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی اور سیاسی محاذ پر قادیانیوں نے جو مسلم دشمن روش اختیار کر رکھی تھی اس نے بہت جلد دہشت انگیزی کی شکل اختیار کر لی قادیانی حضرات ہر مسلمان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اس کی ایذا رسانی کو اپنا جزو ایمان' چنانچہ مرزا محمود نے اپنی امت کا نقطہ نظر ایک دفعہ ان الفاظ میں بیان کیا:

''ساری دنیا ہماری دشمن ہے۔۔۔ جب تک ایک شخص خواہ وہ ہم سے کتنی ہمدردی کرنے والا ہو پورے طور پر احمدی نہیں ہو جاتا ہمارا دشمن ہے۔'' [1]

اس نقطہ نظر کا نتیجہ یہ تھا کہ قادیانیوں کے مرکز قادیان میں اور جہاں جہاں ان کی قابل لحاظ آبادی تھی مسلمان بدترین مصائب کا شکار تھے۔ قادیانیوں نے ایک منظّم پلان کے تحت اقتصادیات پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی عجیب عجیب اسکیمیں تیار کر رکھی تھیں۔ ان ہی اسکیموں کے ایک جزو کے طور پر وہ مسلمانوں کا دائمی اقتصادی بائیکاٹ کیے ہوئے تھے اور اس سلسلے میں ہر قادیانی سے ایک اقرار نامے پر دستخط لیا جاتا تھا اور سختی کے ساتھ اس کی پابندی کرائی جاتی تھی۔ اس اقرار نامے کی عبارت یہ ہے:

''قادیان کی جماعت احمدیہ نے جو معاہدہ ترقی تجویز کیا ہے مجھے منظور ہے' میں اقرار کرتا ہوں کہ ضروریات جماعت قادیان کا خیال رکھوں گا اور قادیانی مدیر تجارت جو حکم کسی چیز کے بہم پہنچانے کا دیں گے اس کی تعمیل کروں گا۔ اور جو حکم ناظر امور عامہ دیں گے اس کی بلا چوں و چرا تعمیل کروں گا۔ نیز جو اور ہدایات وقتاً فوقتاً جاری ہوں گی ان کی پابندی کروں گا۔ اگر میں کسی حکم کی

---

[1] (تقریر مرزا محمود 25/اپریل 1930 تصویر مرزا ص60)

خلاف ورزی کروں گا تو جو جرمانہ تجویز ہوگا ادا کروں گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ۔۔۔ ہر قسم کا سودا احمدیوں سے خریدوں گا۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں بیس روپے سے لے کر سو روپیہ تک جرمانہ ادا کروں گا اور بیس روپیہ پیشگی جمع کراؤں گا۔ اگر میرا جمع شدہ روپیہ ضبط ہو جائے تو مجھے اس کی واپسی کا حق نہ ہوگا۔ نیز میں عہد کرتا ہوں کہ احمدیوں کی مخالف مجلس میں کبھی شریک نہ ہوں گا۔" [1]

اقتصادی بائیکاٹ کے علاوہ ان قادیانیوں نے مسلمانوں کے خلاف دہشت انگیزی 'بلوہ' مارپیٹ' قتل و قتال اور جائیدادو مکانات سے بالجبر بے دخلی کی صورتیں بھی اختیار کر رکھی تھیں۔ نومبر 1923 میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ایک خط کے ذریعہ قتل کی دھمکی دی گئی۔ [2]

اپریل 1924 یکم 3/2 کو قادیان میں اہل اسلام کا جلسہ ہوا تو 2-3 کی درمیانی شب کو جلسہ برخاست ہونے کے بعد قادیانی ہتھیار بند رات کی تاریکی میں مولانا امرتسری پر حملہ کرنے کے لیے جلسہ گاہ میں آئے۔ مولانا کی قیام گاہ کا علم نہ ہونے کے سبب ان پر حملہ کرنے میں کامیاب تو نہ ہوئے' لیکن جلسہ گاہ میں سوئے ہوئے کچھ بیرونی شرکائے جلسہ کو بری طرح زدو کوب کیا۔ [3] 1927ء میں قادیانی مذہب سے تائب ہونے والے دو سربرآوردہ مسلمانوں میں سے ایک شخص (حاجی محمد حسین) کو شہید کر دیا اور ان کے دوسرے ساتھی قتل ہونے سے توبچ گئے لیکن ان کا مکان جلادیا گیا۔ اور ان پر قادیان کی زمین اس طرح تنگ کی گئی کہ انھیں وہاں سے نکلتے ہی بنی۔ 1937ء میں شیخ عبدالرحمٰن مصری اور ان کے ہمراہیوں نے خلیفہ کی بدکرداری کے سبب ان کی بیعت توڑی تو انھیں غایت درجہ تنگ کیا گیا۔ حتیٰ کہ دو اشخاص پر قاتلانہ حملے ہوئے جن میں سے ایک فخر الدین ملتانی جانبر نہ ہو سکا۔

---

[1] (تصویر مرزا ص 63) [2] (اہل حدیث 30 نومبر 1923)
[3] (دیکھیے اہل حدیث امرتسر 11 / اپریل 1934)

اور بقیہ افراد کو قادیان سے رخصت ہونا پڑا۔ مرزا محمود نے کہہ رکھا تھا کہ

"قادیان میں ایک غیر احمدی کا وجود اس کے لیے باعث تردد ہے" [1]

اور وہ واقعی اس کو روبہ عمل لانے پر تلے بیٹھے تھے۔ چنانچہ انگریزی عدالت ناقابل تردید شہادتوں کی بنا پر اپنے فیصلے میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئی:

"انھوں نے (قادیانیوں نے) اپنے دلائل دوسروں سے منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لیے ایسے حربوں کا استعمال شروع کیا جنھیں ناپسندیدہ کہا جائے گا جن لوگوں نے قادیانیوں کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا انھیں مقاطعہ، قادیان سے اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی، بلکہ بسا اوقات انھوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی جماعت کے استحکام کی کوشش کی۔" [2]

قادیانیوں کے مظالم کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قادیان کے مسلمان باشندوں کو ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر مسلمانان ہند سے یہ اپیل کرنی پڑی:

"آپ لوگوں سے پوشیدہ نہ رہے کہ ہم لوگ جس بستی (قادیان) میں رہتے ہیں وہاں اکثریت مرزائیوں کی ہے جن کے خلیفہ مرزا محمود احمد سے ہم مظلومین خائف ہیں۔ ہمارے کاروبار بائیکاٹ کے ذریعے بند کر دیئے گئے ہیں اور ہمیں روٹی تک سے محتاج کرنے کی پوری پوری سعی کی جا رہی ہے۔ صرف بائیکاٹ پر بس نہیں بلکہ طرح طرح کے مقدمات میں پھانسا جا رہا ہے۔" [3]

پاکستان میں

قادیانیوں کی تمام تر خواہشات کے علی الرغم جب پاکستان ایک حقیقت بن کر

---

[1] (تصویر مرزا ص62) [2] (ایضا ایضا، فیصلہ مسٹر کھوسلہ)

[3] (زمزم لاہور 27 ستمبر 1938، المنبر 9 مارچ 1968)

منصہ شہود پر جلوہ گر ہو گیا تو قادیانیوں نے اپنے منصوبوں اور مقاصد کو روبہ عمل لانے کے لیے نئے خطوط پر اپنے کام کا آغاز کیا۔

1---انھوں نے کسی ایک صوبے کو مکمل طور پر قادیانی بنا کر وہاں اپنی حکومت قائم کرنے اور اس کے ذریعہ پورے پاکستان پر چھا جانے کی اسکیم تیار کی اور اس کے لیے ان کی نگاہ انتخاب بلوچستان پر پڑی۔ اس مقصد کے لیے میاں محمود (خلیفہ دوم) 22 جنوری 1948 کو (یعنی قیام پاکستان کے صرف چھ ماہ بعد) کوئٹہ حاضر ہوئے اور وہاں قادیانیوں سے خطاب کرتے ہوئے اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے پر پورا زور دیا۔ [1] اور پھر بعد کی تقریروں میں بھی اس کا اعادہ کرتے رہے [2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی وقتی خیال نہ تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور منظم پلان تھا۔

2---قادیانیوں نے اپنے آپ کو بالکل فوجی انداز پر منظم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کے ذہن میں مستقبل کی بابت جو اسکیمیں ہیں انھیں روبہ عمل لاتے وقت کسی بھی رکاوٹ کا آسانی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ میاں محمود اپنی تقریروں کے اندر بالکل فوجی لب ولہجہ اختیار کرتے تھے۔ عام لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو "دشمن" کے لفظ سے تعبیر کرنا ان کا گویا معمول تھا۔ اور وہ اپنے متبعین میں برابر عسکری روح پھونکنے کی کوشش کرتے تھے۔ [3]

3---قیام پاکستان کے بہت جلد بعد قادیانیوں نے ایک خالص قادیانی کالونی "ربوہ" آباد کی اور پورے پاکستان میں قادیانیوں کو "ریاست اندر ریاست" کے اصول پر منظم کر کے ربوہ کو اس کا مرکز یعنی دارالحکومت بنایا۔ جہاں کسی غیر قادیانی کے لیے قدم رکھنے کی بھی گنجائش نہ تھی اور نہ ہے۔ ربوہ کی ادارتی تنظیم بالکل حکومت کے سیکریٹریٹ کے انداز پر کی اور وہاں سے پاکستان بلکہ دنیا بھر کے قادیانیوں کو ہدایات جاری ہونے لگیں۔

---

[1] (یہ تقریر 13/ اگست 1948 کے الفضل میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

[2] (دیکھیے الفضل 5/ جولائی 1950)

[3] (مثال کے طور پر دیکھیے الفضل 7/ اپریل 1935، 16/ جولائی 1949 و تقریر جلسہ سالانہ 1952)

4--- جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ قادیانیوں نے پاکستانی فوج میں ''جیش الفرقان'' کے نام سے اپنی ایک باقاعدہ اور علیحدہ بٹالین تیار کی اور اپنی سازشوں کے ذریعہ فوج کے بہت سے نازک اور کلیدی مناصب پر فائز ہو کر پوری فوج کو قادیانی فوج میں تبدیل کرنے کی راہ ہموار کرنی شروع کی۔

5--- قادیانیوں نے انگریزوں کے ساتھ بے پایاں وفاداری سے پیش آنے کے صلے میں قیامِ پاکستان سے پہلے ہی بڑی بڑی جاگیروں اور بڑے بڑے مناصب پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد صورت یہ تھی کہ وہ بہت سے کلیدوں عہدوں پر قابض تھے یا پوری تیز رفتاری کے ساتھ قابض ہو گئے۔ پھر اس قسم کے قادیانی عہدے داروں نے اپنے اپنے اداروں میں اپنے اپنے دائرہ اختیار کے مطابق قادیانیوں کی بھرتی شروع کی اس طرح اپنے عددی تناسب کے لحاظ سے قادیانیوں نے اپنے استحقاق سے بہت زیادہ عہدوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ کوشش ایک منظم پلان کے تحت چل رہی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کی مشینری پورے طور پر اپنے قابو میں لے لی جائے اور اسے جس طرح چاہا جائے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔

6--- سر ظفر اللہ خاں جیسا کٹر قادیانی اپنی چابک دستی سے پاکستان کی وزارت خارجہ جیسے اہم اور کلیدی منصب پر فائز ہو گیا۔ اس شخص نے حکومت پاکستان کی مشینری پر قادیانیوں کو مسلط کرنے میں اپنے منصب کا بھرپور ناجائز فائدہ اٹھایا۔

7--- اپنے ان مناصب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے پاکستانی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کیا اور ان میں مختلف ذرائع سے انتشار و اضطراب برپا کر کے پورے ملک میں عدم استحکام کی فضا پیدا کرنی شروع کی۔

8--- اور صرف چند سال کے اندر اندر ایک منظم پلان کے تحت جب یہ ساری اسکیمیں ایک بڑی حد تک روبہ عمل آگئیں تو خلیفہ قادیان (میاں محمود) نے مسلمانوں کو کھل کر دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ ان کے لب ولہجہ میں بڑی تندی اور سختی ہوتی اور وہ کچھ اس انداز سے بولتے کہ اے دشمنو! فتح و غلبہ ہمیں کو حاصل ہو گا۔ بہت جلد تم ہمارے روبرو مجرم کی حیثیت سے پیش کیے جاؤ گے اور جو حشر فتح مکہ کے دن ابو جہل اور اس کے ہم نواؤں کا ہوا تھا

وہی تمہارا بھی ہوگا۔ 1953 گذرنے سے پہلے پہلے ہمارے دشمن کو احمدیت کی قوت کا پتا لگ جانا چاہیے اور اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ احمدیت کے قلعہ کے علاوہ کہیں پناہ نہیں مل سکتی وغیرہ وغیرہ۔ [1]

1953ء کے آغاز میں اور اس سے پہلے بھی اس طرح کے کئی ایک بیانات شائع ہوئے جن کے لب ولہجہ سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حکومت کے تمام تر اختیارات و مناصب قادیانیوں کے قبضہ میں ہی ہیں۔ چنانچہ منیر انکوائری کمیشن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

''بدلے ہوئے حالات (یعنی تقسیم ملک) کے مطابق ان (قادیانیوں) کی سرگرمیوں اور ان کی جارحانہ نشر و اشاعت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔ اور غیر احمدی مسلمانوں کے خلاف دلآزار باتیں کہی جاتی رہیں۔'' [2]

9--- بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر جارحانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ چنانچہ یہی کمیشن رقم طراز ہے:

''اسی طرح جب انھوں نے (یعنی قادیانی رہنماؤں نے) اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈہ کو تیز کر دیں تاکہ 1953 کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آجائے تو گویا مسلمانوں کو تبدیلی مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دے دیا۔'' [3]

ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1953ء میں ایک ہولناک قادیانی مسلم فساد پھوٹ پڑا۔ زخمی دل اور زخمی بدن مسلمانان پاکستان کے جذبات پھٹ پڑے اور احتجاج کا لاوا ابل پڑا۔ احتجاج کا سلسلہ سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے برطرف کیے جانے کے مطالبہ سے شروع ہوا اور بہت جلد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے دائرے اور حدود کی

---

[1] (مثال کے طور پر دیکھیے الفضل 3/جنوری 1953 اور 16 جنوری 1953)

[2] (منیر انکوائری رپورٹ ص 28، المنبر 24/رمضان 1386)

[3] (ایضاً ص 280، المنبر 8/ذی الحجہ 1387ھ)

تعیین کے مطالبے تک جا پہنچا۔ یہ ایسا پرزور احتجاج تھا جس کی نظیر پاکستان نے نہ دیکھی تھی۔

حکومت پاکستان نے (جس کی مشینری پر قادیانی چھائے ہوئے تھے) ان مطالبات پر معقولیت کے ساتھ غور کرنے کے بجائے احتجاج کرنے والوں کے سینوں پر پوری بے دردی کے ساتھ گولیاں برسائیں اور پورے پاکستانی پنجاب میں (جو احتجاج کا مرکز تھا) تین ماہ کے لیے مارشل لاء نافذ کر کے دہشت پسند حکومتوں کی طرح مسلمانوں کا احتجاج نہایت سختی کے ساتھ کچل دیا۔ کوئی دس ہزار مسلمان مارے گئے۔ [1] اور بے شمار مسلم عوام اور ان کے لیڈروں اور علما کو جیل میں ٹھونس دیا گیا پھر ایک بے رحم فوجی عدالت قائم کی گئی جس نے سرسری بیانات کے بعد لمبی لمبی سزائیں نافذ کر دیں۔ اسی سلسلے میں مولانا مودودی کو صرف اسی بنا پر پھانسی دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ انھوں نے "مسئلہ قادیانیت" نام کا ایک رسالہ لکھا تھا۔ حالانکہ اس رسالہ میں نہایت سنجیدہ اور علمی انداز میں مسلمانوں کے متعلق قادیانی موقف اور قادیانیوں کے عزائم کی وضاحت کی گئی تھی۔ مولانا مودودی کی یہ سزا بعد میں عالم اسلام کے احتجاج کے سبب عمر قید (بامشقت) میں تبدیل کر دی گئی تھی۔

حکومت پاکستان کے اس طرز عمل کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر ایک مایوسی کی سی فضا پیدا ہو گئی اور قادیانی حضرات بڑی حد تک مطمئن ہو کر درون پردہ اور بیرون پردہ اپنا کام انجام دیتے رہے۔ انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ پورے پاکستان پر قادیانی اقتدار مسلط کر دینا اتنا آسان نہیں ہے جتنا انھوں نے سمجھ رکھا تھا، لیکن وہ اپنے مقاصد سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ اور 1954ء سے 1958ء تک کے سیاسی اضطراب و انتشار سے انھوں نے خاصی قوت حاصل کی۔

10---27 اکتوبر 1958ء کو ایوب خاں کے برسر اقتدار آجانے کے نتیجہ میں ایک عرصہ تک کسی سیاسی قوت کو پاکستان میں ابھرنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن اس پورے عرصے

---

[1] (پروفیسر عبد الغفور ممبر پارلیمنٹ آف پاکستان کا بیان شائع شدہ رابطہ عالم اسلامی شمارہ فروری و مارچ 1975ص 54)

میں قادیانی حضرات نہایت آزادی کے ساتھ تفریق وانتشار کا بیج بوتے رہے۔ انھوں نے ایوب خان کا خصوصی تقرب حاصل کیا اور رفتہ رفتہ وہ بہت سے ایسے کلیدی عہدوں تک پہنچ گئے جہاں تک پہلے ان کی یا تو رسائی نہ ہوئی تھی یا رسائی ہونے کے بعد سیاسی اتھل پتھل کے نتیجے میں وہ عہدے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کا پوتا 'ایم۔ ایم احمد حکومت پاکستان کی منصوبہ بندی کا ڈپٹی چیئر مین ہوا اور متعصب ترین قادیانی مسٹر عبدالسلام' ایوب خاں کا سائنسی مشیر ہوا اور ایک تیسرا قادیانی مسٹر ایم این فاروقی انتخابی کمیشن کا چیئر مین بنایا گیا۔ یہ ایسے اہم مناصب ہیں جن کے محور پر ملک کی سیاسیات واقتصادیات اور فنی ترقیات کی گاڑی کے پہیے گھومتے ہیں۔ اسی طرح ان سے نیچے کے اداروں میں بھی بے پناہ قادیانی بھر گئے۔

اپنی اس پوزیشن کے ساتھ قادیانیوں نے درپردہ کیا کیا تیاریاں کر رکھی تھیں اور کیا کیا مقاصد روبکار لانا چاہتے تھے' اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے ٹھیک ایک ماہ پہلے انھوں نے سر ظفر اللہ خاں کے زیر سایہ لندن میں اپنا ایک عالمی کنونشن کیا۔ اس کنونشن میں خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ قادیانی حکومت قائم ہو جانے کے بعد مالیاتی نظام کے لیے کیا پالیسی اختیار کی جائے گی۔ [1] پھر اس کے ایک ماہ بعد جنگ چھڑی تو قادیانی سپاہیوں اور کمانڈروں نے نازک ترین مراحل میں پاکستانی فوج کو دغا دی۔ جنگ کے بعد پاکستان میں عام طور پر ان کے فوجی کردار پر نکتہ چینی کی گئی اور اس کے متعلق بدظنی اور بے اعتمادی کا اظہار کیا گیا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جنگ سے ایک ماہ پہلے اس طرح کا عالمی کنونشن اور ایسی قرارداد اور پھر جنگ کے دوران اپنے ملک سے غداری وبے وفائی کس بات کی غمازی کر رہی ہے۔

---

[1] (اس کی مفصل رپورٹ بحوالہ جنگ راولپنڈی 4 / اگست 1965' المنبر لائل پور 25 نومبر 1966 کے ماہانہ ایڈیشن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تاہم حکومت کی سطح پر قادیانیوں کی پوزیشن کا یہ حال تھا کہ جب 1965ء کی مذکورہ جنگ کے بعد فوجیوں کو ان کے کارناموں پر تمغے دیئے جانے کا اعلان ہوا تو قادیانی آرگن الفضل ربوہ نے اعلان کیا کہ 1948ء میں کشمیر محاذ پر جن فوجیوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا تھا حکومت کی جانب سے انھیں جو فوجی اعزازات دیئے گئے ہیں ان کے حصول کے لیے قادیانی تنظیم (ربوہ) کے سربراہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ تمغہ جات ربوہ ہی میں تقسیم ہوں گے۔ [1]

اور 1968ء میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر جنرل محمد موسیٰ خاں کے دستخط سے یکم اپریل کو یہ حکم نامہ جاری ہوا کہ کسی فرقے کے "الہامات اور پیش گوئیوں" پر تنقید نہ کی جائے۔ اور اس حکم نامہ کی پابندی کرانے کے لیے یہ خصوصی اہتمام کیا گیا کہ ہر اخبار اور پریس کے مالک کو اے ڈی ایم کی عدالت میں حاضر کیا گیا اور ان سے دستخط لے کر یہ حکم نامہ انھیں دیا گیا۔ جب کہ قادیانیوں کے لیے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی اور ناوک فگنی کی کھلی چھوٹ باقی رکھی گئی۔

اس دور میں حکومت پاکستان کی مشینری پر قادیانیوں کا تسلط اور حکومت کی قادیانیت نوازی اس حد کو جا پہنچی کہ خود صدر ایوب کو قادیانی سمجھا جانے لگا اور بالآخر انھیں قادیانیت سے اپنی براءت کے سلسلہ میں باقاعدہ اعلان جاری کرنا پڑا۔

11--- حکومت کی مشینری میں اس طرح قادیانیوں کے در آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے (پچھلے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے) پاکستان کے مختلف طبقات میں بے چینی و اضطراب کے بیج بونے کی زیر زمین تگ و دو جاری رکھی اور اس طرح کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے انھیں خوب ہوا دی۔ چنانچہ 1968 میں جب ایبڈو زدہ لیڈروں سے پابندی ہٹی تو پورے پاکستان میں انتشار مچ گیا۔ صوبائی عصبیت کے نعروں سے گلی کوچے گونج اٹھے اور مشرقی پاکستان میں "علیحدگی کا رجحان کھل کر سامنے آگیا۔ یہ چیز قادیانیوں کے منشا کے عین

---

[1] (تفصیل کے لیے دیکھیے المنبر لائل پور 9/ ذوالقعدہ 1388 ص 4)

مطابق تھی۔

12--- پھر یحییٰ خاں کے دور مارشل لاء میں پاکستان کے قادیانی وزیر خزانہ نے "مشرقی پاکستان" کے سیلاب زدوں اور مصیبت کے ماروں کے ساتھ خصوصاً اور پورے صوبے کے ساتھ عموماً ایسا رویہ اختیار کیا کہ علیحدگی پسندی کا رجحان طوفان اور سیلاب کی طرح بڑھتا چلا گیا اور اس کے پکتے ہوئے لاوے 1971ء میں آتش فشان بن کر پھٹ پڑے۔

13--- 1965 کی پاک بھارت جنگ اور اس کے رد عمل کا جائزہ لینے کے بعد ہی سے ایک قادیانی حکومت کے قیام کی کھچڑی بڑے زور و شور سے پکنی شروع ہو گئی تھی۔ مرزا ناصر صاحب (خلیفہ قادیان ثالث) نے 1967ء میں یورپ کا دورہ کیا اور اپنے قدیمی اور آبائی اولیائے نعمت (انگریزوں) کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے پیروکاروں کو پچیس سال کے اندر دنیا کے بیشتر ممالک پر قادیانی اقتدار و تسلط اور غلبہ و حکومت قائم ہو جانے کی خوش خبری سنائی اور کامل یقین کے ساتھ سنائی۔ [1] اور یہ بھی بتلایا کہ اس غلبہ اور انقلاب کو چین و روس اور امریکہ بھی نہیں روک سکتے [2] اور صرف یہ خوشخبری ہی نہیں سنائی بلکہ قادیانیوں کی نئی پود کو ایسے خطوط پر پرورش کرنے اور تربیت دینے کی ہدایت کی کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورے طور پر سنبھال سکیں۔ [3]

مرزا ناصر کا یہ اعلان محض قادیانیوں کی داخلی تیاریوں کی بنا پر نہیں تھا بلکہ ان عالمی طاقتوں کے ساتھ ایک باقاعدہ سازش کی بنیاد پر تھا جو عالم اسلام کو بدبختیوں اور مصیبتوں سے دوچار رکھنے اور اس کے اندر شکست و ریخت کی مہم چلانے اور توڑ پھوڑ کی زیر زمین تحریکیں پیدا کرنے کے لیے اپنے بے پناہ وسائل صرف کرتی ہیں۔ چنانچہ ٹھیک انہی ایام میں جب کہ مرزا ناصر اس طرح کے اعلانات کر رہے تھے سر ظفر اللہ خاں پاکستان سے باہر اپنا مستقل قیام رکھتے ہوئے پاکستان کے "ذہین" طبقہ سے وسیع رابطہ پیدا کرنے کی مہم چلاتے رہے اور اس

---

[1] (الفضل 24 / فروری 1967) [2] (ایضاً 30 جون 1967)

[3] (ایضاً 28 / جون 1967)

کے بعد عرب اسرائیل جنگ سے صرف چند ہفتے قبل حج کے بہانے دنیا بھر کے قادیانی نمائندوں کو سرزمین حرم میں جمع کر کے ایک خفیہ قادیانی کانفرنس کی [1] ۔ یہاں یہ توضیح بھی بے جا نہ ہوگی کہ سر ظفر اللہ خاں کی ٹائپسٹ ایک یہودی لڑکی تھی ۔ [2] گویا قادیانیوں کے اصل حریم راز یہود تھے اور یہودیوں کو قادیانیوں سے جو تعلق خاطر تھا اور وہ (یہود) پاکستان کو عالم اسلام کا ایک مضبوط قلعہ سمجھ کر اس کی شکست وریخت سے جو دلچسپی رکھتے تھے اس کا ذکر اگلے صفحات میں کسی قدر تفصیل سے آرہا ہے۔

بہرحال عرب اسرائیل جنگ سے عین پہلے منعقد کی جانے والی اس کانفرنس کے بعد قادیانیوں کی تگ و دو کی تفصیلات کیا رہیں۔ یہ بات اب بھی پس پردہ ہی ہے۔

14--- اس پس منظر میں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ دسمبر 1971 میں بنگلا دیش کے لیے ہونے والی پاک بھارت جنگ میں قادیانیوں کے فوجی اور غیر فوجی دونوں بازوؤں نے ایسی روش اختیار کی کہ پاکستان کی مسلح افواج کو بری طرح ناکام ہونا پڑا۔ اور ملک کا ایک بازو ہمیشہ کے لیے کٹ کر الگ ہوگیا تو ان کے حقیقی عزائم کا پردہ فاش ہوتا ہے۔ (قادیانیوں کی یہ خفیہ غدارانہ روش پاکستان میں اچھی طرح طشت از بام ہو چکی ہے جسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں)

15--- بنگلا دیش کو قادیانیوں نے پاکستان سے کاٹنے میں دلچسپی اسی لیے لی تھی کہ وہاں ان کا کوئی منظم طبقہ موجود نہ تھا اور نہ اس سرزمین میں ان کی کوششیں پنپتی نظر آ رہی تھیں۔ بنگلا دیش کی علیحدگی کے بعد قادیانیوں کے لیے میدان ذرا زیادہ ہموار نظر آ رہا تھا۔ ان کا اگلا پلان یہ تھا کہ پاکستانی افواج کے تمام کلیدی مناصب پر قبضہ کر کے کسی بھی سیاسی انتشار سے (جسے برپا کرنا قادیانیوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا) فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی انقلاب برپا کر دیں اور پورے پاکستان پر قادیانی حکومت قائم کر دیں۔

---

[1] (دیکھیے المنبر' لائل پور 14 جولائی 1967)

[2] (الاعتصام یکم ستمبر 1967 ص 9)

16---دسمبر 1971ء کی جنگ کے بعد ظفر چودھری ہوائی فوج کا سربراہ---ایئر مارشل---بن چکا تھا اور وہ نہایت سرعت کے ساتھ پاکستانی ہوائی فوج کو قادیانی فوج میں تبدیل کر رہا تھا۔ بری افواج کے اہم مناصب پر بھی نئی نئی تقرریاں عمل میں آ رہی تھیں۔ اور قادیانی کمانڈران اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مناصب پر قابض ہو رہے تھے۔ 28 ہزار بنگالی سول ملازمین اپنے عہدوں سے برطرف کیے جانے کے بعد بنگلا دیش بھیجے جانے کے لیے کیمپوں کے اندر نیم فوجی حراست میں اپنی روانگی کے ایام کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی خالی شدہ اسامیاں اور اسی طرح دوسری بہت سی خالی شدہ اسامیاں پر کرنے کے لیے بہت سارے افراد کی ضرورت تھی اور قادیانی حضرات اپنے مستحکم روابط اور خفیہ تعلقات کی بنا پر کھیپ کی کھیپ ان اسامیوں پر قابض ہو رہے تھے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے ذرائع تھے جن کی بنیاد پر پاکستان میں مکمل انقلاب لانے کی زیرزمین تیاریاں قادیانیوں نے کئی پہلو سے مکمل کر لی تھیں اور وہ اس راہ کے کئی سنگہائے میل طے کر چکے تھے کہ اچانک ان کی شامت اعمال کا وقت آ گیا اور ان کی تدبیر کی ایک غلطی یا حد سے بڑھی ہوئی مسلم دشمنی کے جذبے نے ان کے حقیقی عزائم کے رخ کو بے نقاب کر دیا۔

اس کی مختصر سی توضیح یہ ہے کہ قادیانی حضرات نے اپنی ان خفیہ سیاسی تگ ودو کے ساتھ ساتھ پاکستان میں تبلیغ قادیانیت کے نام پر جو اودھم بپا کر رکھی تھی اس کے اس پیش نظر متعدد علمائے کرام نے ایک جلسہ میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ان کے اس ''قصور'' پر پرجوش قادیانی نوجوانوں نے ان علمائے کرام پر حملہ کر دیا۔ اس سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ انھیں ایام میں ایک میڈیکل کالج کے کچھ مسلم طلبا سفر کرتے ہوئے ربوہ کے ریلوے اسٹیشن سے گزرے جب ٹرین ربوہ اسٹیشن پر رکی تو انھوں نے ختم نبوت کی حمایت اور مدعیان نبوت باطلہ کی تکذیب سے متعلق نعرے لگائے۔ قادیانیوں کے لیے یہ ردعمل اچانک تھا۔ اس لیے وہ فوری طور پر کوئی قدم نہ اٹھا سکے' لیکن مزید ایک ہفتہ بعد 30 مئی 1974 کو جب اسی کالج کے تقریباً دوسو طلبا ربوہ اسٹیشن سے گزرے تو ربوہ کے ناظر اعلیٰ نے تقریباً پانچ ہزار ہتھیار بند قادیانیوں کی مدد سے ٹرین رکتے ہی حملہ کر دیا اور ٹرین کے ڈبوں

سے ان طلبا کو کھینچ کھینچ کر بری طرح زدو کوب کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ پولیس نے مداخلت کر کے اپنے زور بازو سے اس حملہ کو روک نہیں دیا۔
قادیانیوں کے اس حد سے بڑھے ہوئے جارحانہ اور ظالمانہ اقدام نے پاکستان میں اس سرے سے اس سرے تک اشتعال پیدا کر دیا۔ جگہ جگہ قادیانی مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ پچاسوں افراد مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے' آتش زنی کی وارداتیں ہوئیں اور کئی بڑے بڑے بازار جل کر راکھ ہو گئے۔ اسی کے ساتھ پورے پاکستان میں مسلمانوں کی طرف سے ایسا احتجاج ہوا اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے مطالبے نے اتنی شدت اختیار کی کہ حکومت پاکستان کو آخر کار یہ مسئلہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ پاکستانی پارلیمنٹ نے 30 جون 1974ء سے اس مسئلہ کی تحقیق و تفتیش کا سلسلہ شروع کیا اور مکمل اور بھرپور آزادی کے ساتھ قادیانیوں کو اپنا موقف اور اس کے دلائل پیش کرنے کی اجازت دی اور اس سلسلے کے تمام اخراجات بھی خود حکومت نے برداشت کیے۔ سوا مہینے کی تحقیق کے نتیجے میں جب سارا مواد اکٹھا ہو گیا تو اگست کے دوسرے ہفتے سے پاکستانی پارلیمنٹ نے اس مسئلہ پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ کارروائی خفیہ طریقے پر انجام پاتی رہی۔ قادیانیوں نے ممبران پارلیمنٹ پر طرح طرح کے اندرونی اور بیرونی دباؤ ڈالے اور انھیں بڑی بڑی رشوتوں کے ذریعہ خریدنا چاہا لیکن ایک ماہ کی مسلسل بحث و تمحیص کے بعد پاکستانی پارلیمنٹ نے 7/ ستمبر 1974ء کو بالاتفاق قادیانی امت بہر دو صنف ربوی و لاہوری۔۔۔ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں پاکستانی پارلیمنٹ نے جو قرارداد منظور کی اس کا حاصل یہ ہے کہ:

"جو شخص محمد ﷺ کی نبوت مطلقہ پر ایمان نہ رکھے اور آپ کو آخری پیغمبر تسلیم نہ کرے' یا جو شخص کسی بھی معنی' کسی بھی شکل اور لفظ نبوت کی کسی بھی تعبیر کے مطابق نبوت کا مدعی ہو اسی طرح جو شخص ایسے کسی بھی مدعی نبوت پر ایمان لائے یا اسے مجدد دین سمجھے وہ دستور و قانون کی نگاہ میں غیر مسلم ہے۔" [1]

---

[1] یہ تفصیلات رابطہ عالم اسلامی جون 1974 میں شائع شدہ خبروں اور فروری و مارچ 1975 میں شائع ہونے والے پروفیسر عبدالغفور صاحب ممبر پارلیمنٹ پاکستان کے ایک بیان سے ماخوذ ہیں۔

قادیانی اور صیہونی تعلقات

پاکستان میں قدم جمانے کے بعد قادیانیوں نے صرف پاکستان ہی کو اپنی عنایتوں کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ پاکستان کو مرکز بنا کر انھوں نے بہت سارے ممالک میں اپنے مشن قائم کیے اور ان کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار و تفریق اور بے چینی و اضطراب پیدا کرنے اور استعمار کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے تگ و دو کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا استعماری اور سازشی قوتوں کے ساتھ قادیانیوں کا جو ربط تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب پاکستان میں سر ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے برطرف کیے جانے کے مطالبے نے بہت زور پکڑا تھا تو اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم نے نہایت بے بسی کے ساتھ کہا تھا کہ سر ظفر اللہ خاں سے دامن چھڑانا ان کے بس کا روگ نہیں کیوں کہ اس کے نتیجے میں پاکستان کو ملنے والی بیرونی امداد بند ہو جائے گی۔ خوراک و غذائی اشیا اس کا خاص نشانہ بنیں گی۔ در آں حال یہ کہ پاکستان اس وقت اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے اس کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔ [1]

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دنیا کی سب سے خطرناک تحریک صیہونیت کے مرکز اسرائیل میں قادیانیوں کا ایک بھاری مشن پایا جاتا ہے۔ یہ مشن اسرائیل کے ساحلی شہر حیفہ میں واقع ہے اور اسرائیلی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے برطانوی استعمار کی خدمت انجام دیتا تھا اور اسرائیل کے وجود میں آجانے کے بعد اس کا کام یہ ہے کہ فلسطینی و غیر فلسطینی مسلمانوں میں صہیونی مقاصد کے لیے عمل پیرا ہو۔ اس مشن کی اصل سرگرمیاں تو پس پردہ ہیں لیکن جو چند حقائق طشت از بام ہو چکے ہیں ان سے اس مشن کے حقیقی کردار کے خط و خال سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

---

[1] (پروفیسر عبد الغفور ممبر پارلیمنٹ پاکستان کا بیان شائع شدہ رابطہ العالم الاسلامی" فروری و مارچ 1975 صفحہ 53)

جیسا کہ ابھی بتایا گیا اس مشن کا وجود ریاست اسرائیل کے قیام کے پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اس مشن نے ایک پورے گاؤں کو قادیانی بنا رکھا تھا۔ جو اب بھی قادیانیت کی پر جوش تبلیغ میں مصروف ہے۔ جب اسرائیل قائم ہوا تو دنیا جانتی ہے کہ اس نے فوراً دس لاکھ کے قریب فلسطینی مسلمانوں کو ان کے آبائی مکانات اور جائیدادوں سے بے دخل کر دیا۔۔۔ اور اس کے بعد سے یہ عمل مسلسل جاری ہے۔۔۔ لیکن اس قادیانی مشن اور قادیانی گاؤں پر کوئی حرف نہیں آیا بلکہ اس کے برعکس حیفہ کے میئر نے قادیانی مبلغ سے ملاقات کر کے از خود قادیانیوں کو یہ پیش کش کی کہ وہ جبل کبابیر کے پاس قادیانی سکول قائم کریں۔

اس طرح صیہونی مفکرین نے قادیانی مبلغین کو از خود یہ دعوت دی کہ وہ یہودی یونیورسٹی میں اپنے دین کی اشاعت کریں۔ چنانچہ قادیانی مبلغ نے یہ دعوت قبول کی اور یہودی یونیورسٹی میں تقریر کی جس میں انھوں نے قادیانیت کو یہودی اساتذہ اور طلبا ہی کے سامنے نہیں بلکہ بطور خاص بلائے ہوئے بعض یہودی مستشرقین کے سامنے بھی پیش کیا۔

اور ان سب سے بڑھ کر قادیانیوں کا چہرہ اس حقیقت سے بے نقاب ہوتا ہے کہ 1956 میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کی مدد سے سینا اور نہر سویز پر جو حملہ کیا تھا اس سے تھوڑے دنوں قبل اسرائیل میں متعین ربوہ کے قادیانی مبلغ محمد شریف کو صدر اسرائیل نے ملاقات کی دعوت دی۔ اس ملاقات کے دوران قادیانی مبلغ کو صدر اسرائیل سے کچھ خصوصی ہدایات عطا ہوئیں۔ جنھیں لے کر قادیانی مبلغ عین اس وقت پاکستان آیا جب اسرائیل نہر سویز پر حملہ کرنے کا منصوبہ بروئے کار لانے کی آخری تیاریاں کر رہا تھا۔ اس ملاقات کو صیہونی اور قادیانی دونوں حلقوں میں بڑی اہمیت دی گئی اور اسرائیلی ریڈیو اور صحافت نے اسے خوب نشر کیا۔

اور واقعی اس ملاقات کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوا کہ قادیانی مبلغ نے پاکستان واپس آ کر نہ صرف اسرائیل کے حق میں بے لاگ پروپیگنڈہ ہی شروع کیا اور اس کے فضائل و مناقب میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے بلکہ قادیانیوں نے صدر اسرائیل کی خفیہ ہدایات کے مطابق ایسے وسائل اختیار کیے کہ بالآخر پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم مرحوم شہید حسین سہروردی نے مصری موقف کی مخالفت اور اسرائیلی موقف کی حمایت کر

دی [1] اور یہ پاکستان کی ایسی لغزش تھی جس نے عالم عرب میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً اسے نکو بنا کر رکھ دیا اور بعد کی تمام تر مساعی جمیلہ کے باوجود کم از کم مرحوم صدر ناصر تو مرتے دم تک اس زخم کو نہ بھلا سکے اور پاکستان و مصر میں مکمل صفائی صدر سادات کے بر سر اقتدار آنے کے بعد ہی ہو سکی۔

ٹھیک 1965ء کی پاک بھارت جنگ کی طرح 1967 کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر بھی جنگ سے تھوڑے دنوں پہلے قادیانیوں کے سرگرم بین الاقوامی سفیر سر ظفر اللہ خاں نے حج کے بہانے دنیا بھر کے قادیانیوں کو مکہ مکرمہ میں جمع کیا اور ان کی ایک اہم کانفرنس کی جس کی قرار دادیں اور مقاصد خفیہ رہے۔ اس کانفرنس سے پہلے قادیانیوں اور اسرائیلی سربراہوں میں ملاقاتیں ہوئی تھیں یا نہیں؟ یہ بات تو صیغہ راز ہی میں رہ گئی لیکن یہ حقیقت معلوم و معروف ہے کہ اس وقت سر ظفر اللہ خاں کی ٹائپسٹ ۔۔۔ جسے دوسرے لفظوں میں محرم راز کہنا چاہیے۔۔۔ ایک یہودی لڑکی تھی۔۔۔ نیز حیفا کا قادیانی مشن اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ سرگرم عمل تھا۔ اس کانفرنس کے نتائج بھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ تاہم اس حقیقت کا مشاہدہ تو دنیا نے کیا کہ 1967 کی ہولناک جنگ کے دوران یا اس کے بعد قادیانی مشن پر اور قادیانیوں کی املاک پر کوئی آنچ نہیں آئی اور فلسطینی مسلمانوں کے خلاف جو عام دہشت انگیزی، قتل و غارت گری، شکست و ریخت، اکھاڑ پچھاڑ، مار دھاڑ اور دارو گیری جاری تھی اس کے بالکل برعکس قادیانی مشن کسی قسم کے تعرض کا نشانہ بنے بغیر نہایت اطمینان و سکون سے اپنا کام کرتا رہا۔

قادیانی سیاست کے "رخ رعنا" کی یہ جلوہ طرازیاں صاف بتلا رہی ہیں کہ قادیانی حضرات مسلمانوں کے سب سے بدترین اور سخت ترین دشمن یہودیوں سے صرف یہی نہیں کہ نہایت گہرے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں بلکہ دونوں فریق متحد المقصد بھی ہیں اور قادیانی

---

[1] (اس مشن کی یہ تفصیلات المنبر لائل پور 28/ جولائی 1967، 4/ اگست 1967ء اور 11/ اگست 1967ء کے شماروں سے ماخوذ ہیں۔)

حضرات بڑی بر خورداری کے ساتھ اسرائیلی مقاصد کے آلہ کار اور ایجنٹ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ یہ صرف ہمارا اپنا قیاس نہیں ہے بلکہ عرب ماہرین سیاست بھی قادیانی طرز عمل کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اسی نتیجے پر پہنچے ہیں اور در حقیقت واقعات کی بے لاگ شہادت بھی یہی ہے۔ اس سلسلے میں شام کے ایک محترم عالم خیر القادری کی کتاب " القادیانیة مطیة الاستعمار والبغیض " ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جس کا نام۔۔ قادیانیت مبغوض سامراج کی سواری۔۔۔ ہی ہماری پیش کردہ حقیقت کا عنوان بنا ہوا ہے اور خود قادیانیوں نے اپنے بیرونی مشن کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے ان میں سے بہت سے حقائق کا اعتراف کیا ہے۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد شبستاں اردو ڈائجسٹ دہلی میں سلامت علی مہدی صاحب کا ایک معلوماتی مضمون شائع ہوا تھا جس میں موصوف نے حیفہ کے اندر بہائی فرقے کی مسلم دشمن سرگرمیوں کا ایک جامع تذکرہ کیا تھا۔ اس پر مکہ مکرمہ سے اقبال سہیل نامی ایک صاحب نے ادارہ شبستاں ڈائجسٹ کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا۔ اس میں موصوف لکھتے ہیں:

> "سلامت علی مہدی نے اپنے نہایت مفید مضمون میں اسرائیل بندرگاہ حیفہ میں تحریک بہائیت کا ذکر کیا ہے اور نہایت خوبی سے ان کی سرگرمیوں کو اختصار سے بیان کیا ہے۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ سلامت علی مہدی کو فرقہ قادیانیت کے اہم مشن کا اسرائیل میں ہونا معلوم ہے یا نہیں؟ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ اسرائیل میں بہائیت کے بعد سب سے بڑا غیر ملکی مشن قادیانیوں کا ہے۔ اور حال ہی میں سینگال سے ایک مشہور اجتماعیت کے پروفیسر بیروت آئے تھے انھوں نے وہاں افریقہ میں یہودی ریشہ دوانیوں پر بے حد مفید لیکچر دیے جن میں یہ بتایا گیا تھا کہ افریقہ میں قادیانی اور بہائی کس طرح اسرائیل کے لیے کام کر رہے ہیں؟ انھوں نے نہایت مستند حوالوں سے عالمی صیہونی اور یہودی تحریک اور اسرائیل کے ساتھ قادیانیوں اور بہائیوں کے گہرے اشتراک عمل کو ثابت کیا۔" [1]

---

[1] (شبستان اردو ڈائجسٹ نئی دہلی اکتوبر 1968ء ص 146 زیر عنوان "آئینہ خیال"

علمائے اسلام کا ردعمل

پچھلے صفحات میں ہم نے اختصار و جامعیت کے ساتھ قادیانیت کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے مقاصد و عزائم کے مکروہ چہرے پر پڑے ہوئے خوشنما و دبیز پردے کو کسی حد تک ہٹا کر ان کے حقیقی خط و خال پیش کر دیے ہیں۔ کوئی بھی شخص جسے اسلامی غیرت و حمیت سے کچھ بھی واسطہ ہوگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ قادیانی نظریات و مقاصد ایسے نہیں ہیں کہ ان پر صبر اور خاموشی اختیار کی جا سکے یا ان سے صرف نظر کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نئے فتنے کے جلوہ گر ہوتے ہی علمائے اسلام اس کے خلاف صف آرا ہو گئے اور استعمار کی پشتیبانی اور حمایت و آبیاری کے علی الرغم اسے سرزمین پاک و ہند سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی اور اپنی تمام تر بے بسی و بے سامانی کے باوجود اللہ کے فضل سے انھیں بڑی بڑی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ جس پیمانے پر اور جس قوت کے ساتھ اس فتنے کی نشوونما کی جا رہی تھی اگر علمائے کرام کی مزاحمت آڑے نہ آئی ہوتی تو اب تک ملت اسلامیہ ہند اس فتنے سے مکمل طور پر مات کھا چکی ہوتی۔ قادیانی حضرات امت مسلمہ پر چھا چکے ہوتے اور اس فتنے کے مخالف اس فتنے کے علم برداروں کے چنگل میں گرفتار ہو کر آزادی گفتار ہی سے نہیں بلکہ حیات مستعار سے بھی محروم کیے جا چکے ہوتے۔

اس فتنے کے ظہور کے وقت علمائے اسلام کا جو ردعمل رہا اس کی ایک جھلک تو اگلی سطور میں آ ہی رہی ہے یہاں ہم یہ ذکر کرنا بھی بے جا نہیں سمجھتے کہ یہ فتنہ جس وقت اپنے پخت و پز کے مرحلے میں تھا اس وقت بھی علمائے کرام اس کی زہرناکی کے احساس و اظہار سے غافل نہ تھے۔ چنانچہ 1882ء میں پہلی بار جب مرزا صاحب کا دعوائے الہام' الہامی نمونوں سمیت سامنے آیا تو اگرچہ یہ الہامات صریح اور دوٹوک طور پر اسلام کے خلاف نہ تھے بلکہ کچھ گول مول تھے' کچھ معاون اسلام تھے اور اکثر و بیشتر مرزا صاحب کی اپنی ذاتی مدح و ستائش پر مشتمل تھے۔ اور اسی وجہ سے بعض علما کا حسن ظن بھی قائم رہ گیا تھا۔ لیکن دور اندیش علمائے اسلام نے اپنی فراست مومنانہ سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی اور وہ موقع بہ موقع اس کا اظہار

بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں:

"۔۔۔شہاب الدین نامی ایک شخص ۔۔۔۔ نے آ کر بیان کیا ہے کہ مولوی غلام علی صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب [1] اور دیگر دوسرے صاحبان اس قسم کے الہام سے جو رسولوں کی وحی کے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں بلکہ ان میں سے بعض مولوی صاحبان مجانین (پاگلوں) کے خیالات سے اس کو منسوب کرتے ہیں۔" [2]

اور اسی کی بابت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رقم طراز ہیں:

"مولانا حافظ عبدالمنان مرحوم محدث وزیرآبادی [3] سے میں نے خود سنا کہ مجھے شبہ ہوتا ہے کسی دن یہ شخص (مرزا) نبوت کا دعویٰ کرے گا اور ایسا ہی مولوی ابوعبداللہ غلام العلیٰ صاحب مرحوم امرتسری سے سننے والوں کا بیان ہے کہ مرحوم مرزا صاحب سے خوفزدہ تھے کہ کسی دن نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں مولوی صاحب کا نام لے کر رد بھی کیا ہے۔ [4] ایسا ہی مولوی غلام دستگیر مرحوم قصوری اور مولوی محمد وغیرہ خاندان علمائے لدھیانہ بھی مرزا صاحب سے بدظن تھے۔ ہم حیران ہیں ان علما کی فراست کس درجہ کی تھی کہ آخر کار وہی ہوا جو ان حضرات نے گمان کیا تھا۔" [5]

---

[1] مولانا غلام علی اور مولانا احمد اللہ معروف علمائے اہل حدیث میں سے تھے۔ ثالث الذکر کا حال مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ [2] (براہین احمدیہ ج4 ص 544-545)

[3] (بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے' نابینا اور حافظ الحدیث تھے۔ "استاد پنجاب" کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ پیدائش 1267ھ' وفات رمضان 1334ھ)

[4] (دیکھیے براہین احمدیہ ج4 ص 544,471) [5] (تاریخ مرزا ص 10)

1989ء میں مرزا صاحب علی گڑھ گئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب آپ لوگوں سے بحیثیت مجدد وقت اور مامور من اللہ بیعت لیتے پھر رہے تھے۔ آپ نے وہاں بھی اپنے الہام کا سکہ جمانے اور بیعت لینے کی کوشش کی لیکن وہاں ایک بزرگ مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی ہوا کرتے تھے جو ایک بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ انھوں نے مرزا صاحب کے الہام کی قلعی اس طرح کھولی کہ بے چارے مرزا صاحب کو بہت زچ ہو کر واپس ہونا پڑا۔ [1]

جن علمائے کرام کا حسن ظن مرزا صاحب کے ساتھ قائم تھا وہ بھی موصوف کے الہامی دعووں اور پیش گوئیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور اسی لیے کمال دلسوزی کے ساتھ مرزا صاحب کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ اس طرح کی پیشین گوئیاں شائع کر کے اپنی اور دین اسلام کی ذلت و رسوائی کا سامان نہ فراہم کریں۔ مرزا صاحب نے یکم دسمبر 1888ء کے اشتہار میں ایسے لوگوں کو دل کھول کر برا بھلا کہا ہے۔ جس کا مختصر سا اقتباس پچھلے صفحات میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

غرض قادیانی فتنے کے پخت و پز کے مرحلے ہی سے علمائے اسلام مرزا صاحب کے متعلق کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے بلکہ وہ بڑی حد تک اصل حقیقت سمجھ رہے تھے اور اس کا برملا اظہار بھی کر رہے تھے مگر اس وقت تک مرزا صاحب اتنی صفائی کے ساتھ اسلام سے منحرف نہ ہوئے تھے اور نہ ایسی صورت حال ہی پیش آئی تھی کہ کسی بڑے پیمانے پر ان کے خلاف تردیدی اقدام کیا جاتا لیکن 1891 کے آغاز میں جب یہ فتنہ کھل کر سامنے آگیا اور مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کے دعوے کا اعلان کر دیا تو فوراً علمائے اسلام اس فتنے کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اگلی سطور میں ہم ان علمائے کرام کا مختصر ذکر اور تعارف پیش کر رہے ہیں جنھوں نے اس فتنے کے قلع قمع کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔

---

[1] (رئیس قادیان ص168-170' مرزا صاحب نے بھی اس واقعہ کو محرف شکل میں فتح اسلام کے اندر ذکر کیا ہے۔)

مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ [م 29 جنوری 1920ء]

مخالفین قادیانیت کے پہلے قافلہ سالار

موصوف کا ذکر پچھلے صفحات میں متعدد بار آ چکا ہے۔ آپ پورے برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے عالم دین ہیں جنھوں نے فتنہ قادیانیت کے ظاہر ہوتے ہی اس کے خلاف ایک بھاری اور مؤثر قدم اٹھایا۔

آپ اپنے دور کے چوٹی کے اہل حدیث عالم اور حضرت میاں صاحب مولانا نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ایک ممتاز اور لائق فخر شاگرد تھے۔ آپ کے اندر مسلک سلف کی اشاعت کا بے پناہ جذبہ اور زبردست داعیہ تھا اور اس مقصد کے لیے درس و خطابت کے ساتھ ساتھ اشاعت السنہ کے نام سے آپ نے ایک بلند پایہ اور کامیاب ماہانہ رسالہ بھی جاری کر رکھا تھا۔

آپ صرف یہی نہیں کہ قادیانیت کے زبردست مخالف تھے بلکہ تمام مخالفین کے پیشوا اور قافلہ سالار بھی تھے۔ مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت سے متعلق رسالے ''توضیح المرام فتح الاسلام'' وغیرہ ابھی پریس میں زیر طبع ہی تھے کہ مولانا بٹالوی کو خبر لگ گئی' آپ نے افہام و تفہیم کی ہر چند کوشش کی۔ طویل خط و کتابت ہوئی مگر مرزا صاحب باز نہ آئے اور بالآخر جنوری 1891ء میں یہ رسالے منظر پر آ ہی گئے۔ لہٰذا مولانا بٹالوی نے امت کی حفاظت کے لیے فوراً دوسرا قدم اٹھایا۔ آپ نے مرزا صاحب کے دعاوی کا ایک مرقع تیار کیا اور اسے اولاً حضرت میاں صاحب مولانا نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور بعدہ تمام اکابر علما کی خدمت میں پیش کر کے یہ سوال کیا کہ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ میاں صاحب نے نہایت قوی اور محکم دلائل کی رو سے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ ایسا شخص شرعاً گمراہ اور کافر ہے اور دوسرے علما نے اس کی تائید و تصدیق کی۔ مولانا بٹالوی نے بہت بڑے پیمانے پر اس فتوے کی تشہیر و اشاعت کی۔ چنانچہ قادیانی اعیان تک کو اعتراف ہے کہ مولانا بٹالوی کے اس اقدام سے قادیانی امت میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ [1]

---

[1] (دیکھیے کاویہ ج 2)

مولانا بٹالوی نے اس فتویٰ کے حصول کے لیے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور اس مہم میں ہر طرح کی قربانی دی۔ پھر اس مہم سے فارغ ہوتے ہی 20 سے 31 جولائی 1891ء تک مرزا صاحب سے ایک زبردست تحریری مناظرہ کیا۔ بارہ روز کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب میدان مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ان پر مولانا بٹالوی کی ہیبت اس طرح چھائی کہ آئندہ جس مجلس میں مولانا بٹالوی موجود ہوتے اس مجلس میں مرزا صاحب کو دوسروں سے بھی مباحثہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ لدھیانہ کا یہ مناظرہ اہل اسلام کے لیے نشان رحمت ثابت ہوا۔ کتنے ہی قادیانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور کتنے ہی مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ اس مناظرہ کی روداد مولانا نے اشاعت السنۃ کے متعدد شماروں میں شائع کی ہے جو پانچ سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

اس مناظرہ کے بعد مولانا بٹالوی نے سایہ کی طرح مرزا قادیانی کا تعاقب جاری رکھا اور اشاعت السنۃ کو بھی قادیانی ہفوات کی تردید کے لیے وقف کر دیا۔ مسلسل اور تابڑ توڑ ضربیں سہتے سہتے مرزا صاحب اس قدر زچ ہوئے کہ گرتی ہوئی ساکھ بچانے کے لیے اپنے شاگردوں کی آڑ لے کر جنوری و فروری 1893 میں علی الترتیب بٹالہ اور لاہور سے مناظرہ کی تحریک پھر شروع کرائی۔ سوچا کہ اپنی روباہی چالوں سے حفظ ناموس کی کوئی سبیل نکال ہی لیں گے مگر اس شیر اسلام کی گرج اور تڑپ نے ایوان قادیانیت میں ایسا زلزلہ برپا کیا کہ قادیانی سورماؤں کی صفوں میں ہلچل اور بھگدڑ مچ گئی۔ مباہلہ کی تحریک ہوئی مگر مرزا صاحب لرزا براندام تھے۔ پیچھے ہٹ گئے بالآخر آپ نے گھبرا کر عذاب الٰہی کی دھمکیاں دینی اور پیش گوئیاں شائع کرنی شروع کر دیں۔ مولانا بٹالوی نے عدالت کی طرف رجوع کیا کہ ممکن ہے کہ ان پیش گوئیوں کی آڑ میں قتل و خونریزی کا کھیل کھیلنا مقصود ہو اور بالآخر مرزا صاحب کو عدالت نے اس حد تک مجبور کیا کہ رب انی مغلوب کہہ کر فانتصر کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

اس کے بعد مولانا بٹالوی نے زندگی کے آخری لمحات تک قادیانیت کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ حتیٰ کہ وفات سے پہلے آخری مضمون جو زیر ترتیب تھا وہ بھی رد قادیانیت

ہی کے موضوع پر تھا۔

خود قادیانیوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ مولانا بٹالوی قادیانیت کے مخالفین کے سرخیل وقافلہ سالار تھے۔ مرزا صاحب کی اکثر تصانیف میں اس مضمون کی عبارتیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی وفات کے بعد قادیانی اخبار ''الحکم'' کے اڈیٹر نے صاف صاف لکھا:

> ''مولوی محمد حسین بٹالوی کی موت کی خبر میں نے فی الحقیقت رنج وافسوس سے پڑھی۔ ہر چند وہ ہمارے سلسلہ کا دشمن اول تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک زبردست عالم اور اپنے عہد وعصر کا ذی علم مناظر اور اہل قلم تھا۔۔۔ سلسلہ کے ساتھ ان کی مخالفت کی تاریخ ایک دلچسپ باب اور 28 سال کی ایک طویل داستان ہے۔'' [1]

☆☆☆☆☆

فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری [متوفی 1948ء]

مخالفین قادیانیت کے دوسرے قافلہ سالار

مولانا بٹالوی کے علاوہ اس میدان کی امامت وقیادت اور سربراہی وسیادت کے لیے قدرت کی طرف سے جس دوسری ہستی کا انتخاب عمل میں آیا وہ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی ہستی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مولانا نے جس وقت اس میدان میں قدم رکھا بڑی بڑی مقدس، ذی علم اور اسلامی حمیت وغیرت سے بھرپور ہستیاں موجود تھیں، لیکن آپ کی رفتار حرب وضرب اس قدر پرزور اور مجاہدانہ پیش رفت اس قدر تیز تھی کہ دیکھتے دیکھتے اسلامی دفاع کا علم آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دوسرے تمام مجاہدین پیچھے رہ گئے۔

جنوری 1891ء میں جب مرزا صاحب قادیانی کا دعویٰ منظر عام پر آیا تو ابھی

---

[1] (الحکم' قادیان ماخوذ از اہل حدیث امرتسر 9/اپریل 1920)

آپ طالب علم تھے اور کوئی ڈیڑھ سال بعد 1892ء میں فارغ ہو کر گھر تشریف لائے لیکن طالب علمانہ دور ہی سے آپ نے ردوقدح شروع کر دی تھی۔ قادیانی اکابرین سے آپ نے بار بار بحث وگفتگو کی۔ اخبارات اور رسالوں میں تردیدی مضامین ومقالات لکھے۔ حتی کہ صرف چند برس بعد 1896ء میں مرزا صاحب نے انجام آتھم لکھی تو اپنے نامی اور اشد مخالفین کی فہرست میں مولانا بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری کے پہلو بہ پہلو آپ کا بھی نام لکھا۔ (ص 21-25) اس کتاب کے ضمیمہ (ص 20) میں مولانا کے ساتھ مباہلہ کی تحریک بھی ہے اور اس کا ثبوت بھی کہ آپ کی سرگرمیاں اس سے پہلے ہی اس مقام کو پہنچ چکی تھیں کہ پہلے بھی مباہلہ کی تحریک ہو چکی تھی۔ پھر یہ جنگ تیز تر ہوتی گئی حتی کہ جولائی 1900 میں زانو بزانو بیٹھ کر تفسیر نویسی کے مقابلہ کی تحریک ہوئی سارے شرائط طے ہو گئے اور انتظامات مکمل ہو گئے مگر مرزا صاحب مقابلہ کے لیے سرے سے تشریف ہی نہ لائے۔

1901 سے مولانا امرتسری نے رد قادیانیت کے خلاف باقاعدہ تصنیف کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر 1903 میں ہفتہ روزہ اہل حدیث جاری کیا جس کا ایک مستقل باب ردقادیانیت تھا۔ 1907 میں ماہنامہ مرقع قادیان جاری فرمایا جو پورا پورا ردقادیانیت کے لیے ہی وقف تھا۔

مرزا صاحب کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی امت سے آپ نے بے شمار مناظرے کیے۔ خود مرزا صاحب سے بھی مناظرہ کی تحریک ہوئی اور آپ 1903 میں بلا جھجک قادیان جا دھمکے مگر مرزا صاحب کو گھر کی چار دیواری سے نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔

مولانا کی مسلسل ضرب سے عاجز آ کر مرزا صاحب نے 15 اپریل 1907ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا: ''مولانا ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس اشتہار میں مرزا صاحب نے مولانا امرتسری کو قادیانی سلسلہ کا نابود کرنے والا' اور قادیانی عمارت کو ڈھا دینے والا قرار دیتے ہوئے خدا سے یہ فیصلہ چاہا ہے کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جائے اور صاف اور صریح لفظوں میں یہ اعلان بھی کیا ہے کہ جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے گا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آخری فیصلہ کر دیا۔

26 مئی 1908 کو مرزا صاحب کی موت واقع ہوگئی۔اور مولانا امرتسری اس کے بعد چالیس برس تک مسلسل حیات اور باطل کے خلاف رزم آراء رہے۔ یہ ایک خدائی نشان تھا جس نے حق و باطل کو ساری دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔اور یہ ایک خدائی خلعت تھی جس کے لیے پوری امت مسلمہ میں سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ کا انتخاب کیا گیا۔

مرزا صاحب کے انتقال کے بعد بھی قادیانیت کے قلعہ پر مولانا امرتسری کی ضرب پیہم جاری رہی۔''ردقادیانیت''۔۔۔''ہفت روزہ اہل حدیث'' کا ایک مستقل باب تو تھا ہی' پچاسوں کتابیں بھی اس موضوع پر لکھیں اور کئی سو مناظرے بھی کیے۔ایک زبردست اور فیصلہ کن مناظرہ جون 1909 میں رام پور میں ہوا۔ ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں کے ایک سو سے زائد چوٹی کے علما کی موجودگی میں عین وقت پر مناظرہ کے لیے آپ کا انتخاب ہوا اور بالآخر تیسرے دن قادیانی مناظرین میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔تمام علما کبار نے آپ کو فاتح قرار دیا اور خاص نواب رام پور محمد حامد علی خاں صاحب نے آپ کو فتح کا سرٹیفیکیٹ مرحمت فرمایا۔

ایک اور فیصلہ کن مناظرہ اپریل 1912 میں لدھیانہ کے اندر ہوا۔قادیانیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ حسب شرائط قادیانیوں نے تین سو روپے بطور انعام مولانا امرتسری کو دیے۔

کتب و رسائل اور مناظروں کے علاوہ ردقادیانیت پر آپ نے کئی سو تقریریں بھی ارشاد فرمائیں اور شاگردوں کا پورا ایک جتھا اس محاذ پر کام کرنے کے لیے تیار کر دیا۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کی وہ تعداد جسے قادیانی حضرات نو لاکھ تک بتایا کرتے تھے۔1935 تک سمٹ سمٹا کر خود قادیانی خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین کے حسب اقرار ایک لاکھ بھی نہیں رہ گئی تھی۔

مولانا امرتسری کی مساعی کا تفصیلی خاکہ ہم نے اپنی دوسری کتاب ''فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری'' میں بیان کر دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

دیگر اکابر واعیان

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی

مولانا بٹالوی کے سلسلے میں مرزا صاحب کی تکفیر کے جس فتویٰ کا ذکر اوپر ہم نے کیا ہے وہ آپ ہی کا لکھا ہوا تھا۔ بقیہ دو سو علما نے (جن میں ہندوستانی بھی تھے اور عرب بھی تائیدی نوٹ کے ساتھ یا نوٹ کے بغیر ہی تائیدی دستخط کیے تھے۔ میاں صاحب کا جواب اشاعۃ السنۃ کے 82 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر تائیدات نے صدہا صفحات لے لیے ہیں۔ آپ کا فتویٰ کتاب و سنت اور اسلامی اصولوں سے اس قدر مبرہن' مدلل اور محقق ہے کہ آج تک مرزا صاحب قادیانی اور ان کی پوری امت اس کی تردید نہ کرسکی۔

میاں صاحب خاندان ولی اللہی سے باہر کے وہ تنہا فرد تھے جنھوں نے مسند ولی اللہی کو زینت بخشی۔ میاں صاحب کی امامت اور علمی جلالت ہند اور بیرون ہند میں مسلم تھی اور ان کی نظیر سے صدیاں کی صدیاں خالی رہیں۔

مرزا صاحب یقیناً محسوس کرتے رہے ہوں گے کہ میاں صاحب کا یہ فتویٰ ان کی مسلمہ حیثیت کے پیش نظر مرزا صاحب کے لیے کس قدر مضرت رساں ہو سکتا ہے اور اس فتویٰ کے بعد عوام الناس کو اپنے دام فریب میں پھانسنا کتنا دشوار کام ہوگا۔ اس لیے مرزا صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ستمبر 1891 کے اخیر میں دہلی جا دھمکے۔ اور 2/ اکتوبر کو ایک اشتہار شائع کر کے میاں صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ ادھر سے دیر ہی کیا تھی؟ میاں صاحب کے شاگردوں نے فوراً مرزا صاحب کا پیچھا کیا۔ اب مرزا صاحب تھے کہ ایک ایک گوشے میں دبکے پھر رہے تھے اور میاں صاحب کے شاگرد تھے کہ مرزا صاحب کو کھود کھود کر میدان میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ متعدد بار مناظرہ کے لیے شرطیں طے ہوئیں اور جلسہ کا انتظام ہوا مگر مرزا صاحب تھے کہ عین وقت پر لاپتا۔ بصد مشکل 20/ اکتوبر 1891 کو جامع مسجد میں گھیر لائے گئے۔ مگر ہزار کوششوں کے باوجود مناظرہ نہ کیا اور حاضرین کو بصد

حسرت و یاس یہ کہتے ہوئے واپس ہونا پڑا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے' پہ تماشا نہ ہوا

میاں صاحب کی مخالفت کا جو خوش گوار اثر عوام پر پڑ سکتا تھا اس کا اندازہ خود مرزا صاحب کے اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے' فرماتے ہیں:

''نذیر حسین دہلوی جوان سب کا سرغنہ تھا' جو دعوت مباہلہ میں اول المدعوئین ہے' اپنے لائق بیٹے کی موت دیکھ کر ابتر ہونے [1] کی حالت میں دنیا سے گزر گیا۔'' [2]

مولانا محمد بشیر سہسوانی

میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں مولانا محمد بشیر سہسوانی ایک نہایت ہی بلند پایہ اور محقق اہل حدیث عالم تھے۔ ان کا قیام بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کے پاس تھا۔ اکتوبر 1891ء میں جب مرزا صاحب نے دہلی میں اشتہار بازی شروع کی تو میاں صاحب کے شاگرد جو بڑے بڑے نامور علما تھے' دہلی میں جمع ہو گئے' پنجاب سے مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ پہنچ گئے' بھوپال سے مولانا محمد بشیر سہسوانی بھی پہنچ گئے اور علما کا ایک اچھا خاصا مجمع بن گیا۔

جب مرزا صاحب نے میاں صاحب کے مقابل جامع مسجد میں مناظرہ کرنے سے فرار اختیار کیا تو بعض بزرگان دہلی کے توسط سے ایک علیحدہ مکان میں مرزا صاحب اور مولانا سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہونا طے ہو گیا اور ہیرا پھیری کے باوجود مرزا صاحب کو اس مناظرہ کے لیے حاضر کر ہی لیا گیا۔ متعین شرائط کے ساتھ طرفین سے پانچ پانچ پرچے

---

[1] (ابتر ہونے کے دعویٰ قطعی طور پر مرزا صاحب کا افتراء ہے۔ میاں صاحب کے پوتوں کے پوتوں کو تو خود مرزا صاحب کی اولاد نے دیکھا۔) [2] (تتمہ حقیقۃ الوحی ص 22)

لکھنا طے ہوا تھا لیکن قدم قدم پر شرائط کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود مرزا صاحب تین پرچوں سے آگے نہ جا سکے اور بحث ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مولانا سہسوانی نے ''**الحق الصریح فی اثبات حیوۃ المسیح**'' کے نام سے اس مناظرہ کی پوری روداد قلم بند کی ہے۔ ابتدا میں ان شرائط کا بھی ذکر کیا ہے جن کے تحت مناظرہ شروع ہوا تھا۔ ان میں ایک شرط یہ تھی۔

> ''اول بحث حیات مسیح علیہ السلام میں ہو' اگر حیات ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود چھوڑ دیں گے اور اگر وفات ثابت ہو تو مرزا صاحب کا اصل دعویٰ یعنی عدم نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ ہوگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے میں بحث کی جائے گی اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز کرنا سمجھا جاوے گا۔'' [1]

اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مناظرہ کا حاصل سنیے: مولانا سہسوانی لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔ چھ روز تک سلسلہ مباحثہ جاری رہا' چھٹے روز کہ تین پرچے میرے ہو چکے تھے اور تین پرچے مرزا صاحب کے۔ مرزا صاحب نے پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مباحثہ قطع کیا۔۔۔ اس وقت ایک مضمون جو پہلے سے بنظر احتیاط لکھ رکھا تھا اور وہ متضمن تھا اس امر پر کہ مرزا صاحب کی جانب سے نقض عہد و مخالفت شرط ہوئی۔ مرزا صاحب کی موجودگی میں سب حاضرین جلسہ کو سنا دیا گیا۔ حاضرین جلسہ مرزا صاحب کو الزام دیتے تھے مگر مرزا صاحب نے ایک نہ سنی۔ اس روز تہیہ سفر کر کے شب کو دہلی سے تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب کے یہ افعال اول دلیل ہیں اس پر کہ ان کے پاس اصل مسئلہ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اصل بحث کے

---

[1] (الحق الصریح فی اثبات حیوۃ المسیح ص 2-3)

لیے دو سدیں انھوں نے بنا رکھی ہیں۔ ایک بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام' دوسرے نزول عیسیٰ علیہ السلام۔ جب دیکھا کہ ایک سد جو ان کے زعم میں بڑی راسخ تھی ٹوٹنے کے قریب ہے اس کے بعد دوسری سد کی جو ضعیف ہے نوبت پہنچے گی۔ پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا' وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو قلعی کھل جاوے گی اس لیے فرار مناسب سمجھا۔ بعد انقطاع مباحثہ اور چلے جانے مرزا صاحب کے احقر دو روز دہلی میں متوقف رہ کر روز شنبہ ڈاک گاڑی میں روانہ بھوپال ہوا۔" [1]

معلوم نہیں مرزا صاحب درون دل کون کون سے مقاصد لے کر دہلی وارد ہوئے تھے اور میاں صاحب کو کیا سمجھ کر دعوت مناظرہ دی تھی' لیکن مرزا صاحب کی اس چھیڑ خانی اور شکست فاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں دوبارہ دہلی کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد وہ پنجاب کے ایک محدود خطے میں محصور رہ کر علمائے اسلام کی تابڑ توڑ ضربیں سہتے رہے اور شہر دہلی جو صرف ہندوستان کا دارالحکومت ہی نہیں بلکہ اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی اور تہذیبی مرکز بھی تھا مرزا صاحب کی فتنہ سامانیوں سے محفوظ و مامون رہا

مولانا عبدالحق غزنوی

موصوف ایک بلند پایہ صوفی المشرب اہل حدیث عالم دین تھے۔ امرتسر کے مشہور غزنوی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اپنے زہد و تقدس' پاکیزگی نفس اور تقویٰ کے سبب صوفی عبدالحق کے لقب سے خاص و عام میں معروف تھے۔ مرزا صاحب کے باطل دعاوی کے ظہور کے ساتھ ہی آپ نے اشتہارات و بیانات کے ذریعہ ان دعاوی کی حقیقت فاش کرنی شروع کر دی تھی۔ فریقین میں مقابلہ ہوتا رہا اور بات بڑھتے بڑھتے مباہلہ تک جا پہنچی۔ مباہلہ کے لیے جو طریق کار مقرر ہوا وہ مولانا عبدالحق غزنوی کے الفاظ میں یہ تھا۔

---

[1] (ایضاً ص3-4)

''مقام عیدگاہ (امرتسر) میں مباہلہ اس طریق پر بدیں الفاظ ہوگا:

میں یعنی عبدالحق تین بار بآواز بلند کہوں گا: یا اللہ! میں مرزا کو ضال، مضل ملحد، دجال، کذاب، مفتری، محرف کلام اللہ تعالیٰ واحادیث رسول اللہ ﷺ سمجھتا ہوں، اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر تو نے آج تک نہ کی ہو۔

مرزا تین بار بآواز بلند کہے: یا اللہ! اگر میں ضال ومضل وملحد ودجال وکذاب ومفتری ومحرف کتاب اللہ واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر آج تک تو نے نہ کی ہو۔''

بعدہ روبقبلہ ہو کر دیر تک ابتہال اور عاجزی کریں گے کہ یا اللہ! جھوٹے کو شرمندہ اور رسوا کر۔ اور سب حاضرین مجلس آمین کہیں گے۔'' [1]

اس اشتہار کے مطابق 10/ ذی قعدہ 1310 (جون 1893) کو عیدگاہ امرتسر میں مباہلہ ہوا اور دونوں فریق امن وامان سے واپس آ گئے۔

نتیجہ اس مباہلہ کا یہ ہوا کہ اس کے ایک سال دو ماہ بعد مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ محمدی بیگم کے شوہر کے انتقال کی آخری تاریخ مرزا صاحب کی پیش گوئی کے مطابق آ گئی لیکن وہ نہ مرا۔ پھر نصف ماہ بعد ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بھی موت کی آخری تاریخ مرزا صاحب کی پیش گوئی کے مطابق آ گئی لیکن وہ بھی نہ مرا۔ ان دونوں معاملوں میں مرزا صاحب کو جیسی کچھ ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑا تھا اس کا ایک ہلکا سا خاکہ گزر چکا ہے۔

آخری نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب اپنے مباہل (صوفی عبدالحق) کی موجودگی میں انتقال کر گئے اور ان کی لاش پر لاہور کی احمدیہ بلڈنگس سے ریلوے اسٹیشن تک اینٹ

---

[1] (تاریخ مرزا ص 47 مطبوعہ المکتبہ السّلفیہ لاہور بحوالہ اشتہار مولانا عبدالحق غزنوی 8 ذی قعدہ 1310ھ)

پتھر' گندگی اور پاخانوں کی ایسی بارش ہوئی کہ تاریخ میں کسی بدترین دشمن کافر کے لیے بھی ایسی رسوائی کا سراغ نہیں ملتا۔

اس کے برعکس صوفی عبدالحق صاحب مرزا جی کی وفات کے بعد پورے نو برس تک زندہ رہے' آپ کا انتقال 23 رجب 1335ھ (16 مئی 1917ء) کو ہوا اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ دفن کیے گئے۔ واللہ یؤید بنصرہ من یشاء

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صوفی عبدالحق صاحب پوری امت میں تنہا وہ فرد ہیں جن کے ساتھ مرزا صاحب کا مباہلہ منعقد ہوا۔ ان کے علاوہ دیگر متعدد علما کے ساتھ مباہلہ کی تحریک تو ہوئی مگر عملاً کسی کے ساتھ مباہلہ منعقد نہیں ہوا۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی

موصوف چوٹی کے علمائے اہل حدیث میں سے تھے اور رد قادیانیت کے میدان میں صف اول کے قائد و مجاہد تھے۔ ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے اور چوٹی کے علما بھی اس میدان میں آپ سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت آپ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے دست راست بلکہ یار غار تھے اور ان کے ساتھ گردش پیہم میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے بے شمار جلسوں سے خطاب کیا۔ صدہا مناظرے کیے اور بہت سی تصنیفات قلم بند کیں۔ رد مرزائیت کے باب میں آپ کی کتاب "شہادۃ القرآن" اپنے موضوع پر اپنی نظیر آپ ہے۔ ایک اور تصنیف "رسائل ثلاثہ" (امام زمان' مہدی منتظر' مجدد دوراں) بھی موصوف کے منفرد انداز استدلال اور ناقابل تردید طریقہ گرفت کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے "الہادی" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی جاری کر رکھا تھا۔ قادیانی حضرات آپ کا نام سن کر گھبراتے تھے۔ اس تذکرے میں جن علما کا نام ہم نے گنایا ہے عمر میں آپ ان سے چھوٹے تھے' آپ کی عملی تگ و دو اسی وجہ سے کسی قدر بعد میں شروع ہو سکی۔ لیکن آپ اپنے کارناموں کی وجہ سے صف اول میں ذکر کیے جانے کے مستحق ہیں۔

مولانا غلام دستگیر قصوری

موصوف بھی قادیانی فتنے کا مقابلہ کرنے والوں کی صف اول میں تھے' آپ کا شمار پنجاب کے ممتاز علمائے اہل حدیث میں ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ مرزا صاحب کا تعاقب کرتے رہتے تھے۔ مرزا صاحب اپنے خسر سے ملاقات کے بہانے وقتاً فوقتاً فیروز پور جایا کرتے تھے' لیکن علمائے اسلام کی طرف سے مرزا صاحب کی تکفیر کی بابت جو فتویٰ شائع ہو چکا تھا اس کی بنا پر اہل فیروز پور مرزا صاحب کی بات پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ آخر ایک بار نوبت مناظرہ تک پہنچی۔ تاریخ اور مقام مناظرہ معین ہوا۔ اشتہارات شائع کیے گئے اور مولانا غلام دستگیر قصوری کو مدعو کیا گیا۔ موصوف تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ہی فیروز پور پہنچ گئے اور دوسرے دن وقت مقررہ پر مقام مناظرہ میں جا ڈٹے' لیکن مرزا صاحب کا دور و نزدیک کہیں پتا نہ تھا۔ آخر رؤسائے فیروز پور نے مرزا صاحب کے خسر کے مکان پر جا کر مرزا صاحب سے میدان مناظرہ میں تشریف لانے کی استدعا کی مگر مرزا صاحب نے بلطائف الحیل انھیں ٹال دیا۔ جب انھوں نے واپس آکر مولانا قصوری کو صورت حال سے باخبر کیا تو موصوف نے مکرر' سہ کرر انھیں مرزا صاحب کے پاس بھیجا لیکن مرزا صاحب کسی طرح مقابلہ پر آنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور جب دیکھا کہ کسی طرح خلاصی ممکن نہیں تو فرمایا کہ میں فیروز پور کی بجائے لاہور میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔

مرزا صاحب کی یہ خواہش مان لی گئی۔ 25 دسمبر 1892ء کو لاہور موچی دروازے کی ایک مسجد میں مناظرہ ہونا طے پا گیا۔ اعلانات ہو گئے اور وقت مقررہ پر لاہور کے علاوہ گرد و پیش کی آبادیوں سے بھی ہزارہا آدمی مناظرہ سننے کے لیے اُمڈ آئے۔ مولانا قصوری تاریخ معینہ اور وقت مقررہ پر مناظرہ گاہ پہنچ گئے لیکن مرزا صاحب کو لاہور میں قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ نہ خود تشریف فرما ہوئے نہ کسی قسم کی کوئی اطلاع بھیجی۔ مولانا قصوری پانچ چھ روز منتظر رہ کر واپس چلے گئے۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے 15 جون 1893ء کو پھر لاہور ہی میں مولوی

غلام دستگیر صاحب سے مناظرہ کرنا منظور فرمایا۔ مگر بعد میں خود حاضر ہونے کی بجائے اپنے نمائندگان کو بھیجنا مناسب سمجھا چنانچہ مولانا عبدالحق غزنوی کے نام مرزا صاحب اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں:

''میں 15 جون 1893ء کے مباحثہ میں لاہور میں نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کے لیے جاویں گے'' [1]

مگر نہ تو خود حضرت مرزا صاحب کو مولانا قصوری کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوئی نہ اخویم حضرت حکیم نورالدین ہی نے لاہور کا رخ کیا' اور نہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب ہی نے بحث کے لیے لاہور آنے کی جرأت کی۔ [2]

ان واقعات سے مرزا صاحب اور ان کی امت کی جو مرعوبیت مولانا قصوری کے مقابل میں ظاہر ہوتی ہے وہ نہ صرف برقرار رہی بلکہ مزید پائدار ہوتی چلی گئی۔ اسی لیے مرزا صاحب نے مولانا قصوری کو اپنی آئندہ تصانیف میں بڑے سنگین الفاظ اور جملوں سے نوازا مگر مذکورہ بالا واقعات کے بعد سامنے آنا کیا معنی' سامنے آنے کے لیے چھیڑ خانی کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ ادھر مولانا قصوری بھی تردید مرزائیت کے سلسلے میں اپنے فرض سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ ردمرزائیت میں موصوف کی آخری تصنیف فیض رحمانی کا ہمیں علم ہو سکا جو انہوں نے بالکل اخیر عمر میں لکھی تھی۔

منشی الٰہی بخش لاہوری

موصوف ایک جید اہل حدیث عالم دین تھے۔ مولانا بٹالوی کے حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔ اپنے ذاتی اور علمی شرف و وجاہت کے سبب لاہور جیسے مرکزی مقام میں بڑی اہم اور باا‌ثر شخصیت وحیثیت کے مالک تھے۔ حساب نویسی کے سبب منشی کہلاتے تھے۔

---

[1] (تاریخ مرزا ص46)

[2] (یہ پوری تفصیل رئیس قادیان ص209,208 سے ماخوذ ہے۔)

مرزا صاحب کی تردید میں منشی صاحب موصوف کا قدم بھی بہت آگے تھا اور مرزا صاحب ان سے بھی گھبراتے تھے۔ منشی صاحب کا تذکرہ مرزا صاحب کی کتابوں میں بار بار ملتا ہے۔ اور مرزا صاحب کے لب ولہجہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ منشی صاحب سے کس طرح خوفزدہ اور پریشان تھے۔

1898ء میں مرزا صاحب نے ضرورۃ الامام کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تو منشی الٰہی بخش صاحب نے بڑی گہرائی اور بسط کے ساتھ اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ موصوف نے اپنی کتاب کا نام "اعصائے موسیٰ" رکھا۔ یہ کتاب متوسط سائز کے چار سو ساٹھ (460) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں مرزا صاحب اور ان کے پیش کردہ دعاوی و عقائد، نیز ان کے مقرب ترین متوسلین کا ایسی عمدگی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے کہ قادیانی مذہب اپنے بانیوں کے حقیقی خط وخال سمیت منظر عام پر آگیا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ منشی صاحب کی ہیبت مرزا صاحب پر قابوس بن کر سوار رہتی تھی اور وہ مولانا بٹالوی و مولانا قصوری و مولانا غزنوی وغیرہ کی طرح منشی صاحب کو بھی اپنی آخری تصنیفات تک میں نہ بھولے تھے۔

ان علمائے کرام کے علاوہ مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا احمد اللہ امرتسری، مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی، مولانا ابو القاسم سیف بنارسی، مولانا غلام علی قصوری، حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی، مولانا غلام رسول صاحب عرف رسل بابا امرتسری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، سید علی حائری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا محمد علی مونگیری، ملا محمد بخش لاہوری، مولانا ابوالحسن تبتی، مولانا عبداللہ معمار امرتسری، سید میر بسمل، بابو عبدالحی کوہاٹی، ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی، حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی، بابو حبیب اللہ امرتسری، مولانا ظفر علی خاں وزیر آبادی، اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے اور ان کی مساعی کو شرف قبول سے نوازے۔ آمین

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا

وارزقنا اجتنابه، آمین

صفی الرحمن المبارکفوری

24/ربیع الاول 1396ھ (26/مارچ 1976ء)

TRUEMASLAK @INBOX.COM

ہادی اعظم خاتم النبین علیہ الصلاۃ والسلام کا آفتابِ رسالت قیامت تک کے لیے انسانیت کو نورِ نبوت سے منور کرتا رہے گا آخرالزماں پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ رب کائنات کی طرف سے انسانیت کی رشد وہدایت کیلئے مبعوث کردہ آخری نبی ہیں آپ کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا اب جو بھی نبوت کا دعویٰ کریگا وہ کذاب ہے۔ یہود ونصاریٰ جو مسلمانوں کے ابدی دشمن ہیں۔ دنیا کے کسی بھی حصہ میں ممکنہ حد تک مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے کی تاک میں رہتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تو ان کی سازشیں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہیں۔ مگر انیسویں صدی کا نصف آخر عالم اسلام کے لیے بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کیلئے بالخصوص بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دور میں اسلام دشمن قوتوں نے اہل اسلام میں تشت وافتراق کے فروغ اور ان کے عقائد مسخ کرنے کے لیے جن فرقوں کو وجود بخشا ان میں سرفہرست قادیانی ہیں۔ انگریز کے اس خود کاشتہ پودا کی بیخ کنی کے لیے علما کرام نے بھرپور کوشش وکاوش کی۔ اس فرقہ ضالہ کے رد میں کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف کیں۔

زیر مطالعہ کتاب قادیانیت اپنے آئینے میں عالم اسلام کی قد آور شخصیت نامور عالم محدث مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کی قادیانیت کے رد میں ایک منفرد کاوش ہے۔ اس میں موصوف نے غلام احمد قادیانی کے کذب وافترا اور خود ساختہ جھوٹی نبوت کو ہدف تنقید بنایا ہے اور قادیانیت کے داغدار اور بدنما چہرہ کو ہمیشہ کے لیے بے نقاب کر دیا ہے۔ انہوں نے دلائل وبراہین سے مرصع کتاب تحریر کر کے اثبات حق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والوں کے باطل افکار ونظریات کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا ہے امید ہے یہ کتاب اربابِ علم وفضل اور عوام کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مکتبہ اسلامیہ کی اس حقیری کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور مصنف وجملہ رفقاء مکتبہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔

محمد سرور عاصم